2ND EDITION

ہماری ویب ڈیجیٹل بک

شیخ خالد زاہد

SHAIKH KHALID ZAHID

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Shaikh Khalid Zahid"
at Hamariweb.com

فیصلہ ہمیں خود کرنا ہے۔ کراچی

کراچی جو کبھی روشنیوں کا شہر کے نام سے جانا جاتا تھا ۔۔۔آجکل تاریکیوں کا راج ہے ۔۔۔تاریکی کبھی تنہا نہیں ہوتی ۔۔۔اپنے اندر خوف ، وحشت ، موت اور اس طرح کی ہر شے اپنے اندر سمائے چلی آتی ہے۔۔۔آپ بھاگتے رہیے یہ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتی ۔۔۔ یہاں تک کہ ہر طرف مایوسی اور افسردگی کا راج نہ ہوجائے۔۔۔ گھر سے نکلتے ہیں تو گھر والوں کو حسرت سے تکتے ہوئے ۔۔۔کیا پتہ آج شام ہونے سے پہلے ہماری زندگی کی شام نہ ہوجائے۔۔۔ہمارے گھر والے تو ہمارا چہرہ دیکھ لینگے مگر ہمیں دیکھنا شاید نصیب نہ ہو۔۔۔ہر آدمی مشکوک ہے ۔۔۔ ہم سب ایک دوسرے سے خوفزدہ ہیں۔۔۔ایک دوسرے سے بچ کے گزرنا چاہتے ہیں۔۔۔ہانپ جاتے ہیں جب کسی بازار یا رونق والی جگہ سے گزرتے ہیں۔۔۔ٹریفک جو ہمارے شہر کراچی کا ایک اور سنگین مسلہ ہے ۔۔۔اس میں پھنس جائیں تو سمجھیں جان ہتھیلی پر لئے بیٹھے ہیں۔۔۔نہ جانے کب کہاں سے کوئی آجائے اور آپ سے سب کچھ لے جائے ۔۔۔یہ بھی اسکے رحم و کرم پر ہے کے آپ کو چھوڑ دے یا ایک دو گولیاں مار دے۔۔۔آپکے مر جانے یا زندہ رہنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ سچ جانئے یہ اتنی ہی عام سی بات ہے ، جتنی آپ کو پڑھنے میں لگ رہی ہے۔۔۔آپ ٹریفک میں پھنسے ہوئے ہیں ۔۔۔کہیں سے کسی دھماکے کے منتظر ہیں۔۔۔یا اس طرح کے دیگر واقعات آپکے منزلِ مقصود پر پہنچے

تک۔۔۔آپ کے دل و دماغ کو گرماتے رہنگے۔۔۔اس قدر مایوس چہرے نظرآتے ہیں کہ آپ کے عزم کو گہنہ دیتے ہیں۔۔۔ بھوک سے روتے بلکتے بچے اپنی ماؤں کی گود میں ۔۔۔جنکے لئے وہ بھیک مانگ کر گزارا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔۔۔

کہتے ہیں پاکستان ایک گھر کی مانند ہے۔۔۔اگر پاکستان گھر کی مانند ہے تو اس کے رکھوالے کون ہیں، اس کی حفاظت کی ذمہ داری کس کی ہے اور یہ پاکستان کس کا ہے ؟۔۔۔آخر کب تک یہ خونی جنگل نما شہر اسی طرح انسانی جانوں سے اپنی پیاس بجھاتا رہے گا۔۔۔کیا کہانیوں میں بسنے والا کوئی ٹارزن آکر ہمارا نجات دہندہ بنے گا۔۔۔جو اکیلا ان سب خون کی ہولی کھیلنے والے درندہ صفت انسانوں سے ہمیں چھٹکارا دلائے گا۔۔۔

میرے بچے ابھی چھوٹے ہیں ۔۔۔دوسرے بچوں کی طرح وہ بھی کارٹون بہت شوق سے دیکھتے ہیں مگر یہ شوق مجھے بھی ہے اور جب بھی وقت اجازت دیتا ہے انکے شوق سے انکے پسندیدہ ترین کارٹون (Benten) بھرپور فائدہ اٹھاتا ہوں ۔۔۔ بین ٹین ہیں۔۔۔ مختصراً یہ کہ ہمارے چھوٹے صاحب زادے بین کے کچھ بھی کرنے سے پہلے ہی اعلان کردیتے ہیں کہ وہ کون سی آرماٹرک سے اس مصیبت سے نمٹے گا۔۔۔یوں تو مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے اور اچھا بھی لگتا ہے۔۔۔مگر میرے ذہن میں ایک خیال آتا ہے کہ کیا یہ بچے جب آگے بڑھینگے تو یہ سوال کرینگے کہ بابا

یہاں ایک بین ٹین ہونا چاہئے۔۔۔جو اپنی آرماٹرک سے سب کچھ سہی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔۔۔وہ قاتلوں، دہشتگردوں، بھتہ خوروں اور بھوک سے نمٹ لے گا۔۔۔جی ہاں ایسے کردار ماضی میں بھی تھے۔۔۔مگر انکی ایسی ضرورت کبھی نہیں پڑی۔۔۔

آج وہ وقت ہے کہ ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے خود محفوظ نہیں ہیں۔۔۔تو بھلا وہ ہماری حفاظت کے کیا سدِباب کرینگے۔۔۔آخر پھر ہماری مدد کون کرے گا؟۔۔۔بات تو اب ہماری عبادتوں اور خدا کو منانے سے آگے نکلتی نظر آتی ہے۔۔۔اگر میں اپنے بچوں سے پوچھوں تو مجھے یقین ہے وہ بین کو بلانے کی بات کرینگے۔۔۔مگر دل کہتا ہے ہماری مدد کوئی نہیں کرسکتا کیوں کہ وہ ہم ہی ہیں جو خود کو اس چنگل سے نجات دلا سکتے ہیں۔۔۔وہ ہم ہی ہیں جو اپنے خوف کو شکست دے سکتے ہیں۔۔۔ہمیں اپنی صفوں میں پیدا ہوئے خلا کو ختم کرنا ہوگا۔۔۔ہمارے بیچ جو ہمارے دشمن ہیں انہیں نکالنا ہوگا۔۔۔ہمیں ایک دوسرے کی دادرسی کرنی ہوگی۔۔۔ہمیں ایک دوسرے کی پہلے سے کہیں گنا بڑھ کے خیال رکھنا ہوگا۔۔۔اپنے درمیان آنے والے کسی بھی غیر مانوس فرد سے اس کی شناخت کرانی ہوگی۔۔۔یقین جانیئے ہمیں یہ سب کرناپڑے گا ورنہ ہمارے درمیان یونہی ایسے واقعات ہوتے رہینگے۔۔۔اور کل ہم بھی اسکا نشانہ بن سکتے ہیں۔۔۔اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے۔۔۔پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔۔۔ابھی وقت ہے اور فیصلہ بھی

ہمیں خود کرنا ہے۔۔۔

یہ وقت پھر نہیں آئے گا

تمام دنیا کی نظریں اس وقت پاکستان پر مرکوز ہیں۔۔۔اس کی وجہ لمحہ بہ لمحہ بدلتی صورتِ حال ہے۔۔۔ بلوچستان کا مسلۂ انتہائی گھمبیر رہا۔۔۔ پھر لانگ مارچ کا دھرنا اپنے منطقی انجام کی جانب پہنچتا نظر آرہا ہے۔۔۔ سپریم کورٹ کا اہم ترین فیصلہ (وزیراعظم کی گرفتاری) ۔۔۔اوران دونوں باتوں سے بڑھ کر ہماری سرحدوں پر بزدل دشمن کی سرگرمیاں۔۔۔ہمارے پیارے وطن کو بیک وقت انتہائی بدترین صورتِ حال کا سامنا ہے۔۔۔اور تمام تر صورتِ حال کا تعلق ہمارے مرکز اسلام آباد ہے سے۔۔۔ قادری صاحب جو کہ عوامی حلقوں میں مشکوک حیثیت اختیار کئے ہوئے ہیں۔۔۔یہی وجہ ہے کہ عوامی ردِ عمل اتنا کھل کر سامنے نہیں آپایا۔۔۔ہمارے خان صاحب جو کہ جارحانہ مزاج کے کپتان مانے جاتے ہیں۔۔۔کافی دفاعی حکمتِ عملی اپنائے نظر آرہے ہیں۔۔۔ متحدہ قومی موومنٹ کسی حدتک عوامی امنگوں کی ترجمانی کررہی ہے۔۔۔اور امید یہ کی جارہی ہے کہ اب کسی بھی وقت بھرپور حمایت کا اعلان کردیں۔۔۔رہ گئی بات ہمارے ملک کی مذہبی جماعتوں کی جن کی جانب سے ایسا کوئی خاص لائحۂ عمل سامنے نہیں آیا کہ وہ قادری صاحب کے ساتھ ہیں یا خلاف ہیں۔۔۔باقی ہمارے ملک کی تین جماعتیں جن میں نواز لیگ، ق لیگ اور حکمران جماعت پیپلز پارٹی (جسے اگلے انتخابات میں نام بدل کر حصہ لینا

چاہئے) جو اپنے دفاع پر معمور ہیں۔۔۔اور اگر کچھ باقی بچا ہے تو اسے سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔۔۔

انتظامی لحاظ سے پاکستان پانچ صوبوں پر مشتمل ہے (بشمول گلگت بلتستان)۔۔۔مگر درحقیقت اب ہم لوگ انگنت سیاسی و مذہبی پارٹیوں کی وجہ سے انگنت ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں۔۔۔نہ جانے کتنے ایسے افراد اپنی اپنی جگہ یہ سوچ رہے ہیں کہ۔۔۔یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔۔۔مگر ان دیکھے ہاتھوں نے انہیں جکڑ رکھا ہے۔۔۔لاکھ چاہنے کے باوجود وہ اس انقلاب کو انقلاب کی شکل دینے سے محروم ہیں۔۔۔ہم پاکستانی اب ٹولیوں میں بٹ چکے ہیں۔۔۔اپنے اپنے ٹولے کی نمائندگی کرنا ہی ہمارے اولین ترجیح بن چکا ہے۔۔۔ہم پر ہمارے وطن عزیز کا کیا حق ہے؟۔۔۔کیا ہم سب کو ایسے حکمرانوں سے نجات نہیں چاہیئے جنھوں نے ہمیں دیا تو کچھ نہیں۔۔۔بلکہ ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ بھی لے لیا۔۔۔مثلاً روٹی، پانی، کپڑا، گیس، بجلی وغیرہ وغیرہ۔۔۔

ہم منافقت کی سیاست کب تک چلائینگے۔۔۔ہم منافقت کی زندگی کب تک جیئینگے۔۔۔ہمیں ایک دن یہ فیصلہ کرنا ہے۔۔۔تو وہ فیصلہ آج کیوں نہ کرلیں۔۔۔اپنا کل محفوظ کرلیں۔۔۔ایسے تمام منافقین کو ہمیشہ کیلیئے دفن کردیں۔۔۔جو ہمیں خودکشیوں پر مجبور کررہے ہیں۔۔۔شائد یہ بہترین وقت ہے کوئی

بھی فیصلہ کرنے کا۔۔۔

ہمارا دشمن ہر روز ہمارے اوپر حملے کر رہا ہے۔۔۔ ہمارے فوجی جوانوں کو شہید کر رہا ہے۔۔۔ ہمارے فوج کے سربراہوں پر بھی آفرین ہے۔۔۔ بیک وقت کتنے محاذوں پر نبرد آزما ہیں۔۔۔ ایک طرف دہشت گردی کی جنگ میں گھرے ہوئے۔۔۔ تو دوسری طرف سرحد پر ہونے والی دراندازیوں کا جواب بھی بھرپور طرح سے دینا ہے۔۔۔ ایک قوم کی پہچان کروانے کا بھی یہی بہترین وقت ہے کہ۔۔۔ من حیث القوم ہم اپنے ملک سے بدعنوان، چور لٹیروں کو اس وطن سے مار بھگائیں۔۔۔ تاکہ دشمن کی یہ خوش فہمی کے ہم ریوڑ ہیں قوم نہیں غلط فہمی میں بدل جائے۔۔۔ اور ہماری فوج پوری مستعدی سے اپنی ذمہ داری وطن عزیز کی سرحدوں پر انجام دے رہی ہے۔۔۔ اور دشمن کے سامنے کسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کھڑی ہے۔۔۔

تو خدارا کوئی فیصلہ کر لیجئے۔۔۔ کسی بھی طرح ہو سکے اس تبدیلی کے عمل میں اپنا حصہ ضرور ڈالیں۔۔۔ تاکہ آنے والی نسلوں کے سامنے آپکو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔۔۔ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔۔۔

تعلیم یا شعور

دنیا کے ترقی یافتہ ممالک خصوصی طور پر ایٹمی ممالک جن کی ظاہری گنتی آٹھ ہے۔۔۔ ہم ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں تو شائد ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکیں مگر اللہ کی رحمت، ڈاکٹر عبدالقدیر اور انکی ٹیم کی مرہونِ منت ہم ان آٹھ ممالک میں سے ایک ہیں۔۔۔ ہم لوگ طبعیتاً کافی جذباتی واقع ہوئے ہیں۔۔۔ مگر افسوس اس امر کا ہے کہ ہمارے جذبات کی ترجمانی کرنے والا آج تک کوئی لیڈر یا رہنما پیدا نہیں ہو سکا ۔۔۔اور اگر کوئی ہم میں سے اٹھا بھی ہمارے جذبات کی ترجمانی کرنے کے شوق میں تو وہ گھیر لیا گیا۔۔۔اسے ہمارے ملک کا وہ قبیلہ کھا گیا جو غاصبوں کی طرح اس ملک پر خود ساختہ براجمان ہے۔۔۔ ہم پاکستانیوں کے پاس بڑی مشکل سے تین وقت کی روٹی کمانے کے بعد جو وقت بچتا ہے۔۔۔ وہ بجلی آنے کے انتظار میں گزرتا ہے۔۔۔CNG کی لائن میں گزرتا ہے۔۔۔ کھانے کے لئے گھریلو گیس کا انتظار میں گزرتا ہے۔۔۔ٹریفک میں پھنس کے گزرتا ہے۔۔۔ ہم آٹھارہ کڑور پاکستانی آبادی کے لحاظ سے تو اپنے ملک کو چھٹے نمبر پر لے آئے ہیں۔۔۔ مگر روز بروز دوسری تمام فہرستوں میں دور سے دور ہوئے جارہے ہیں۔۔۔ تعلیم کے عام کرنے کی باتیں سب کرتے ہیں۔۔۔ کسی نہ کسی سطح پر کچھ عملی اقدامات بھی کر دیتے ہیں۔۔۔ کوئی بستے تو کوئی کتابیں مفت دیتا ہے۔۔۔ کوئی پرائمری تعلیم مفت کروا دیتا

ہے۔۔۔لاتعداد غیر سرکاری تنظیمیں تعلیم کو عام کرنے میں برسرپیکار ہیں۔۔۔مگر کیا وجہ ہے کہ کوئی قائدِاعظم نہیں پیدا ہو رہے۔۔۔کوئی ڈاکٹر اقبال پیدا نہیں ہو رہے۔۔۔کوئی ڈاکٹر عبدالسلام نہیں پیدا ہو رہے۔۔۔کوئی فیض پیدا نہیں ہو رہے۔۔۔آخر کیوں۔۔۔یہ سوال ہم سب سے ہے۔۔۔

اسمبلیوں میں بیٹھے سیاستدانوں کا کام آئین سازی کے نام پر آئین کی دھجیاں اڑانا ہی ہے۔۔۔کیا ان لوگوں کو تعلیمی اصطلاحات سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔۔۔یہ لوگ تو کبھی وطنِ عزیز کے تعلیمی نظام کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔۔۔ہر سال کو کوئی نہ کوئی نام دیا جاتا ہے۔۔۔کسی کے نام سے منصوب کیا جاتا ہے۔۔۔میں اپنے طور سے اور آپ لوگوں کی جانب سے سالِ نو کو۔۔۔شعور کی بیداری۔۔۔کا سال قرار دیتا ہوں۔۔

ہمارے بچے کا نتیجہ اچھا آجائے۔۔۔اسکول میں یا کلاس میں اول آجائے۔۔۔نہیں تو پاس تو ہو ہی جائے۔۔۔تاکہ جلدی جلدی اگلی کلاس میں تو جائے۔۔۔کیا ہمارے معاشرے کے یہی رجحانات نہیں ہیں۔۔۔طبقہ یا کلاس کوئی بھی ہو۔۔۔ہیں تو پاکستانی ہی نہ۔۔۔ہم نے آخری دفعہ اپنے بچے کے اسکول کا بیگ کب چیک کیا تھا۔۔۔کیا تو تھا مگر رررررر۔۔۔ٹھیک سے یاد نہیں۔۔۔نصاب میں شامل کتابیں کس ٹیکسٹ بک بورڈ کی ہیں یہ بھی پتہ تو ہے۔۔۔مگرررررر ابھی یاد نہیں۔۔۔ان

تمام مسائل کے پیچھے کون ہے۔۔۔جی۔۔۔ بلکل ہمارے رہنما ہی ہیں۔۔۔ جنہوں نے ان کتابوں سے نہیں۔۔۔اپنے تجربوں سے علم حاصل کیا ہے۔۔۔جس کی بدولت پیسہ اور اقتدار کیسے بنانا ہے۔۔۔یا بن گیا تو کیسے بچانا ہے۔۔۔

بخدا میں جب لکھنے بیٹھا تھا تو۔۔۔ قطعی یہ سب نہیں لکھنا چاہتا تھا۔۔۔دراصل میرا مسئلہ یہ ہے کہ تعلیم تو کسی نہ کسی طرح کتابوں سے مل ہی جاتی ہے۔۔۔مگر شعور کہاں سے ملتا ہے۔۔۔میں ایک سات سال کے ایسے بچے کو جانتا ہوں جسے اللہ نے بہت اچھا ذہن دیا ہے۔۔۔اور وہ تھوڑا سا دھیان لگا کر کچھ پڑھتا ہے یا کچھ دیکھتا ہے۔۔۔تو وہ بہت اچھی طرح مجھے سمجھا دیتا ہے۔۔۔مگر نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اس کا یہ علم یہ سمجھ سطحی ہے۔۔۔وہ ان چیزوں کو جذب نہیں کرتا۔۔۔جس کی وجہ سے اسکی روحانی نشونما نہیں ہو پا رہی۔۔۔میں ایسا گمان کر رہا ہوں۔۔۔یہ ایک انتہائی مشکل کام ہے کہ آپ کس طرح کوئی بات کسی کے دل تک پہنچائیں۔۔۔اس بات کی نشاندہی کیسے ہو سکتی ہے کہ کوئی بات آپکے سامنے والے کے دل میں اتر گئی ہے یا۔۔۔روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی۔۔۔

آپ یقیناً یہ ضرور سوچ رہے ہونگے کے سوائے وقت کے ضیاع کے اور اس مضمون میں کچھ نہیں۔۔۔مگر آپ جان لیجئے آپ کے مستقبل کی کامیابی کا راز اس مضمون میں

پوشیدہ ہے۔۔۔اپنی آنے والی نسلوں کی تربیت صحیح سمت میں کیجئے۔۔۔انہیں بڑوں کا حقیقی احترام سکھائیے۔۔۔باادب بانصیب بے ادب بدنصیب۔۔۔فیصلہ ہم نے کرنا ہے۔۔۔کیا اچھا ہے کیا برا کم از کم بتانا ہے۔۔۔تربیت سے شعور بیدار ہوتا ہے۔۔۔علم کے حاصل کرنے کا شوق ذوق کے ساتھ بڑھتا ہے۔۔۔شعور وہ عنصر ہے جو دنیا میں اپنے کام میں، ہر جگہ، جہاں کہیں بھی تبدیلی لانے کی ضرورت ہوگی تبدیلی لے آئے گا۔۔۔ایسا میرا ماننا ہے۔۔۔اور یقین ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے۔۔۔جو روح کی نمو کے لئے سرگرداں ہوتے ہیں۔۔۔

محسنِ انسانیت ﷺ

قابلِ قدر قارئین ! میں تہہ دل سے آپ کو ۱۲ ربیع الاول کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔۔۔اور اللہ رب العزت کا صد شکرادا کرتا ہوں کہ مجھے اس بابرکت ذات نے محسنِ انسانیت ، وجہ کائنات ﷺ کی امت میں پیدا کیا۔۔۔درحقیت میرے پاس نہ الفاظ ہیں ، نہ سوچ ہے اور نہ عقل کے آپ ﷺ کی شانِ عقیدت میں کچھ لکھ سکوں کچھ کہے سکوں کچھ سوچ سکوں۔۔۔جب کبھی لکھنے بیٹھا تو آنکھوں میں نمی آ گئی۔۔۔الفاظ اداہونے سے قبل ہی بکھر گئے۔۔۔دل فرطِ جذبات سے لبریز ہوگیا۔۔۔

یوں تو آڑی ترچھی لکیروں سے الفاظ مرتب ہو ہی جاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ لکھ لیا جاتا ہے۔۔۔مگر آپ ﷺ پر جب کبھی لکھنا چاہا تو مندرجہ بالا کیفیت نے لکھنے نا دیا۔۔۔آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔۔۔مجھے اس سوال کا جواب ایک جملے میں مل گیا ۔۔۔اور وہ جملہ یہ ہے کہ ۔۔۔میں ایک بے عمل مسلمان ہوں۔۔۔میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تو مانتا ہوں مگر ان کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتا۔۔۔

آج بھی کیفیت تو ویسی ہے مگر سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہا ہوں۔۔۔پورا پاکستان ایک جان ہو کر آپ ﷺ کی ولادت کا جشن منارہا ہے۔۔۔ہر گلی ہر محلّہ ہر

شہر بقع نور بنا ہوا ہے۔۔۔ہر طرف ذکر و میلاد کی محفلیں سج رہی ہیں۔۔۔ حقیقت میں رونق کا سماع ہے۔۔۔ میں یہ جرات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔کہ ہمارے شہر مدینتہ النبی ﷺ جیسے بارونق معلوم ہو رہے ہیں۔۔۔یقیناً مدینے کی گلیاں آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے نور کی چادر اوڑھے بقع نور بنی ہوتی ہونگی۔۔۔

مسلمانوں خصوصی طور سے پاکستان کے مسلمانوں۔۔۔اپنے کسی عمل سے توثابت کردو کے تم محمدِ عربی ﷺ کے امتی ہو۔۔۔ جھوٹ تمھاری ہر بات میں شامل ہے۔۔۔ جبکہ آپ ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ کوئی ایک عمل بتا دیجئے جس کے کرنے سے میرے سارے عمل درست ہوجائیں۔۔۔تو آپ ﷺ نے اس شخص کو صرف سچ بولنے کی تاکید کی۔۔۔کیا ہمیں نہیں پتا جھوٹ معاشرتی صحت کیلئے کس قدر مضر ہے۔۔۔ جھوٹ سے نکلتا ہے دھوکہ دہی ۔۔۔ کسی کا مال لوٹ کر کسی کو بے وقوف بنا کر سمجھو کمال کر دیا۔۔۔لوگ بھی کہتے ہیں واہ بھئی واہ یہ تو بڑا ہی ذہین ہے۔۔۔ شراب پینا، جواء کھیلنا، قتل و غارت گری، عورت کا چادر اور چار دیواری کے تصور سے چھٹکارا، ناچ گانا اور ناچ گانے والے انتہائی محترم۔۔۔ نہیں جی میں نے اسلام سے قبل والی کیفیت نہیں بتائی۔۔۔یہ وہ تمام بیماریاں ہیں جو آج ہمارے جسموں میں سرائیت کر چکی ہیں۔۔۔

اسلام نے صرف مذہب کی بالادستی کی بات نہیں کی ہے۔۔۔کیا ہمارے نبی ﷺ نے

سیاست کی باگ دوڑ نہیں چلائی۔۔۔مدینے کو ایک فلاحی ریاست نہیں بنایا۔۔کیا اسلامی قوانین واضح نہیں کئے۔۔۔اور تو اور اسلام میں موجود دستور تو دستورِ خداوندی ہے۔۔۔بذریعہ قرآن رہتی دنیاتک کیلئے آزمودہ ہے۔۔۔خزانے کے امور، زکوۃ کا معاملہ، ۔۔۔عسکری کامیابیاں۔۔۔خارجہ امور۔۔۔ہمارے نبی اخرزماں ﷺ نے زندگی گزانے کے کون سے ایسے امور تھے جو ہمیں نہیں سکھائے یا بتائے۔۔۔آپ ﷺ صبر واستقلال کی معراج۔۔۔ تخی کوئی آپ سا اب کب آئے گا۔۔۔جنگی اصطلاحات ایسی کون سکھائے گا۔۔۔حضرتِ عمرؓ کو ادابِ حکومت کس نے سکھائے تھے ۔۔۔علیؓ کو علم وبہادری کس سے وراثت میں ملی ۔۔۔ابو بکر، صدیقؓ صادق وامین کے ساتھ رہے تو کہلائے۔۔۔سخاوت وحلم عثمانؓ نے کس سے سیکھی۔۔۔

دل باربار کسی بحرِ بیکراں کی مانند امڈ امڈ آتا ہے۔۔۔آنکھوں کو ادب ملحوظِ خاطر رکھنا ہے۔۔۔جب عزرائیلؑ آئے تو آپ کی زبان مبارک پر ایک ہی لفظ تھا امتی امتی امتی۔۔۔اب میں اس سے آگے لکھنے کا محتمل نہیں ہو پارہا۔۔۔میں نے اپنے دل میں ایک قندیل روشن کی ہے کہ میں ایک باعمل مسلمان بنوں گا۔۔۔میں اپنے آقا ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں پر کاربند ہو نگا۔۔۔

میں جھوٹ نہیں بولونگا۔۔۔میں حق بات کہنے سے نہیں ڈرونگا۔۔۔میں بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آؤنگا۔۔۔میں معاشرتی تفریق نہیں کرونگا۔۔۔میں

افہام و تفہیم سے محبت و بھائی چارے سے رہونگا۔۔۔آپ ﷺ نے دنیا کے تمام انسانوں کیلیۓ خصوصی طور سے مسلمانوں کیلیۓ اسانیاں ہی اسانیاں فرمائیں ہیں۔۔۔میں بھی اپنی ذات سے کسی کو ناحق تکلیف نہیں پہنچاؤنگا۔۔۔۔

قارئین ذرا سوچۓ تو ہم روزِ محشر اپنے پیارے آقا ﷺ کو کیا منہ دکھائینگے۔۔۔ہمیں امتوں کی گواہی کا ذمہ ہے۔۔۔ہمیں آپ ﷺ سے محبت اور عقیدت کا سب سے .بڑا اظہار کیا یہ نہیں کہا آپس میں بھائی چارے کی فضا قائم کریں۔۔۔ایک دوسرے کی دردوں کا مداوا کریں ۔۔۔اور اپنے محسنِ انسانیات ﷺ کے سچے عاشق کہلائیں۔۔۔

لاشیں بغاوت نہیں کرتیں

تمام حیات کا تعلق انسان کی روح سے ہے۔۔۔جب روح جسم کا ساتھ چھوڑ دے ۔۔۔تو جسم کو لاش کہا جاتا ہے۔۔۔ دنیا کے ہر دین و مذہب میں لاش کو ٹھکانے لگانے کا الگ الگ طریقہ کار رائج ہے۔۔۔لاشوں کو مسخ کردو۔۔۔انکو کاٹ کے پھینک دو۔۔۔جلا دو۔۔۔بے حرمتی کرو۔۔۔چیل کوؤں کو کھلا دو۔۔۔انکی بلا سے ۔۔۔لاشوں کے ساتھ جو دل چاہے سلوک کرو۔۔۔لاش تو لاش ہوتی ہے۔۔۔اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔دورِ حاضر کی ایک جدید ایجاد مشینی انسان (روبوٹ) ہے جس میں برقی توانائی سے حرکت پیدا کی جاتی ہے۔۔۔روبوٹ آپکے بتدریج کاموں میں بھرپور ساتھ دیتا ہے بلکہ انجام دیتا ہے۔۔۔مگر یہ مشینی انسان محبت اور نفرت سے آزاد ہوتا ہے۔۔۔یہ کسی کے ملنے کی خوشی اور بچھڑنے والے کے غم سے آزاد ہے۔۔۔اس سے یہ ثابت ہوا کے انسان کے زندہ ہونے کی دلیل بغیر روح کے ناممکن ہے۔۔۔روح ہے تو محبت بھی کرے گی اور نفرت کا اظہار بھی برملا کرے گی۔۔۔ملنے کی خوشی اور بچھڑنے والے کا ماتم بھی کرے گی۔۔۔

جسم کو لاش کے مرتبے پر اس وقت فائز کیا جاتا ہے جب اسکا عملِ تنفس بند ہوجائے۔۔۔جب وہ بے حس اور بے جان ہو جائے۔۔۔ کسی عمل سے کوئی ردِ عمل نہ

آئے۔۔۔ دیگر عزیز و اقارب کو مطلع کیا جاتا ہے۔۔۔ تجہیز و تدفین کا انتظام بڑے منظم طریقے سے سرانجام دیا جاتا ہے۔۔۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ مرنے والے کی لاش کو اسکی آخری آرام گاہ تک لے جایا جاتا ہے۔۔۔ اور پھر لحد کے سپرد کرکے دیگر امور کی تیاری شروع کی جاتی ہے۔۔۔

مذکورہ بالا معاملات طبعی موت کے حوالے سے لکھے گئے۔۔۔ اب اگر کوئی جیتے جی بے حس و بے حرکت ہو جائے۔۔۔ کسی عمل پر کوئی ردِ ردِ عمل ظاہر نہ کرے۔۔۔ اور مزے سے سانس لیتا رہے۔۔۔ کہیں کوئی مردہ دیکھا تو منہ دوسری طرف کرکے آگے بڑھ جائے۔۔۔ کہیں کسی کو مار کھاتا دیکھے تو راستہ بدل کر چلا جائے۔۔۔ کوئی آپکے سامنے آپ کی جیب سے پیسے نکال لے آپ اسے مسکرا کے اپنی دوسری جیب کا احوال بھی بتا دیں۔۔۔ کسی کی موت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر سمجھ لینا کے تمام فرائض ادا ہو گئے۔۔۔ زیادتی ہوتے ہوئے دیکھنا۔۔۔ زیادتی کرنے کے مترادف ہے۔۔۔ اپنے محلوں میں بیریر یا ڈنڈے نصب کرنے سے کیا آپ محفوظ ہو گئے۔۔۔ کیا آپ کا دفتر محلّہ میں ہی ہے۔۔۔ کیا آپ کے بچے کا اسکول پڑوس میں ہی ہے۔۔۔ کیا ڈاکٹر آپ کے سامنے والے مکان میں بیٹھتا ہے۔۔۔ کیا دھوبی کے لئے، پرچون، گوشت، سبزی وغیرہ کے لئے کہیں نہیں جانا۔۔۔ جانا ہے سب کو کہیں نہ کہیں جانا ہے۔۔۔ بیریر اور یہ ڈنڈے آپ کی کچھ حفاظت نہیں کر سکتے۔۔۔

ہم لوگ انقلاب کی باتیں کرتے ہیں ۔۔۔ کوئی کہتا ہے ابھی انقلاب کا وقت نہیں آیا۔۔۔ کوئی کہتا ہے انقلاب آنے کیلئے یہ ہونا باقی ہے ۔۔۔ کوئی کہتا ہے یہ ہونا باقی ہے ۔۔۔ کوئی کہتا ہے ایران میں انقلاب آیا، کوئی فرانس کے انقلاب کی باتیں کرتا ہے، کسی نے کہا انقلاب عرب ریاستوں میں پہنچا گیا تو اب پاکستان کی باری ہے۔۔۔ میں آپ لوگوں (اپنے قارئین)کے توسط سے ان تمام افراد سے صرف اتنا جاننا چاہونگاکے کیا انقلاب باتوں سے آتا ہے۔۔۔ کیا انقلاب ٹھنڈے کمروں میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ میز بجانے سے آتا ہے۔۔۔ کیا انقلاب بلٹ پروف گاڑیوں میں گھومنے سے آتا ہے ۔۔۔ کیا انقلاب معمالات کو دبانے سے آتا ہے۔۔۔ کیا انقلاب کمیشن کھانے سے آتا ہے۔۔۔ کیا انقلاب اپنے اثاثے دشمن کے ہاتھ فروخت کرنے سے آتا ہے۔۔۔ کیا انقلاب اپنے ملک کے ہیروز کو غدار ٹھہرانے سے آتا ہے ۔۔۔

میں انتہائی دکھی اور پر سوز دل کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ۔۔۔ لاشیں انقلاب نہیں لاسکتیں۔۔۔ ہماری روحیں ہمارے ہڈیوں کے پنجر سے آزادی پاچکی ہیں ۔۔۔ شائد انہیں ان ہڈیوں کے پنجر سے کراہت آتی ہوگی ۔۔۔ آج ہم لوگوں میں وہ تمام کمزوریاں جو معاشرے اور اخلاقیات کے تنزلی کا ماضی میں سبب بنی ہیں ہمارے اندر جڑیں بنا چکی ہیں۔۔۔ اور کسی چیز کو جڑ سے نکالنا کتنا مشکل کام ہے یہ ہم سب جانتے ہیں۔۔۔ تو ہمیں اپنے آپ کو لحد کے حوالے کر دینا چاہیۓ ۔۔۔ خود

اپنے لئے اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھودلینی چاہئے۔۔۔ہم نے قدرت کی عطا کردہ عقل کو بیچ دیا ہے۔۔۔ہم نے اپنی اقدار دفن کردیں ہیں۔۔۔ہم ان بے روح جسموں کو لئے سڑکوں پر بھلے بیٹھے رہیں۔۔۔کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔۔۔کیونکہ۔۔۔لاشیں انقلاب نہیں لاسکتیں۔۔۔

ایجاد یا دریافت

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔۔۔جب آپ کو کوئی کام کرنا ہو اور آپ اس کو سرانجام دینے کے لئے موجود چیزوں سے ہٹ کر کوئی شے یا طریقہ استعمال کریں تو سمجھیں آپ کی ضرورت نے ایک اوزار ایجاد کر دیا۔۔۔اس میں کچھ نیا نہیں ہے۔۔۔یہ تو ہوتا رہا ہے اور جب تک حضرتِ انسان جلوہ گر ہیں تو یقینا چیزیں ایجاد ہوتی ہی رہینگی۔۔۔
ایک الجھن نے مجھے اس موضوع پر لکھنے کے لئے اکسایا ہے۔۔۔ایجاد یا
دریافت۔۔۔ہو سکتا ہے آپ کے لئے اس میں کچھ اہم نہ ہو۔۔۔مگر میں اپنی الجھن تو آپ کے ساتھ بانٹونگا۔۔۔میرا ایسا سمجھنا ہے کہ کوئی بھی چیز ایجاد نہیں کی جا سکتی ۔۔۔بلکہ ہر چیز دریافت کی جاتی ہے۔۔۔کائنات کے خالق نے جب کائنات کی بساط بچھائی تو ہر شے کو اس میں پوشیدہ یا ظاہر رکھ دیا۔۔۔اب انسان کی تخلیق کی گئی اور عقل و شکل دے کر۔۔۔کرہ زمین پر بھیج دیا۔۔۔الہامی کتابوں کے ذریعے بتا دیا۔۔۔تمھارے کام کی تمھاری ضرورت کی سب چیزیں زمین کے حوالے کر دی ہیں۔۔۔اب ہماری دی ہوئی عقل کو استعمال کرو۔۔۔اپنی استعمال کی چیزوں کو ڈھونڈ لو۔۔۔وہ تمام لوگ امتیازی اہمیت و حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے ان چیزوں کو ڈھونڈا یا ڈھونڈنے میں مدد دی۔۔۔

کائنات کے علم سے آگاہی دینے والے کو ماہرِ فلکیات کہا گیا۔۔۔کائنات تو انگنت صدیوں سے ہے۔۔۔واقعات و حالات سے اندازے لگائے گئے۔۔۔رونما ہونے والی تبدیلیوں کو سامنے رکھا گیا۔۔۔پھر کہیں جا کہ کہا جا سکا کہ کائنات کو وجود میں آئے تقریباً چودہ بلین سال گزر چکے ہیں۔۔۔فلکیات کی جانکاری یا معلومات سے آگاہی دینے والا ادارہ ناسا نے کس طرح یہ عداد و شمار دیئے۔۔۔اس بحث میں پڑنا ایک نیا موضوع کھول دیگا۔۔۔کہنا صرف یہ ہے۔۔۔کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی اپنی طرف سے کچھ کہہ سکتا یا کرسکتا ہے۔۔۔نہیں۔۔۔ہر چیز موجود ہے۔۔۔بس دیئے گئے علم کی بنیاد پر معلوم کرنے والے معلوم کرلیتے ہیں۔۔۔

ڈاکٹر آپکے اندر ہونے والی تبدیلی کے بارے میں آگاہی دیتے ہیں۔۔۔ڈاکٹر تبدلیاں لانے والے کو بھی کہتے ہیں۔۔۔یہ بات ضروری تو نہیں کہ ڈاکٹر وہی ہے جو آپ کو دوا دیتا ہے۔۔۔ماہرِ فلکیات بھی تو ڈاکٹر ہی ہے۔۔۔ایک مشین ٹھیک کرنے والا بھی ڈاکٹر ہے۔۔۔جس سے آپ کو محبت ہے۔۔۔اسے کچھ نہیں آتا مگر اسے دیکھ کر آپ اپنے اندر خوشی کا احساس پیدا ہوتا محسوس کرتے ہو۔۔۔آپ کا محبوب بھی آپکا ڈاکٹر ہے۔۔۔استاد بھی ڈاکٹر ہے۔۔۔دین و مذہب کی باتیں بتانے والا بھی ڈاکٹر ہے۔۔۔

یہ تمام اور جنھیں میں نہیں لکھ سکا وہ سب بھی۔۔۔قدرت کی بکھری ہوئی موجود چیزوں سے ملا کر ہی بنتی ہیں یا تکمیل پاتی ہیں۔۔۔کوئی ایک چیز جو قدرت کی عطا کردہ نعمتوں کی آمیزش کے بغیر تخلیق ہوئی ہو تو مجھے لازمی آگاہ کیا جائے۔۔۔

اب آپ مجھے بتائینگے کہ کیا ایجاد کا لفظ ٹھیک ہے یا کہ دریافت کا۔۔۔اپنی ماہرانہ رائے سے لازمی آگاہ کیجئے تاکہ میری اصلاح ہو سکے۔۔۔

ہمیں کیا چاہیئے؟

بعض جگہوں پر وقت فیصلہ کروا دیتا ہے کہ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے۔۔۔ بعض جگہوں پر آپ ذہنی طور پر تیار ہو کر جاتے ہیں کہ آپ کو کیا چاہیئے۔۔۔ایک پاکستانی کی حیثیت سے ہم سے یہ حس ہی چھین لی گئی ہے کہ ۔۔۔کیا چاہیئے اور کیا نہیں چاہیئے۔۔۔چیزیں ہم پر مسلط کر دی گئیں ہے۔۔۔ عزتِ نفس داؤ پر لگی ہے۔۔۔تو اب چاہے کچھ بھی ہو ہماری صحت پر فرق نہیں پڑھنے والا۔۔۔ محترم قارئین ! ہم جیتے جاگتے اور ذی شعور انسان ہیں ۔۔۔اگر ہم سے کوئی پوچھے گا ہی نہیں، کہ آپ کو کیا چاہیئے ۔۔۔ہم خود سے تو بتانے سے رہے۔۔۔ایک نہ ایک دن ہماری یہ خاموشی۔۔۔ہم سب کو نگل جائے گی ۔۔۔اور آنے والی نسلوں کو یہ پتہ بھی نہیں چل سکے گا کہ ہمارا کوئی وجود تھا بھی یا نہیں۔۔۔انسان ہونے کہ کچھ تقاضے ہیں۔۔۔یقیناً ہم ان میں سے انگنت پورے کرتے جا رہے ہیں۔۔۔منہ پہ کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ کہنا۔۔۔لگائی بجھائی کرنا۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔۔۔اس طرح کے بے تحاشہ انسانی تقاضے ہم بہت احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں۔۔۔ہم نے ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔اعتماد کرنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔

جب میں اپنے خالق و مالک پر ہی بھروسہ کرنے سے قاصر ہوں تو پھر کسی اور پر

کیا بھروسہ کروں ۔۔۔ ہمارے جسموں کے اندر خلاء پیدا ہوگیا ہے۔۔۔ اور یہ خلاء بھروسہ اور اعتماد نہ ہونے سے پیدا ہوا ہے۔۔۔ دل گردے پھیپھڑے کام کر رہے ہیں ۔۔۔ وہ سب ایک مادی جسم کو چلانے کے لئے ضروری ہیں۔۔۔ ہمارے اندر خلاء ہے۔۔۔ کہیں یہ خلاء مادی چیزوں سے محبت اور دائمی و روحانی چیزوں سے دوری کے طفیل تو پیدا نہیں ہوا۔۔۔ ہمیں پتہ ہی نہیں یہ خلاء کیسے پر ہوگا۔۔۔ اور پیدا کیسے ہوگیا۔۔۔ روح اور جسم تو الگ الگ چیزیں ہیں۔۔۔ دونوں کی بہت کم نبھتی ہے۔۔۔ روح کی طلب و غذا کچھ اور ہے ۔۔۔ جسم مٹی سے بنا ہے کچھ اور تقاضے کرتا ہے۔۔۔ ہم جسم کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے مر مٹتے ہیں۔۔۔ خوب سے خوب تر بنانے کیلئے ۔۔۔ تزئین و آرائش کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔۔۔ بلا آخر یہ جسم کمزور ہو جاتا ہے۔۔۔ اسکو تو کمزور ہونا ہی ہے۔۔۔ آہستہ آہستہ تمام انسانی اعضاء ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔ چہرہ جسے ہم حسن و جمال کا عکاس بنانے میں بے تھکان لگے رہے۔۔۔ خشک سالی سے جگہ جگہ سے چٹخی ہوئی بنجر زمین کی مانند دکھائی دینے لگتا ہے۔۔۔ اب کوئی دیکھنا گوارا نہیں کرتا ۔۔۔ روح جو زخم خوردہ تو بہت ہوتی ہے مگر رہتی تر و تازہ ہے۔۔۔ زخموں سے رسنے والا لہو اسی تازگی سے بہتا ہے۔۔۔ اسکا چہرہ ویسا ہی ہشاش بشاش ہوتا ہے۔۔۔ شائد یہی وجہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے روبرو پیش ہونے کیلئے جسموں کے بجائے روحوں کو ترجیح دی ہے۔۔۔ مگر یہ سب ہماری بصیرت سے بجا ہے۔۔۔ کسے ان باتوں کی فکر ہے۔۔۔ سب اپنی اپنی خود ساختہ سمت متعین کئے دوڑے جا رہے ہیں۔۔۔ بس ایک

لمحہ میں سارا کھیل ختم ہو جاتا ہے۔۔۔ کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ کوئی پیغام گھر والوں کو دینا ہے۔۔۔ کوئی کام باقی ہے یا سمیٹنا ہے۔۔۔ بس چلو۔۔۔ وقت ختم۔۔۔ اور ختم کا مطلب ختم۔۔۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ میں اپنا یہ مضمون مکمل کر سکوں گا یا نہیں۔۔۔ یوں تو یہاں بات کو سمیٹا جا سکتا ہے۔۔۔ آگے چلتے ہیں۔۔۔ محترم و عالی مرتبت اشفاق احمد صاحب کہتے رہے ہیں۔۔۔ کہ تم بندوں کیلئے آسانیاں پیدا کرو اللہ تمھارے لئے آسانیاں پیدا کرے گا۔۔۔ پھر یہ بھی کہا گیا کہ تم کرم کرو اہل زمیں پر، خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر۔۔۔ چلیں تو پھر اسطرح کرتے ہیں۔۔۔ اپنی ڈگر بدلتے ہیں کچھ مختلف کرتے ہیں۔۔۔ ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں۔۔۔ ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔۔۔ ایک دوسرے کی بھوک و پیاس کو سمجھتے ہیں۔۔۔ ایک دوسرے کو عزت دیں، عزتِ نفس کا احترام کریں۔۔۔ اپنے آس پاس اپنے سے کم پیشے میں ملوث افراد کا خیال رکھیں۔۔۔ کسی صفائی کرنے والے کی ہر ممکن جو مدد آپ کر سکتے ہیں وہ کیجئے کچھ نہیں تو اسے شاباش دیجئے۔۔۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے قابلِ تحسین نظروں سے دیکھئے۔۔۔ اسے کسی بھی طرح یہ احساس دلایئے کہ اگر وہ یہ کام نہیں کرے گا تو ہمارہ معاشرہ طبعی طور پر بیمار ہو جائے گا۔۔۔ اور ایسا ہے۔۔۔ معاشرے کو صحیح معنوں میں فلاحی معاشرہ بنائیں۔۔۔ ہم ایک دوسرے سے ایسا برتاؤ کریں کہ ہمیں ایک دوسرے سے ڈر نہ

لگے۔۔۔ایک دوسرے سے چھپنا نہ پڑے۔۔۔
ایک تھکا دینے والا سفر اپنی تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔۔۔فیصلے کی گھڑی آنے والی ہے۔۔۔جب تک آپ کو اپنی منزل کا پتہ نہیں ہوگا۔۔۔سفر صرف تھکانے کے لئے ہوگا۔۔۔اور اس سے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔۔۔منزل کا تعین لازمی ہے۔۔۔پھر سفر کی تمام صعوبتیں آپ کو تجربہ دیں گی تکلیف نہیں۔۔۔سفر کی طوالت سے آپ گھبرائیں گے نہیں۔۔۔کوئی اتار چڑھاؤ آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔۔۔آپ کا دھیان اپنی منزل پر ہوگا۔۔۔یہاں میں اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں کہ درحقیقت ہمیں یہ سوچ اور سمجھ لینا چاہئے کہ۔۔۔ہمیں چاہئے کیا۔۔۔ہماری منزل کیا ہے۔۔۔بات سمجھ کی ہے اور آپ بہت سمجھدار ہیں۔۔۔

مجھے ووٹ مت دینا

ہم خوف زدہ لوگ ہیں۔۔۔ آئے دن کہیں نہ کہیں کوئی خود کش حملہ آور خود سوزی کر رہا ہے۔۔۔ کہیں نسب شدہ دھماکہ خیز مواد پھٹ رہا ہے۔۔۔ کہیں کسی کو گھات لگا کر موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔۔۔ کہیں کسی وبائی مرض میں مبتلا ہو کر انگنت لوگ لقمہ اجل بن رہے ہیں۔۔۔ کہیں ڈاکوؤں نے ڈاکہ مارتے ہوئے اہلِ خانہ کو موت کی نیند سلا دیا۔۔۔ موت برحق ہے اس کا تعلق کسی دین و مذہب سے نہیں۔۔۔ موت کا تعلق کسی مخصوص خطے یا علاقے سے نہیں۔۔۔ یہ وارد ہے۔۔۔ درحقیقت موت کا راج ہمارے ملک نہیں پوری دنیا پر چل رہا ہے۔۔۔ یہ موت ایک پر اسرار ایلین کی مانند ہمارے درمیان گھوم رہی ہے۔۔۔ آپ سفر میں ہوں۔۔۔ بازار میں ہوں ۔۔۔ دفتر میں ہوں۔۔۔ گھر میں ہی کیوں نہ ہوں۔۔۔ ایک انجانا سا خوف آپکے ساتھ ہے۔۔۔

یہ کوئی ڈراؤنی فلم کا سین نہیں۔۔۔ یہ ہماری عملی زندگی ہے جسے اس طرح ہم سب ہی گزار رہے ہیں۔۔۔ اگر ہم اس بحث میں جائیں کہ ہم ان حالات کا شکار کیسے ہوئے ۔۔۔ ایک لمبی کہانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔۔ میرے علم کے مطابق اس کے لئے کوئی بھی تیار نہیں۔۔۔ تو پھر اب اس سے نکلنے کا وقت آ گیا ہے۔۔۔ ہر طرف

تبدیلی کا شور ہے۔۔۔ایک بار پھر بلند و بانگ دعوے فضاؤں میں گونج رہے ہیں ۔۔۔کردار کشی کا سلسلہ جاری ہے۔۔۔گڑے مردے اکھاڑے جا رہے ہیں۔۔۔ایک دوسرے کے کالے کارناموں کے پردے فاش کئے جا رہے ہیں۔۔۔جی ہاں ! یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ذاتی بقا کی خاطر کسی کی کردار کشی کرنے سے گریز نہیں کرتے۔۔۔ہم ہر بار اپنے پاک وطن کی باگ دوڑ ان کے میلے کچیلے اور خون آلود ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں۔۔۔ہم کیوں انکے وہ وعدے بھول جاتے ہیں جو یہ پہلے کئی بار کر چکے ہیں۔۔۔جن میں سے شائد کسی ایک پر عمل ہوا ہو۔۔۔یہ کیسے بے حس لوگ ہیں جو ہر بار جھوٹ بول کر ہم سے ہمارے ضمیر سے دھوکہ کرتے رہے ہیں۔۔۔اور ہر بار چہرے پہ نیا چہرہ لگا کر سامنے آ جاتے ہیں۔۔۔

اس دکھ سے بھرپور مضمون میں ایک خوشگوار ہوا کا جھونکا تبدیلی کی امید۔۔۔الیکشن کمیشن کی ویب سائٹ کے مطابق ہمارے ملک کے کل رجسٹرڈ ووٹرز میں تقریباً اٹھاون فیصد (58%) ووٹرز کی عمر اٹھارہ سے چالیس سال ہے۔۔۔اگر دیکھا جائے تو تازہ خون ہے اور اس ملک میں سب سے زیادہ اسی عمر کے افراد مشکلات کا شکار ہیں۔۔۔نوکری کا مسلۂ، اچھی تعلیم کا مسلۂ، حفاظت کا مسلۂ اور اس طرح کے چھوٹے چھوٹے مسائل کی ایک لمبی فہرست ہے۔۔۔یہ تعداد تخت یا تختہ کرنے لئے کافی ہے۔۔۔مگر یہ تعداد ان لوگوں کی ہے جن کی اکثریت جذباتی ہوتی ہے۔۔۔اپنے فیصلے جذباتی انداز سے کیا کرتے ہیں۔۔۔مگر اب وقت بہت نازک ہو

چکا ہے۔۔۔زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے۔۔۔ہمیں وقت کی نزاکت کا خوب اندازہ ہے۔۔۔

مجھے ووٹ نہیں چاہئے۔۔۔میرا تعلق کسی سیاسی جماعت سے نہیں اور نہ ہی میں کوئی آزاد امیدوار ہوں۔۔۔میں صرف اس ملک میں اس تبدیلی کی طرف گامزن ہوں جو بغیر کسی خونی انقلاب کے آجائے۔۔۔اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریروں کے ذریعے آپ لوگوں کی سوچ میں کچھ تبدیلی لانا چاہتا ہوں۔۔۔جو کچھ سمجھتا ہوں آپ لوگوں کے ساتھ بانٹ لیتا ہوں۔۔۔اس یقین کے ساتھ انشاء اللہ ہم ایک دن اس ملک کو اپنے آباؤ اجداد کی خواہشوں کے عین مطابق بنا دینگے۔۔۔ہمارے لئے ان تمام شہیدوں کا لہو آکسیجن اور فیول کا کام کرتا ہے جو اس ملک کو حقیقی معنوں میں پاکستان بنانا چاہتے تھے۔۔۔ہم ہی ہیں جنھوں نے تبدیلی لانی ہے۔۔۔ہمارا ووٹ آنے والی نسلوں کے محفوظ مستقبل کی امانت ہے۔۔۔اسکا صحیح استعمال ہمارے ضمیر کی فتح ہوگی۔۔۔آنے والے وقت میں ہم اپنے سامنے سرخ روح ہو سکیں گے۔۔۔

اب یہ آخری معرکہ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہے۔۔۔کھوکھلے نعرے والوں کو انکے گھروں میں قید کرنا ہوگا۔۔۔حقیقت پر مبنی بات کرنے والوں کو چن چن کر نکالنا ہوگا اور انھیں یہ باور کرانا ہوگا۔۔۔اگر انہوں نے بھی ہمیں دھوکا دیا تو انکا

انجام یکسر مختلف ہوگا۔۔۔ میری خواہش ہے کہ مورخین جب تاریخ رقم کریں تو ہمارے عہد کو سنہری لفظوں سے لکھیں کہ اس کے نوجوانوں نے پاکستان کی تقدیر کا فیصلہ صحیح ہاتھوں میں کو سونپا۔۔۔ جسکی وجہ سے آج پاکستان دنیا کے چند ترقی یافتہ ممالک میں کھڑا ہے (آمین، انشاء اللہ)۔۔۔ قدرت ہمیں وہ وقت دیکھائے کہ کوئی نا دہندہ خود کہے مجھے ووٹ مت دینا۔۔۔ میں آپ جیسے باشعور و باوقار لوگوں کی رہنمائی کا اہل نہیں ہوں۔۔۔

بہترین حل کیا ہے؟

الیکشن کا دور دورہ ہے۔۔۔ تمام سیاسی کھلاڑی اپنے اپنے میدان میں تیار ہیں۔۔۔ سب کے منشور ہماری نظروں سے گزرے ہیں۔۔۔ ملک میں بجلی کے بحران پر قابو پانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔۔۔ دہشت گردی کے خاتمے کی باتیں ہو رہی ہیں۔۔۔ کہیں مفت تعلیم کی باتیں گونج رہی ہیں۔۔۔ انصاف کی فراہمی کی باتیں ہو رہی ہیں۔۔۔ کہیں کوئی خارجہ پالیسی میں اصلاحات کی باتیں کر رہا ہے۔۔۔ کون کیا دیتا ہے۔۔۔ ماضی کے اوراق پلٹ کر دیکھ لیجئے آپ کو پتہ چل جائے گا کس نے کب کیا کہا اور وہ اپنے کہے پر کتنا کاربند رہا۔۔۔ ان باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آنے والے دو سے تین سال پیوندکاری میں لگینگے۔۔۔ باقی وقت شائد کام کرنے میں گزرے (اللہ کرے ایسا بھی ہوجائے تو بڑی بات ہوگی ہم پاکستانیوں کیلئے)۔۔۔ کسی نے کوئی ایسا حل نہیں دیا جس سے عوام کو فوری ریلیف مل سکے۔۔۔ جیسے ہمارے یہاں موبائل کی کمپنیاں دیتی ہیں۔۔۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے بہت تکلیف محسوس ہو رہی ہے کہ پاکستان کی حیثیت اس وقت ساری دنیا میں دہشت گردوں کے کیمپ سے زیادہ نہیں ہے۔۔۔ دنیا میں کہیں کچھ ہوجائے ساری دنیا کی زبانیں کچھ دیر خاموش رہتی ہیں مگر نظر کا زاویہ یہ بتا دیتا ہے کہ اس

کا کوئی نہ کوئی تعلق پاکستان سے جڑا ہوا ہے۔۔۔اس میں ملوث فرد پاکستان میں پیدا ہوا تھا یا وہاں کچھ ماہ پہلے ہو کر آیا ہے۔۔۔آپ سب لوگ بغیر کسی حیل و حجت کے مجھ سے اتفاق کرینگے۔۔۔نہ جانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ ہمارے پیارے سبز پاسپورٹ کو ممنوعہ اشیاء میں شامل کر دیا جائے گا۔۔یہ ہمارا بین الاقوامی خاکہ ہے۔۔۔دوسری طرف ہمارے داخلی حالات کا اندازہ میں اور میرے ساتھ رہنے والے ہم وطن ہی جانتے ہیں۔۔۔خواہ وہ پاکستان کے کسی کونے میں کیوں نہ ہو۔۔۔ہم ان تمام مشکلات کے باوجود ایک ایسے مستحکم پاکستان کا خواہ ہیں۔۔۔جس میں نشو نما پانے والا بچہ ذہنی طور پر مضبوط ہو۔۔۔دنیا ہم پر ہر طرح سے قدغن لگانے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی ہے۔۔۔ہم اپنی آنے والی نسل کی پرورش ایسی کریں کے یہ مسائل یہ قدغن ان کے لئے بے معنی ہو جائیں۔۔۔وہ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے بے جا سوالوں کے منہ توڑ جواب دے سکیں۔۔۔انشاءاللہ۔۔۔میرا مقصد پاکستان کی خارجہ یا داخلہ پالیسیوں پر بحث کرنا نہیں ہے۔۔۔میں اپنے موضوع کی طرف چلتا ہوں۔۔۔میں اس مضمون کے توسط سے پاکستان کے تمام چھوٹے۔بڑے سیاست دانوں کی توجہ ایسے حل کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔۔۔جو موثر بھی ہے اور دیر پہ بھی۔۔۔

دنیا جہان میں نوجوانوں کو مستقبل کا معمار کہا جاتا ہے اور وہ اپنے معاشرے کے اس طبقے پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور انکی صلاحیتوں کو پنپنے کے بھرپور مواقع میسر کرتے ہیں۔۔۔دنیا جہان میں بچوں کی تعلیم کی ابتداء ایسی تعلیم سے

کی جاتی ہے جس سے بچہ اپنے اندر موجود پوشیدہ صلاحیتوں کو پہچان کے اور آگے کی جانب پیش قدمی کر سکے۔۔۔اس نظامِ تعلیم سے جہاں طالبِ علموں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے وہیں اساتذہ بھی اپنے لئے راہ ہموار کر لیتے ہیں۔۔۔

ابھی یہ مضمون لکھنا شروع ہی کیا تھا کہ میری نظر اس خبر پر پڑھی کہ لندن میں اسکولوں کی باقاعدہ تعلیم (Sportsmen Sprit) کے ذریعے بچوں کو اسپورٹس مین اسپرٹ دی جائے گی۔۔۔ یہ خبر پڑھنے کے بعد میری سوچ کو بہت تقویت ملی۔۔۔ ہم لوگ کم ہی کسی ایک نقطے پر متفق ہوتے ہیں۔۔۔ خوش قسمتی سے کھیل ایک ایسا موضوع یا نقطہ ہے جس پر سب ایک ہو جاتے ہیں۔۔۔شائد ایسے کچھ اور بھی نقاط ہوں مگر میرے مشاہدے کے مطابق کھیلوں میں کرکٹ خصوصی طور پر ایک ایسا موضوع ہے جس پر اس ملک کا ہر فرد چاہے کسی صنف سے ہو۔۔۔ کسی مذہب سے ہو۔۔۔ کسی علاقے سے ہو۔۔۔ کسی عمر سے ہو۔۔۔ کرکٹ کے لئے سب ایک ساتھ جڑ کے بیٹھ جاتے ہیں۔۔۔ ایک ساتھ خوشیاں مناتے ہی ہیں ایک ساتھ روتے ہیں۔۔۔ایک دوسرے کو دلاسہ دیتے ہیں۔۔۔ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔۔۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ وہ تمام ممالک جو بین الاقوامی کرکٹ کونسل (International Cricket Counci ICC)کے رکن ہیں۔۔۔ کرکٹ کے فروغ کیلئے نچلی سطح جسے ہم انگریزی میں Grass Root Levelکہتے ہیں، سے کام شروع کر دیتے ہیں۔۔۔ وہ

کیسا کھلاڑی پیدا کرتے ہیں یہ ہمارہ موضوع نہیں ہے۔۔۔ بین الاقوامی کرکٹ کونسل کے رکن کچھ ممالک ایسے بھی ہاں جہاں کرکٹ کی نچلی سطح پر بھی اتنی بلندی پر ہے کہ کسی بچے کے لئے یہ بھی اعزاز سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے علاقے کی ٹیم کی نمائندگی کر چکا ہے۔۔۔ کرکٹ کی ٹیم گیارہ کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔۔۔اب کسی ملک کی آبادی سوا ارب ہو یا اٹھارہ کروڑ۔۔۔وہ میدان میں اپنی نمائندگی کرنے کے لئے گیارہ کھلاڑی ہی بھیجنگے۔۔۔

والدین اپنے بچے میں جو بنیادی چیزیں دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔ان میں نظم و ضبط، باآدب، وقت کی قدر، انہماک، اور سب سے بڑھ کران کی جسمانی تندرستی قابلِ ذکر ہیں۔۔۔ تمام سیاسی جماعتوں کو اس ایک نقطے پر ایک ہونا چاہئے کے وہ اسکولوں میں ایسے یقینی اقدامات کرائیں جس کی بدولت ایک منظم و مضبوط پاکستانی وجود میں آئے۔۔۔اسکے لئے ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے۔۔۔

۱۔ محنت کا جذبہ، سچی لگن، اور نظم و ضبط پیدا کرنا

۲۔ ایک باشعور، مہذب اور پر اعتماد انسان بنانا

۳۔ ایک بہترین ٹیم پلئیر (ٹیم کا کھلاڑی) بنانا ہے

۴۔ حق اور سچ بات کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہے

۵۔ عزت و تعظیم کرنا سکھانا

۶۔ ہمارہ مقصد اسٹار کھلاڑی تیار کرنا ہر گز نہیں (مگر تربیت کسی اسٹار کھلاڑی سے کم نہیں ہونی چاہئے)

مندرجہ بالا سطور پر تربیت کا پلان تیار کیا جائے تو بچے کو کسی ایسے اسکول جانے کی ضرورت محسوس نہ ہو جہاں ہر بچے کا پہنچنا ممکن نہیں۔۔۔جب کسی کھلاڑی کی تربیت کی جاتی ہے تو اس کیلئے ان تمام عادتوں پر بھرپور طریقے سے عمل کرایا جاتا ہے۔۔۔ہر انسان کو کسی نہ کسی عمل سے گزر کر بڑھا ہونا ہوتا ہے۔۔۔بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بچہ بغیر کسی سبق سکھانے والے مرحلے کے بغیر کسی مقام پر پہنچ جائے۔۔۔اپنے موضوع کی طرف واپس آتا ہوں۔۔۔کھیلوں کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور خصوصی طور پر طبعی کھیل (کیونکہ آجکل کمروں میں بیٹھ کر کمپیوٹر اور موبائل پر بھی سارے کھیل کھیلے جاتے ہیں) میرا اصل مقصد ہے۔۔۔

اسکول اس مقصد کیلئے سب سے اہم ہیں۔۔۔کیونکہ بچوں کی پہلی کیاری (جس جگہ پودے لگائے جاتے ہیں) اسکول ہی ہیں۔۔۔ہر اسکول کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ اپنے اسکول میں کھیلوں کا ایک باقاعدہ تربیت دینے والا رکھے۔۔۔جس طرح دیگر علوم کے پیریڈ ہوتے ہیں بلکل ایسے ہی کھیلوں کے پیریڈ کو بھی روزانہ لازمی جز بنایا جائے اور اسی طرح امتحان لیا جائے۔۔۔ہم نے تمام کہ تمام اسکولوں کے طالبِ علموں کو سپر اسٹار نہیں بنانا۔۔۔ہاں ! مگر یہ بات ذہن نشین رکھنی اور کروانی ہے کہ

ایک سپر انسان بنانا ہے۔۔۔جو معاشرے کی اصلاح اپنے بچپن سے کرنا شروع کرے گا ۔۔۔اور دیکھتے ہی دیکھتے انشاء اللہ معاشرے کا نظام بدل دے گا۔۔۔ہو سکتا ہے یہ تبدیلی بہت کم وقت میں آجائے۔۔۔مگر اس کے بھرپور اطلاق کے بغیر ایسا ناممکن ہے ۔۔۔سب سے بڑھ کر پڑتال اور توازن کے بغیر کچھ کلیہ کام نہیں کر سکتا۔۔۔نوجوانوں کو اس کام پر معمور کیجئے۔۔۔انکو باور کرائیں کے ان کو اس ملک کی باگ دوڑ سونپ دی گئی ہے۔۔۔تبدیلی کا عمل تمھارے ہاتھوں میں دے دیا گیا ہے۔۔۔اپنے جوش اور ہوش سے ثابت کردو کہ دنیا اب تمھارے آگے بھیک مانگنے کو تیار ہو جائے۔۔۔تمام نفرتوں کا قلعہ کمہ کردو۔۔۔ان معصوم بچوں کو جنہیں تمھارے حوالے کیا ہے۔۔۔ان بچوں میں سہیل عباس، اعصام الحق، محمد آصف، نسیم حمید اور شاہد آفریدی کا حوصلہ، لگن اور جذبہ ڈال دو۔۔۔ان بچوں کو اقبال کے شاہین کی طاقتِ پرواز دے دو۔۔۔پھر دیکھنا دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنے وطن عزیز کا نام آسمان کی بلندیوں پر پہنچانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔۔۔انہیں ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں کا مطلب سمجھا دو۔۔۔یہ برقی قمقمے ہیں۔۔۔انہیں تمازت سے بھرپور سورج بنا دو۔۔۔جو جہالت کے تمام اندھیروں کو مٹا دیں۔۔۔اس پاک سرزمین کی مٹی کی اہمیت بتا دو۔۔۔اس مٹی میں مٹ جانے والے تحریک پاکستان کے لوگوں کی طاقت بنا دو۔۔۔کھیل کھیل میں انہیں قائدِ اعظم بنا دو۔۔۔بچوں کے اپنے ہتھیار (کھیلوں کا سامان) سے انہیں زندگی کی حقیقت سمجھا دو۔۔۔

میں اپنے اس مضمون کے توسط سے ان تمام حضرات سے جو کسی نہ کسی طرح اس کو پڑھ لیں گے ۔۔۔ اگر سمجھیں کہ میری اس تجویز کسی بھی طرح کارگر ثابت ہو سکتی ہے ۔۔۔ تو برائے مہربانی اسے آگے بڑھایئے ۔۔۔ میری نظر میں یہ ایک اہم قدم ہے اور اگر پہلا قدم صحیح اٹھ جائے تو منزل پھر زیادہ دور نہیں ہوتی ۔۔۔

نئی حکومت یا منٹو کا نیا قانون

الحمد اللہ ! گیارہ مئی دو ہزار تیرہ ۔۔۔ پاکستان میں الیکشن اپنے طے شدہ وقت پر ہوگئے۔۔۔ کون کیسے جیتا، کون کیسے ہارا یہ مضوع بھی آخری سانسیں لیتے نظر آرہے ہیں۔۔۔ میں آپ کے سامنے سعادت حسن منٹنو کا لکھا ہوا ایک سبق جو ہم نے اپنے انٹر (گیارہوں یا بارہویں جماعت) اردو کی نصابی کتاب میں پڑھا تھا جس کا عنوان : نیا قانون: تھا میں آپ کے سامنے کچھ سطور پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں، درج ذیل سطور سبق نیا قانون سے ؛

اگر کوئی صاحبِ ذوق مکمل نیا قانون پڑھنا چاہے تو اس لنک پر کلک ہے۔

http://www.salamurdu.com/urdu-writings/naya-qanoon-by-saadat-hassan-manto.html

منگو (مرکزی کردار) کوچوان اپنے اڈے میں بہت عقلمند آدمی سمجھا جاتا تھا۔۔۔ اسے دنیا بھر کی چیزوں کا علم تھا۔۔۔ استاد منگو نے اپنی ایک سواری سے اسپین میں جنگ چھڑ جانے کی اطلاع سنی تھی۔۔۔ اسپین میں جنگ چھڑ گئی اور جب ہر شخص کو اسکا پتہ چلا تو اسٹیشن کے اڈے میں جتنے کوچوان حلقہ بنائے حقہ پی رہے تھے دل ہی دل میں استاد منگو کی بڑائی کا اعتراف کررہے تھے۔۔۔ استاد

منگو کو انگریز سے بڑی نفرت تھی۔۔۔ایک روز استاد منگو نے کچہری سے دو سواریاں مارواڑی) لادیں اور انکی گفتگو سے اسے پتہ چلا کے ہندوستان میں جلد ایک آئین کا) نفاذ ہونے والا ہے تو اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔۔۔سنا ہے کہ پہلی اپریل سے ہندوستان میں نیا قانون چلے گا۔۔۔کیا ہر چیز بدل جائے گی؟۔۔۔ان مارواڑیوں کی بات چیت استاد منگو کے دل میں ناقابلِ بیان خوشی پیدا کر رہی تھی۔۔۔پہلی اپریل تک استاد منگو نے جدید آئین کے خلاف اور اس کے حق میں بہت کچھ سنا، مگر اس کے متعلق جو تصویر وہ اپنے ذہن میں قائم کر چکا تھا، بدل نہ سکا۔ وہ سمجھتا تھا کہ پہلی اپریل کو نئے قانون کے آتے ہی سب معاملہ صاف ہو جائے گا اور اسکو یقین تھا کہ اس کی آمد پر جو چیزیں نظر آئیں گی ان سے اس کی آنکھوں کو ضرور ٹھنڈک پہنچے گی۔۔۔پہلی اپریل کو صبح سویرے استاد منگو اٹھا اور اصطبل میں جا کر تانگہ تیار کیا اور باہر نکل گیا، اس کی طبعیت آج غیر معمولی طور پر مسرور تھی، وہ نئے قانون کو دیکھنے والا تھا۔۔۔ادھر ادھر گھومتے ہوئے کافی دیر ہو گئی مگر منگو کو کچھ نیا نہیں دیکھائی دیا۔۔۔پھر اسے ایک سواری چھاؤنی کی ملی اس نے اندازہ لگایا کہ وہاں سے نئے قانون کا کچھ پتہ چل جائیگا۔۔۔چھاؤنی سے اسے ایک گورے نے اشارے سے اپنی طرف بلایا (منگو کو گوروں سے نفرت تھی) ۔۔۔صاحب بہادر کہاں جانا مانگتا ہے؟۔۔۔منگو نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔۔۔گورے نے سگریٹ کا دھواں نگلتے ہوئے بولا جانا مانگتا ہے یا پھر گڑبڑ کرے گا؟ وہی ہے۔۔۔یہ الفاظ استاد منگو کے ذہن میں

پیدا ہوئے اور اس کی چوڑی چھاتی کے اندر ناچنے لگے۔۔۔وہی ہے۔۔۔استاد منگو نے پچھلے برس کی لڑائی اور پہلی اپریل کے نئے قانون پر غور کرتے ہوئے کہا کہاں جانا مانگتا ہے؟ ہیرا منڈی، کرایہ پانچ روپے ہوگا۔۔۔یہ سن کر گورا چلایا پانچ روپے کیا تم۔۔۔ہاں ہاں پانچ روپے۔۔۔کیوں جاتے ہو یا بیکار باتیں بناؤگے۔۔۔گورے نے اپنی چھڑی سے منگو کو تانگہ سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔۔۔پھر کیا تھا منگو کا گھونسہ کمان میں سے تیر کی طرح سے اوپر اٹھا اور چشم زدن کی گورے کی ٹھڈی کے نیچے جم گیا۔۔۔دھکا دے کر منگو نے گورے کو پیچھے ہٹایا اور دھڑا دھڑ پیٹنا شروع کر دیا۔۔۔گورے نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔۔۔اس چیخ و پکار نے استاد منگو کی باہنوں کا کام تیز کر دیا۔۔۔وہ گورے کو جی بھر کر پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ کہتا جاتا تھا؛پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑ فوں۔۔۔پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑ فوں۔۔۔اب ہمارا راج ہے بچہ:۔۔۔وہ دن گزر گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔۔۔اب نیا قانون ہے میاں۔۔۔نیا قانون! استاد منگو کو پولیس کے سپاہی تھانے لے گئے۔۔۔راستے میں اور تھانے کے اندر کمرے میں وہ نیا قانون نیا قانون چلاتا رہا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔۔۔نیا قانون نیا قانون کیا بک رہے ہو؟ قانون وہی ہے پرانا۔۔۔اور استاد منگو کو حوالات میں بند کر دیا گیا! (اختتام)

آپ کو یقینا ایسا محسوس ضرور ہوا ہوگا کہ ہم سب منگو ہیں۔۔۔ہمارے مسائل جوں

کے توں ہیں۔۔۔آج بھی صنعتیں بند پڑی ہیں۔۔۔ بجلی کا تذکرہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔۔۔پاکستان ایک ایٹمی مملکت ہے اوراسے ایٹمی طاقت بنانے میں قلیدی کردار ادا کرنے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان، ڈاکٹر ثمر مبارک مند ہمارے درمیان موجود ہیں اللہ انہیں اور لمبی عمر دے)۔۔۔ہم ان سے کیوں اس بجلی سے نمٹنے کے گر)
پوچھتے۔۔۔ہم ان سے کیوں نہیں کہتے ہمیں ایٹمی بجلی بنا کردیں۔۔۔ ایٹمی ملک اور بجلی کے بحران میں مبتلا ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔۔۔میاں صاحب آپ بھول نہیں سکتے، اللہ نے آپ سے ہی اس ملک کو ایٹمی طاقت بنوایا تھا۔۔۔ادھر ادھر ہاتھ پھیلانے سے کہیں بہتر ہے۔۔۔ان صاحبان کو بلایئے اور ان سے کہیے کہ ہمیں اس عذاب سے نکلنے میں ہمارے مدد کریں۔۔۔یقین کیجئے یہ بڑے سادہ لوگ ہیں آپ کو کچھ ہی وقت میں وہاں کھڑا کردینگے کہ آپ بجلی بانٹنے والے ممالک کی صف میں کھڑے ہونگے۔۔۔قدرت آپ پر مہربان ہے۔۔۔آپ بھی اس مملکتِ خداداد پر رحم کیجئے ۔۔۔اس اللہ کی بنائی ہوئی اشرف المخلوقات پر رحم کیجئے۔۔۔ہمیں کہیں سو تو پتہ چلے کہ پاکستان بدل رہاہے۔۔۔پاکستان آگے کی طرف بڑھ رہاہے۔۔۔یہ صرف ہم یہ ہی سمجھ لیں کہ آپ کا مقصد اقتدار کا حصول تھا۔۔۔اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔۔۔

(نئی حکومت یا منٹو کا نیا قانون (حصہ دوم

کسی بھی کام کو جب تک آپ اسکے منطقی انجام کو نہ پہنچا دیں ۔۔۔آپ کو قرار نہیں آتا۔۔۔اسی سبب کی بدولت مجھے اپنے اس مضمون کا دوسرا حصہ لکھنا پڑھ رہا ہے۔۔۔ میرا ایسا سمجھنا ہے کہ پہلے مضمون میں کچھ تشنگی باقی رہ گئی۔۔۔اور میں اپنی بات کی وضاحت صحیح معنوں میں نہیں کر سکا۔۔۔اسلئے میں نے اس مضمون کا دوسرا حصہ لکھنا لازمی سمجھا۔۔۔منٹو کے منگو کو یاد رکھنا ضروری ہے۔۔۔
گیارہ مئی ہمارے لئے منگو والی پہلی اپریل سا تھا۔۔۔ پاکستانی گیارہ مئی کا سورج کسی اور سمت سے ابھرتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔۔۔مگر ایسا کچھ نہ ہوا اور سورج مشرق سے طلوع ہو گیا کوئی بات نہیں۔۔۔اب لوگ بیدار ہو چکے ہیں لوگوں کی ذہنی نشو نما ہو چکی ہے۔۔۔اب پاکستانی قوم باشعور ہو چکی ہے۔۔۔ہم نئے لوگوں کی شکل میں نیا پاکستان دیکھنا چاہتے تھے۔۔۔ہم سمجھتے تھے دہشت گرد ہمارا پیچھا چھوڑ دینگے۔۔۔۔۔۔ہم گیارہ مئی کے بعد ہر چیز اجلی دیکھنا چاہتے تھے۔۔۔ہم لوگ بسوں ویگنوں میں مہذب طریقے سے سفر کرنا چاہتے تھے۔۔۔ہم لوگ بے جا خوف و پابندیوں سے نجات چاہتے تھے۔۔۔ہمیں لگتا تھا لوڈ شیڈنگ کا جن قید ہو جائے گا۔۔۔ہمارے تاریک راستے روشن ہو جائنگے۔۔۔ڈرون جیسی ہیبت ناک

اور جان لیوا دشمن ڈر کر کہیں غائب ہو جائے گا۔۔۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔۔۔ سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا۔۔۔ ہر پاکستانی منگو کی طرح ادھر ادھر گھومتا پھر رہا تھا۔۔۔ اپنے شہر اپنے علاقے کے در و دیوار اور راستے دیکھ رہا تھا۔۔۔ کہیں سے تو گیارہ مئی کا پتہ ملتا۔۔۔ کہیں سے تو نئے پاکستان کا پتہ چلتا۔۔۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔۔۔ اور ایسا ہوتا بھی کیسے۔۔۔ سب کچھ وہی تھا سب لوگ وہی تھے۔۔۔

ہم اس یقین کے ساتھ اپنی سوچوں کا ہالا آگے بڑھاتے ہیں کہ ابھی صبح کا سورج طلوع ہوا ہے ابھی سارا دن باقی ہے۔۔۔ اللہ کے حکم اور مدد سے ہمارے سیاستدان ہمارے حکمران اس دن کو تابناک بنادینگے۔۔۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی عوام اپنے حکمرانوں کی غلطیاں بھی خود برداشت کرتی ہیں۔۔۔ حکمرانوں کے غلط اقدامات کا ازالہ بھی پاکستان کی عظیم عوام ہی کرتی آئی ہے۔۔۔ کوئی پیسہ لے کر بھاگ جائے اس کے پیچھے نہیں بھاگتی۔۔۔۔ اسکا پیسہ چندہ کرکے کسی بھی طرح خود اتارتی ہے۔۔۔ اور ایک اور گیارہ مئی کے لئے تیار کرتی ہے۔۔۔ اس قوم میں بہت حب الوطنی ہے مگر بد نصیبی کہئے کہ حکمران طبقہ اس لفظ (حب الوطنی) سے نہ آشنا ہے۔۔۔ اے اللہ رب العزت رمضان کی بابرکت ساعتیں جاری و ساری ہیں ان کے طفیل ہمارے ملک سے انارکی، تعصب اور مذہب و فقہ کے نام پر قتل و غارت گری ختم ہو جائے۔۔۔ اور ہمارے اصل دشمن کا چہرہ بے نقاب ہو جائے۔۔۔ ہم دیکھنا چاہتے

ہیں بدلتے ہوئے پاکستان کو کیونکہ ہم بدلنا چاہتے ہیں اپنے آپ کو۔۔۔برائے مہربانی
مجھے اور پاکستان کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔۔۔اللہ ہم سب کو اس رمضان
المبارک کی برکتیں، رحمتیں اور نعمتیں نصیب فرمائے اور ہمارے لئے آسانیوں (دنیا و
آخرت) کا معاملہ فرمائے (آمین یا رب العلمین

(Hamariweb.com) کچھ ہماری ویب کے بارے میں

تقریباً پندرہ سال سے لکھنے لکھانے کی مشق میں سرگرداں ہوں۔۔۔روزگار کی وجہ سے گیارہ سال کا عرصہ اولیاؤں کے شہر ملتان میں گزارے۔۔۔ملتان جنگ اخبار میں تھوڑی بہت جگہ ملی اور باقاعدہ تو نہیں مگر بطور مہمان کالم شائع ہوتے رہے۔۔۔جنگ ملتان میں لکھنے کا تجربہ بہت خوشگوار تھا۔۔۔نوائے وقت ملتان میں بھی تھوڑی سی جگہ ملی اور انھوں نے ہمارا ایک افسانہ شائع کیا۔۔۔ملتان نے میرے ادبی ذوق کو کافی تقویت بخشی۔۔۔روزگار کی مرہونِ منت کراچی واپس آنا پڑا۔۔۔آنے کے بعد مصروفیات سے فارغ ہوئے تو پھر کسی پلیٹ فارم کی ضرورت پیش آئی۔۔۔ کراچی جیسے شہر میں کسی پلیٹ فارم کا ملنا یقیناً کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔۔۔مگر ہمارے لئے یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔۔۔حسبِ عادت ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتے رہے۔۔۔
پھر ہمیں hamariweb.com ملی جس پر جنوری دو ہزار گیارہ میں پہلا مضمون شائع ہوا۔۔۔مضمون شائع تو ہوگیا مگر اعتماد بحال نہیں ہوا۔۔۔یہی خیال رہا کہ ایسی نہ جانے کتنی ویب سائٹس ہونگی جو اس طرح سے برسرِپیکار ہونگی۔۔۔مگر ہم نے hamariweb.com کو دیگر اس طرح کی ویب سائٹس سے یکسر مختلف پایا یہ
۔۔۔یہاں

آپ کو آپ کے کام کی ہر چیز ملے گی۔۔۔تازہ ترین خبریں بھی ہیں۔۔۔ عجیب و غریب رونما ہونے والے واقعات بھی ہیں۔۔۔کھیلوں سے محبت رکھنے والوں کیلئے میچز کی تازہ ترین صورتحال کے ساتھ ۔۔۔براہ راست اسکور کارڈ بھی دستیاب ہے۔۔۔یہ چند خصوصیات آپکے سامنے پیش کی ہیں۔۔۔جن کی بدولت hamariweb.com پر ہمارا اعتماد بحال ہوتا گیا۔۔۔میرا یہ مضمون کس قدر حقیقت پر مبنی ہے اور آپ کو میرے مشاہدے سے اتفاق نہ ہو تو www.hamariweb.com لازمی وزٹ کریں۔۔۔آپ کو خود تمام باتوں کا جواب مل جائے گا۔۔۔بلکہ آپ مجھے بتائینگے کہ جناب آپ نے تو کچھ ہی چیزوں کا ذکر کیا تھا۔۔۔یہاں تو اس سے کہیں بڑھ کر معلومات ہیں۔۔۔

hamariweb.comکو میں اپنے لئے اور اپنے جیسے اور بہت سے لکھاریوں کے لئے ایک ایسا ذریعہ سمجھتے ہیں۔۔۔ جو ہمارے لئے ایک پلیٹ فارم ہی نہیں بلکہ بلندیوں پر پہنچانے کا بندوبست بھی کریگی (انشاءاللہ) ۔۔۔اس ویب سائٹ کے توسط سے نہ جانے کتنے گم نام لوگوں کو نام مل گئے ۔۔۔ایک دن یہ نام آسمان پر ستاروں کی طرح چمکیں گے۔۔۔اس کا سارا کا سارا سہرہ hamariweb.com۔کے سر ہوگا

www.hamariweb.com کے ساتھ میرا تعلق بہت مختصر سا ہے مگر میری دعا ہے کہ یہ

ویب سائٹ جس ڈگر پر چل رہی ہے اگر اسی طرح چلتی رہی تو لازماً ہمارے ملک کی شان اور آن میں اضافہ کرتی رہے گی۔۔سب سے بڑھ کر ہماری قومی زبان کی سچی ترجمانی اور ترویج کرتی نظر آ رہی ہے۔۔۔ہم جیسے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر کھڑا کیا ہے۔۔۔ میں ذاتی طور پر اس ویب سائٹ کے منتظمین کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔۔۔ اپنے اس مضمون کے ذریعے ویب سائٹ کے منتظمین کو کچھ تجاویز پیش کرنا چاہونگا۔۔۔

تجویز نمبر ۱) آپ کوئی تصویری رجسٹریشن کارڈ کا اجراء کریں جو hamariweb.com اور اسکے لکھنے والوں کے درمیان ایک شناخت کا ذریعہ بنے، کارڈ کی بدولت ہم جیسے کتابوں سے محبت رکھنے والوں کو اسپیشل ڈسکاؤنٹ یا اور کسی قسم کی مراعات میسر آ سکے۔

تجویز نمبر ۲) آپ لوگ ادبی تقریبات کا انعقاد کریں اور اپنے لکھنے والوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا موقع دیں۔

تجویز نمبر ۳) اپنا کوئی ماہنامہ شائع کریں۔

تجویز نمبر ۴) آپ اگر چاہیں تو والنٹرز کی صورت میں اپنے قارئین سے مدد لے سکتے ہیں۔

میں اس یقین اور دعا کے ساتھ اپنا مضمون ختم کرنا چاہتا ہوں۔۔۔کہ اللہ کرے

دن دگنی رات چگنی ترقی کرے اور ساری دنیا اس کے گرد hamariweb.com

گھومے (آمین)

(تعلیم یا شعور ! (حصہ دوم

بصارت یا بصیرت

سالِ رواں کے اوال میں ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا تعلیم یا شعور جس کا لنک نیچے دیا گیا ہے۔۔۔ میرے نزدیک یہ مضمون ایک انتہائی اہم معاشرتی موضوع ہے۔۔۔http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?

id=28958 ۔۔۔

جسے ہر سطح پر زیر بحث لانے کی ضرورت ہے۔۔۔سیاسی منظر نامے پر لکھنا سچ پوچھئے تو میرے لئے بہت ہی تکلیف دہ عمل ہے۔۔۔پاکستان کی تاریخ جہاں سے رقم ہونا شروع ہوتی ہے۔۔۔اسی دن سے اس ملک کے ساتھ جو ہو رہا تھا وہی سب کچھ ہوتا جا رہا ہے۔۔۔مجھے بہت دکھ کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ تاریخ کو تاریک بنانے کا اسی دن سے ذمہ اٹھا لیا گیا تھا۔۔۔ میری خواہش ہے اور التجا ہے تمام لکھنے والوں سے کہ ایسے مضوعات پر لکھیں جو ذہنوں کی راہیں ہموار کریں۔۔۔ ہمیں مثبت سوچنے پر اکسائیں۔۔۔بے راہ روی سے بچائیں۔۔۔ہم سے وہ کام ہو جائیں جو ہماری پچھلی نسلیں نہیں کرپائیں۔۔۔ میرے نزدیک یہ ایک اہم ترین موضوع ہے۔۔۔جس کا عنوان بدل کر آپ کے سامنے پھر رکھ رہا ہوں۔۔۔ مثبت تبدیلی

کے لئے کوشش کرتے رہنا ہے۔۔۔شائد تبدیلی کسی ایسے ہی عمل کی منتظر ہے۔۔۔ فطری کاموں میں شعور خود بخود ہی کارفرما ہو جاتا ہے۔۔۔ تمام مذاہب اور معاشروں میں بنیادی چیزوں پر زیادہ توجہ نہیں دینی پڑتی لوگ خود بخود راغب ہو جاتے ہیں۔۔۔مثلاً بات کرنے کا سلیقہ۔۔۔اٹھنے بیٹھنے کے آداب۔۔۔ میل جول کے طریقے۔۔۔ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ۔۔۔پیشہ ورانہ ماحول۔۔۔یہ وہ عوامل ہیں جن کا براہ راست تعلق تعلیم یا شعور سے ہوتا ہے۔۔۔اگر آپ انسان کے ارتقائی دور پر نظر ڈالیں جہاں نہ تعلیم کا کچھ پتہ چلتا ہے اور نہ ہی کوئی شعور کا تذکرہ نظر آتا ہے۔۔۔زندگی اپنے ڈھب سے گزرتی ہوئی۔۔۔اگر غور کریں تو پتہ یہ چلتا ہے۔۔۔کہ شعور کی مرہونِ منت ضرورت ایجاد کرواتی رہی۔۔۔آج بھی ہمارے معاشرے میں انگنت ایسے موجد موجود ہیں جو بغیر کسی ڈگری کہ کیا کچھ ایجاد کر چکے ہیں۔۔۔اس کا قطعی یہ مقصد نہیں کہ تعلیم غیر ضروری طور پر رائج کی گئی۔۔۔ تعلیم کی بدولت آپ کام میں احتیاط برتتے ہوئے تکمیل کی جانب بڑھتے ہیں۔۔۔ نقصان کے اندیشے کم ہو جاتے ہیں۔۔۔اسی طرح کے بہت سے عوامل تعلیم کی مرہونِ منت ہیں۔۔۔ مگر بنیادی ضرورت شعور کی ہے۔۔۔ مگر کیا شعور بیدار کیا جاسکتا ہے ؟۔۔۔کیا انگنت ڈگریاں آپ کے اندر شعور بیدار کرسکتی ہیں ؟۔۔۔کیا اپنی میز پر یا سر پر کتابوں کا ڈھیر رکھنے سے شعور آپ کے اندر بیدار ہوسکتا ہے ؟۔۔۔ میرے پاس ان سب کا سطحی جواب نہیں ہے۔۔۔آپ بھی مجھے

اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔۔۔
آپ بصارت کو تعلیم اور بصیرت کو شعور کے نام سے بھی جانتے ہیں۔۔۔بصارت آپکو وہ دیکھا سکتی ہے جو آپ دیکھنا چاہو۔۔۔جبکہ بصیرت (جو ہر کسی کو میسر بھی نہیں ہوتی) آپکو اندیکھی دنیاؤں کی سیر کروا سکتی ہے۔۔۔بصیرت یا شعور کو پانے کے لئے آپ کو شاہد بے تحاشہ کتابیں کسی کتابی کیڑے کی مانند چاٹنی نہ پڑیں۔۔۔بصارت کمزور ہو سکتی ہے تعلیم جو حاصل کی اس میں کچھ کمی آ سکتی ہے۔۔۔بصارت کو زنگ لگ سکتا ہے۔۔۔بصیرت کا تعلق روح سے ہے اور بصارت کا جسم سے۔۔۔مگر ہمیں یہ جاننا پڑے گا کہ بصیرت کا حصول کیسے ممکن ہے۔۔۔تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں پتہ یہ چلتا ہے کہ ریاضت یا گیان بصیرت کی کشید کرتی ہے۔۔۔اگر انسان کی طلب ہو تو بصارت اور علم کے توسط سے بغور مشاہدہ کرنے سے بصیرت اور شعور کی قندیلیں روشن ہوتی ہے۔۔۔

آج دنیا معلومات کے نرغے میں۔۔۔آپکو جس چیز کے بارے میں معلومات چاہئے مل جائے گی۔۔۔کوئی راز آج راز نہیں ہے۔۔۔شعور کی راہ میں حائل یہ ایک اہم ترین سبب ہے۔۔۔ریاضت اور گیان کی ضرورت نہیں پڑ رہی۔۔۔قدرت نے کوئی چیز کیسے بنائی۔۔۔سائنس سے اسے کیسے اخذ کیا۔۔۔جب آپکو بغیر کسی تگودو کے سب کچھ میسر ہو۔۔۔تو آپ کیوں کسی کوشش میں سرگرداں کرینگے۔۔۔سب کچھ آپ کی دسترس

میں ہے۔۔۔ مگر آج بھی کچھ لوگ ہیں جو ریاضت اور گیان کے منصب پر فائز ہیں۔۔۔ کن فیاکن کی صداؤں پر دھیان لگائے بیٹھے ہیں۔۔۔ حقیقتاً وہی لوگ روحانیت کے حامل ہیں۔۔۔ جسم ناتواں ہو کہ خاک میں مل جانے کے لئے ہے۔۔۔ روح کو آپ ہمیشہ تروتازہ رکھ سکتے ہیں کیونکہ روح تو رہنے والی چیز ہے۔۔۔ (اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں)

!اس نے خود کشی کرلی

وہ اپنے احساس کی بیداری سے بہت پریشان تھا۔۔۔بہت کم ہی ایسا ہو پاتا کہ وہ اپنے آپ کو حالتِ سکون میں پاتا۔۔۔ایک مدت تک تو یہ بات اس پر اشکارہ نہ ہو سکی کہ اسکے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔۔۔یا بیت رہا ہے۔۔۔علاج معالجے سے بھی بات بنتی نظر نہ آئی۔۔۔کیفیت جھنجھلاہٹ میں بدلنے لگی۔۔۔آخر ایسا کون سا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔۔۔دم درود بھی کچھ کام نہ آئے۔۔۔اسے ایسا کیا ہوا تھا جو ہر سمجھ سے بالا تر تھا۔۔۔

عجیب شخص تھا۔۔۔کسی کے ساتھ زیادتی ہوتے دیکھتا تو زیادتی کرنے والے سے لڑنے کو مچل جاتا۔۔۔راستوں میں بغیر ڈھکن کے گٹر اسے بہت تنگ کرتے تھے۔۔۔جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر اور ان ڈھیروں میں سے کھانے کی اشیاء چن چن کر اپنی بھوک مٹاتے معصوم بچے۔۔۔گاڑیوں میں جانوروں کی طرح لدے لوگ۔۔۔عورتوں ،بزرگوں اور بچوں کی بے ادبی۔۔۔گھنٹوں سڑک کے دوسرے کنارے کھڑے گاڑیوں کے رکنے کہ منتظر افراد۔۔۔اچانک کسی گاڑی کی ٹکر لگنے سے آنے والی دل خراش
چیخ۔۔۔ایمبولینسوں کے سائرن۔۔۔ہسپتالوں میں مریضوں کی لمبی لائنیں اور کسی مسیحا یا پرسانِ حال کا نظر نہ آنا۔۔۔آہوں اور سسکیوں کی آوازیں۔۔۔دواؤں کے اسٹور کے باہر دواؤں کا پرچہ لئے کوئی عورت آنکھوں میں آنسو لئے مدد کی بھیک مانگتی۔۔۔حسرت سے بھری آنکھوں سے پھلوں سے بھرے کسی کے ہاتھ

میں پکڑے تھیلے کو دیکھتا بچہ۔۔۔ کسی گیرج میں ایک چھوٹا سا گالیاں کھاتا چھوٹا۔۔۔ اخباروں کی سرخیاں میں حوا کی بیٹی کی عصمت درازی کی داستانیں۔۔۔ عصمت فروشی کے قصے۔۔۔ایک ہی خاندان کہ چھ افراد کا ایک ساتھ ڈوب جانا۔۔۔ایک ہی خاندان کے تین لوگوں کا کسی فیکٹری میں جل کا خاک ہوجانا۔۔۔ عید تہوار پر کسی معصوم کو پرانے کپڑوں میں دیکھنا۔۔۔اپنے پاک وطن کی آزادی کا جشن قید میں منانا۔۔۔ حق بات سے لوگوں کی ناآشنائی۔۔۔لبوں پر حاکمِ وقت کے تالے۔۔۔ صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنے پر پابندی۔۔۔ بارش سے سیلاب میں بہہ جانے والوں کو وہ کہاں ڈھونڈتا۔۔۔اسے بدتہذیب لوگ ناپسند تھے مگر وہ انہی کے بیچ رہتا تھا۔۔۔وہ انہیں کیسے سدھارتا۔۔۔وہ چاہتا تھا دوہرا تعلیمی نظام ختم ہو۔۔۔سارے اسکول ایک جیسے ہوں ۔۔۔بچوں میں کمتری اور برتری نہ ہو۔۔۔سارے بچے یکساں مزاج لے کر بڑھے ہوں ۔۔۔سارے بچے ایک جیسے ہوں۔۔۔ملک و قوم کے صحیح معنوں میں معمار بنیں۔۔۔یہاں تک کہ۔۔۔اسے ہر آنکھ میں کوئی نہ کوئی سوال نظر آتا۔۔۔اور یوں لگتا جسے وہ آنکھ اسی کو دیکھ رہی ہے۔۔۔اور جو سوال ہے وہ اسے سے کر رہی ہے ۔۔۔اسے لگتا ہر کوئی اس سے پوچھ رہا ہے تم یہ سب کب صحیح کروگے۔۔۔تم مجھے میرا حق کب دلاؤگے۔۔۔وہ ان سوالوں کہ جواب کہاں ڈھونڈتا۔۔۔وہ ان سوالوں کہ جواب کس سے پوچھتا۔۔۔وہ تھکن زدہ نظر آنے لگا تھا۔۔۔وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں بھاگ پا رہا تھا۔۔۔وہ اپنی ہمت اور حوصلے کہ بل پر جہاں تک چل سکا چلا۔۔۔وہ اس وقت میں قید گیا جو اسے ختم کرنے پر بضد تھا۔۔۔اور وقت جیت گیا۔۔۔اسنے اپنے آپ کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔۔۔اور خودکشی کرلی۔۔۔اور آخرکار وہ ابدی نیند سو گیا۔۔۔

عجیب انسان تھا۔۔۔ سب کو سب کچھ برابری کی بنیاد پر دینا چاہتا تھا۔۔۔ مگر ایسا کب ہو سکتا ہے۔۔۔ نہ جانے یہ سب سوالات کب سے پوچھے جا رہے ہیں۔۔۔ وہ تمام سوال آج بھی فضاؤں میں معلق ہیں۔۔۔ اور کوئی نہیں جانتا کب تک رہینگے۔۔۔ کم و پیش یہ وہ عوامل تھے۔۔۔ یہ وہ سوال تھے۔۔۔ جو ضمیر کی خودکشی کا سبب بنے۔۔۔ آج بھی معاشرے میں وہی سب کچھ ہو رہا ہے اور اس سے بڑھ کر ہو رہا ہے۔۔۔ مگر ہم سب بھی اس کی طرح اپنے ضمیر کی لاشیں لئے گھوم رہے ہیں۔۔۔ ضمیر کی لاشوں کا بوجھ اٹھائے۔۔۔ کوئی مدفن ڈھونڈ رہے ہیں۔۔۔ ہم درحقیقت معزز جانوروں کی مانند زندگیاں گزار رہے ہیں۔۔۔ سوالوں کا کیا ہے وہ تو ہوتے رہے ہیں۔۔۔ اور ہوتے رہینگے۔۔۔ یہ کوئی منظر کشی نہیں۔۔۔ یہ کوئی لفظوں کا حصار نہیں۔۔۔ یہ حقیقت ہے۔۔۔ بس ایک شعر پر اس نہ ختم ہونے ولے مضمون کا اختتام کرونگا۔۔۔

احساس اگر مٹ نہ جائے تو کافی ہے
انسان کیلئے ایک راہ کی ٹھوکر لگی ہوئی

جب کوئی مدفن مل جائے تو مجھے ضرور بتایئے گا۔۔۔

کہیں ایسا نہ ہو جائے!

اگست کا مہینہ پاکستان کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔۔۔یہ وہ مہینہ ہے جس میں برِ صغیر کے مسلمانوں کو رہنے کیلئے ایک الگ ملک دنیا کہ نقشے پر رونما ہوا۔۔۔یہ وہ مملکت ہے جس کا خواب حکیم الامت شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے دیکھا تھا۔۔۔یہ وہ مملکت ہے جس کے لئے بابائے قوم محمد علی جناحؒ نے دن رات میں کوئی فرق نہیں رکھا اور انتھک محنت ، جدوجہد اور مدبرانہ فیصلوں کی بدولت حاصل کی۔۔۔یہ وہ مملکت ہے جس کی خاطر ہمارے آباؤاجداد نے اپنی جان اور مال کی بے دریغ قربانیاں دیں۔۔۔اگر اسلامی مہینوں میں ماہ رمضان کو دیگر مہنوں پر خصوصی فوقیت حاصل ہے تو عیسوئ مہینوں میں ہم پاکستانیوں کے لئے اگست کی اہمیت ایک برابر ہے۔۔۔گو کہ جب پاکستان آزاد ہوا تو اللہ کی رضا کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ اس وقت اگست کا مہینہ بھی رمضان کے مہینہ میں ہی تھا۔۔۔یقیناً دیگر اور اہم واقعات بھی اس ماہ میں رونما ہوئے جیسے۔۔۔انڈیا پاکستان کشمیر پر دوسری جنگ۔۔۔ 1973 کا آئین اگست کے ماہ میں ہی نافذ العمل ہوا۔۔۔سانحہ بھاولپور۔۔۔پہلا کیمیائی مواد لے کہ جانے والا کروز میزائل کا تجربہ بھی اگست کے ماہ کی زینت بنا۔۔۔پاکستان کی تاریخ کا بدترین سیلاب بھی اسی ماہ میں اپنی تباہ کاریاں دکھاتا نظر آیا۔۔۔شہرت کی بلندیوں

کو چھونے والے نصرت فتح علی خان صاحب نے اسی ماہ میں دارِ فانی سے کوچ کیا۔۔۔
مجھے یقین ہے آپ اس سے کہیں زیادہ ایسے واقعات سے واقف ہونگے ۔۔۔
پچھلے دنوں ایک اور واقع اس فہرست میں اضافہ کرگیا۔۔۔ ایک غیر اہم فرد نے اپنے اہلِ خانہ کہ ساتھ تقریباً سات گھنٹے تک نیوکلیئر پاور پاکستان کی سیکورٹی کو الجھائے رکھا۔۔۔ یہ واقعہ شکارپور یا ٹوبہ ٹیک سنگھ میں رونما نہیں ہوا۔۔۔ نہ کراچی، کوئٹہ یا پشاور میں ہوا۔۔۔ یہ واقعہ پاکستان کے دار لحکومت اسلام آباد میں ہوا۔۔۔ جہاں ہمارے وطنِ عزیز کو چلانے کے ذمہ دار سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں۔۔۔ یہ وہ شہر ہے جو بہت اہم شخصیات کی اماجگاہ ہے ۔۔۔ بہت سے ایسے بھی ہونگے جن کا پتہ ہی نہیں کون ہیں۔۔۔ ایک سکندر نامی شخص (جو شائد اپنے آپ کو سکندرِ اعظم سمجھ بیٹھا تھا) اپنی بیوی اور دو عدد کمسن بچوں کے ساتھ اسلام آباد کے انتہائی اہم زون (ریڈ زون) میں دو عدد گنوں کہ ساتھ بلا اشتعال فائرنگ کرتا ہوا گھس گیا۔۔۔ وہ اپنی کار میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔۔۔ اگر یہ لکھوں کہ اس کہانی کے انجام تک سارا اسلام آباد سکندر نے یرغمال بنا رکھا تھا تو شائد غلط نہ ہو۔۔۔ اور پھر جو کچھ ہوا ہمارے میڈیا نے ساری دنیا کو دکھایا۔۔۔
لگتا یہ ہے ۔۔۔ اب کوئی بھی، کہیں بھی، کبھی بھی، جب چاہے۔۔۔ پاکستان کی اہم

ترین تنصیبات کو نشانہ بنا سکتا ہے۔۔۔اب تک تو مخصوص اداروں اور ان کے علاقوں پر اس قسم کے واقعات ہوا کرتے تھے۔۔۔اس ایک شخص نے تو نیوکلئیر پاور ملک کے دار لحکومت کو ہی نشانہ بنا لیا۔۔۔نہ جانے کیا معاملہ ہے کہ اس شخص نے اپنی تو اپنی، بیوی بچوں کی جان بھی داؤ پر لگا دی۔۔۔دیکھتے ہیں آگے۔۔۔

اس ساری صورتحال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔۔۔دل پر خوف سا طاری ہو گیا۔۔۔میں دو پہلوؤں کی جانب آپکی توجہ مبذول کرانا چاہو نگا۔۔۔پہلی بات یہ کہ ہم بلکل غیر محفوظ ہو چکے ہیں۔۔۔ایک طرف ہمارے فوجی جوان بلا خوف وخطر اپنے سینوں کو سیسہ پلائی دیوار بنائے.بزدل دشمن کے سامنے کھڑے ہیں۔۔۔اور بہادری اور جرات کی داستانیں رقم کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمارہے ہیں۔۔۔تو دوسری طرف صورتحال داخلی حفاظتی ادارے اسکے برعکس نااہلی کی داستانیں رقم کرتے نظر آرہے ہیں۔۔۔آخر یہ دوہرہ میعار کیوں ہے۔۔۔میں اس سے آگے کچھ نہیں کہنا چاہو نگا۔۔۔

دوسری اہم بات یہ کہ ہمارے سیاست دانوں کو اب آنکھیں کھول لینی چاہیے۔۔۔یہ سکندر ایک جگانے والا عنصر تھا۔۔۔اب جاگ جانا چاہئے۔۔۔اس وقت سے ڈرنا چاہیے جب پاکستان کی پسی ہوئی اٹھارہ کروڑ عوام سکندر کی طرح سڑکوں پر نکل آئے گی

اور پھر کہیں آپ کے لئے زمین تنگ نہ پڑ جائے۔۔۔اقتدار کے غاصبوں کا انجام ساری دنیا ابھی کچھ ماہ قبل ہی دیکھا ہے۔۔۔تاریخ کی باتیں اب قصہ پارینہ بن چکیں ۔۔۔اب فیصلے سڑکوں اور میدانوں میں ہونے لگے ہیں۔۔۔ بھوک افلاس میں مبتلا لوگوں نے توپوں مشین گنوں سے ڈرنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔اب لوگ روز روز کہ مرنے سے تنگ آ چکے ہیں۔۔۔اب نہ بلٹ پروف گاڑیوں میں جان بچتی ہے۔۔۔نہ سنگلاخ قلعے کارگر ثابت ہوتے ہیں۔۔۔

خدارا اس سکندر کے کھیل کو یہیں ختم کر دیں۔۔۔لوگوں کو سکندر بننے سے بچا لیں۔۔۔ عوامی نمائندے ہو تو عوام میں آ جائیں ۔۔۔سب زندہ رہنا چاہتے ہیں ۔۔۔ انہیں زندہ رہنے دو۔۔۔لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کر دیں ۔۔۔ انصاف عام کر دیں ۔۔۔ہمارے ٹیکس سے اپنی عیاشیوں پر قدغن لگا لیں۔۔۔ورنہ اٹھارہ کروڑ لوگ سکندر بن کر باہر نکل آ ئینگے۔۔۔آپ سے تو ایک سکندر نہیں سنبھالا گیا۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے۔۔۔

میدان یا مئے کدہ !

یوں تو ہر روز ایک عام آدمی کے لئے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ لیکن بد ترین دن کی نوبت ابھی نہیں آئی ۔۔۔ کرکٹ ایک انتہائی مہذب کھیل کے طور پر جانا جاتا رہا ہے۔۔۔ دیگر کھیلوں کی طرح اس میں مشقت اور محنت تھوڑی کم ہوتی ہے۔۔۔ سفید لباس میں ملبوس ہو کر کھیلا جاتا ہے۔۔۔ جس سے اس کی قدر میں اور اضافہ ہوتا گیا۔۔۔ تکنیک اور مہارت دونوں لازم و ملزوم ۔۔۔ سارے کھیل ہی مزاج (temprament) کی بنیاد پر کھیلے جاتے ہیں۔۔۔ مگر کرکٹ میں اس کا عمل دخل بہت زیادہ ہے۔۔۔ گیند باز (bowler) بلے باز (batsman) پر اور بلے باز بولر پر ہر لحاظ سے حاوی ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ مگر فتح اکثر تحمل مزاج کے ہاتھ آتی ہے۔۔۔ جو اپنی بھرپور توجہ سے بلے بازی کرے یا گیند بازی کامیابی اسی کو ملتی ہے۔۔۔ کرکٹ انگلینڈ کا قومی کھیل ہے۔۔۔ اسکے علاوہ تقریباً پندرہ ممالک اور بین الاقوامی سطح پر اس کھیل میں حصہ لیتے ہیں۔۔۔ اب تو کم و بیش دنیا کہ اکثر ممالک اس کھیل سے مستفید ہو رہے ہیں۔۔۔ اور کسی نہ کسی طرح بین الاقوامی مقابلوں میں حصہ لینے کی کوششوں میں سرگرداں ہیں۔۔۔ کرکٹ کی ابتداء جن میدانوں میں ہوئی اوول ان میں سے ایک میدان ہے۔۔۔ اوول کے میدان کا تقدس و احترام تمام دنیا میں کرکٹ سے محبت

کرنے والے شائقین اور کھلاڑیوں کہ لئے یکساں ہے۔۔۔
یہی وہ میدان ہے جہاں انگلینڈ اور اسٹریلیاکے درمیان پہلی ٹیسٹ سیریز 1882 میں کھیلی گئی ۔۔۔جس میں انگلینڈ کو شکست کا منہ دیکھناپڑا۔۔۔جس پر کرکٹ کے چاہنے والوں نے جو دل خراش اشتہار شائع کئے ان میں سے کچھ کے خاکہ درجہ ذیل ہیں۔۔۔یہ واقع اگست کی 29تاریخ کو رونما ہوا۔۔۔
اب میں آپ کی توجہ اس واقع کی جانب مبذول کرانا چاہونگا جو اگست کی ہی اکیس تاریخ کو رونما ہوا۔۔۔جب انگلینڈ نے 2013 کی ایشز سیریز کی جیت کا جشن کچھ اس بے ہنگم طریقے سے منایا کہ دنیائے کرکٹ میں صفِ ماتم بچھ گیا۔۔۔انگلینڈ کی ٹیم نے یہ سیریز تین صفر سے اپنے نام کی ۔۔۔انگلینڈ کی ٹیم بہت اچھا کھیلی ۔۔۔ویسے بھی ایشز وہ سیریز ہے جو دونوں ممالک بہت جی جان سے کھیلتے ہیں۔۔۔کیونکہ اسکی اہمیت کسی ورلڈ کپ کے میچز سے کم نہیں ہوتی۔۔۔کرکٹ سے شغف رکھنے والا ہر شخص اس سیریز کی جانکاری رکھتا ہے۔۔۔ایسا نہیں کہ 1882 سے 2013 تک کا سفر بہت تکلیف دہ تھا۔۔۔اسٹریلیا اور انگلینڈ کے جیتنے کا ریکارڈ برابر ہے۔۔۔اب تک کھیلی گئی 67 سیریز میں سے 31 اسٹریلیا کہ نام رہی ہیں تو 31 ہی انگلینڈ نے اپنے نام کی ہیں۔۔۔5 سیریز ڈرا ہوئی یا برابری کی بنیاد پر اختتام پذیر ہوئیں۔۔۔آخری تین سیریز بشمول ابھی جو ختم ہوئی ہے

انگلینڈ کے نام رہیں ہیں۔۔۔مگر اسکے باوجود انگلش کھلاڑیوں کا یہ رویہ سمجھ سے بالاتر ہے۔۔۔کیا انہیں اس بات کا بھی احساس نہیں رہا کہ یہ اپنے ملک کے سفیر ہیں۔۔۔ان کے ملک کی پہچان اس کھیل سے ساری دنیا میں ہے۔۔۔ یہ کھیل یہ میدان انکے اپنے ہی ملک میں ہے۔۔۔میدان کو مئے کدہ بنا دیا۔۔۔وکٹ کو ٹوائلٹ ۔۔۔کیا مہذب قوم کے مہذب کھلاڑی ہیں بلکہ افراد ہیں۔۔۔اور ساری دنیا انہیں دیکھ رہی ہے۔۔۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ انھوں نے ایک بین الاقوامی کھیل کی تذہیک کی ہے۔۔۔کیا بین الاقوامی ادارہ برائے کرکٹ (ICC) اور انگلینڈ کرکٹ بورڈ (ECB) ان تمام کھلاڑیوں اور انتظامیہ کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں۔۔۔دنیا ابھی بھولی نہیں کہ ان اداروں نے پاکستان کے کھلاڑیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔۔۔پاکستان کے کھلاڑیوں کو سزائیں بھی دیں گئیں۔۔۔ان کا بنیادی جرم بھی کرکٹ کی بے حرمتی تھی ۔۔۔انھوں نے بھی کرکٹ کو نقصان پہنچایا تھا۔۔۔جو آج بھی سزا بھگت رہے ہیں۔۔۔ میں پاکستان کرکٹ بورڈ اور ساری دنیا میں کرکٹ کے اربابِ اختیار سے کہ کرکٹ مزاج کا کھیل ہے۔۔۔جس کے پاس یہ نہیں اسے اس کھیل کو کھیلنے کی اجازت نہیں۔۔۔کوئی ایسا ضابطہ اخلاق فوری طور پر نافذ کیا جائے کہ آئندہ ایسا کچھ

کرنے کی کسی کھلاڑی کی جرات نہ ہو۔۔۔یہ وہ شرم ناک کارنامہ ہے جو کبھی گلی محلے میں کھیلنے والے بھی نہیں کر سکتے۔۔۔اور نہ سنا۔۔۔ ہم سب کو بھی اس اخلاق سے گری ہوئی حرکت پر بھرپور احتجاج کرنا چاہیے۔۔۔اور کسی نہ کسی سطح پر ریکارڈ کرانا چاہیے۔۔۔میڈیا اپنی ذمہ داری اسی طرح نبھائے جس طرح پاکستانی کھلاڑیوں کی دفعہ چرچا کیا تھا۔۔۔میدان کو میدان رہنے دیں مے کدہ اور ٹوائیلیٹ نہ بنائیں۔۔۔

بغیر اجازت!

بچپن میں ہاتھی کے پیر میں ایک زنجیر ڈال دی جاتی ہے اور اسے باندھ دیا جاتا ہے۔۔۔ہاتھی کا بچہ بہت زور آزمائی کے باوجود اس زنجیر سے نجات حاصل نہیں کر پاتا۔۔۔آہستہ آہستہ وہ اس زنجیر کا عادی ہو جاتا ہے اور اس سے چھٹکارا پانے کی کوشش دم توڑ دیتی ہے۔۔۔ایک وقت آتا ہے جب وہ بچہ جسکا تقریباً 200kg وزن ہوتا ہے.بڑا ہو جاتا ہے اور اسکا وزن تقریباً 7000kg ہو جاتا ہے۔۔۔لیکن زنجیر توڑنے کی جسارت نہیں کرتا کیونکہ اسکی طرف سے وہ دلبرداشتہ ہو کر قید رہنے کو ہمیشہ کیلئے ترجیح دے چکا ہوتا ہے۔۔۔

بچوں کی تربیت ہر معاشرے میں ایک اہم ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔۔۔کیونکہ یہی بچے مستقبل کا معمار ہوتے ہیں۔۔۔انکی پرورش درحقیقت آنے والے کل کی پرورش ہوتی ہے۔۔۔تربیت کی بنیادی اکائی کہنا یا بات کا ایک دفعہ میں سننا ہے۔۔۔لیکن اجازت اور بغیر اجازت تربیت میں بہت اہم جز ہے۔۔۔بچپن سے ہی اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ بغیر اجازت کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا۔۔۔بغیر اجازت کچھ نہیں کھانا۔۔۔بغیر اجازت کہیں نہیں جانا۔۔۔بغیر اجازت کسی سے نہیں ملنا۔۔۔بغیر اجازت کوئی بات نہیں کرنا۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔۔۔یہ اجازت ہمارے

ذہنوں میں ثبت کردی جاتی ہے۔۔۔زمانہ بہت تیزی منفی سوچوں کو پروان چڑھا رہا ہے۔۔۔تو بغاوت جنم لے ہی لیتی ہے۔۔۔بچوں کی اکثریت اس اجازت کی بدولت روزانہ یا ہفتہ وار والدین کی زد میں آ ہی جاتے ہیں۔۔۔

یہ اجازت کی عادت یا لت کوئی کوئی اپنے ساتھ باندھ لیتا ہے۔۔۔اور شائد کوئی کہیں راستے میں ہی چھوڑ آتا ہے۔۔۔یہ اجازت ایسی بلا ہے کہ آپ کسی سے کچھ کہنا چاہیں تو کوئی نہ کوئی ٹوک دیتا ہے۔۔۔اپنے محلے کی میونسپل کمیٹی کے دفتر کوئی شکایت لے کہ جانا ہو تو لوگ کہتے ہیں ایسا نہ کرو یہ ٹھیک لوگ نہیں ہیں پہلے فلانے سے اجازت لے لو یا اسکو کم از کم بتا دو۔۔۔دفتر میں کسی معاملے پر کوئی رائے دینی ہو یا باس کو کچھ بتانا ہو تو وہی لوگ پھر کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔یہ بغیر اجازت، ایک قابل اور ذہین ماتحت کو ماتحت رہنے پر مجبور کرتا ہے۔۔۔اور کرتا رہتا ہے۔۔۔ایک سپاہی مجرم کو پکڑنے سے قاصر ہے۔۔۔ راستے میں کسی کو کچھ بتانا چاہو تو کوئی نا کوئی ہر جگہ موجود ہے ۔۔۔آپ کو یہ بتانے کیلئے کہ بغیر اجازت ایسا نہیں کرنا۔۔۔منہ نہیں کھولنا۔۔۔یہ نہیں کرنا۔۔۔ایسے نہیں کرنا۔۔۔ویسے نہیں کرنا۔۔۔

وہ لوگ جو اس اجازت نامی بلا کو کہیں راستے میں بھٹکا کر چھوڑ آئے ہوتے ہیں۔۔۔انہیں معاشرہ باغی بھی کہتا ہے۔۔۔یہی وہ افراد ہوتے ہیں جو حشر بپا

کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔غلط یا صحیح اس بحث میں جانا نیا موضوع کھول دیگا۔۔۔مگر دنیا ان لوگوں کو یاد رکھتی ہے۔۔۔کیونکہ دنیا کا عجیب مزاج ہے کہ یا بہت اچھے لوگوں کو یاد رکھتی ہے یا بہت برے۔۔۔ان کے بیچ والوں سے اس دنیا کا کچھ لینا دینا نہیں ہوتا۔۔۔

ان باتوں کو اگر ہم خاطر میں رکھتے ہوئے آگے بڑھیں۔۔۔جن میں سب سے اہم بات مستقبل کہ معماروں کی تربیت ہے۔۔۔جنہیں آنے والے کل کی باگ دوڑ سنبھالنی ہے۔۔۔انہیں اس اجارت کہ چنگل سے کچھ ایسی آزادی دیں کہ وہ دنیا کو اپنی قابلیت اور اہل ہونے کا پتہ دیں۔۔۔ صحیح اور غلط میں فرق بتانا ہے۔۔۔انہیں اچھے برے کی تمیز سکھانی ہے۔۔۔لیکن ایک مختلف اور مثبت فریم آف مائنڈ کے ساتھ۔۔۔جس سے انکے اندر یہ اجارت کا احساس ختم ہو جائے۔۔۔کتابوں کی تعلیم میں غرق رہنے والے کتنے بچے شوق سے ایسا کرتے ہیں۔۔۔یقینا کرتے ہیں۔۔۔مگر دو، تین یا چار فیصد۔۔۔اصل اثاثہ تو باقی ماندہ ٹھہرے۔۔۔ہم سب اپنے بڑوں کہ تجربات سے نہیں سیکھنا چاہتے۔۔۔شائد ہمارے بڑوں کا سوچنا بھی ایسا ہوگا۔۔۔اور شائد انکے بڑوں کا بھی۔۔۔ہم خود سمندر میں جا کر اس کی گہرائی ناپنے کہ لئے بے تاب رہتے ہیں۔۔۔ہم سب اپنے تجربوں سے اخذ کرنا چاہتے ہیں۔۔۔

آنے والے کل کو بدلنا ہے تو ہمیں ایسا کچھ سوچنا پڑے گا۔۔۔زمانہ ہم سے بہت

آگے جا رہا۔۔۔ معاشرے میں بغاوت کا علم بلند ہو چکا ہے۔۔۔ یہ بغاوت سوشل نیٹ ورک کا شٹل کاک پہنے ہمارے معاشرے میں بہت تیزی سے سرائیت کر رہی ہے۔۔۔ معاشرتی قدروں کے بخئے ادھیڑ رہی ہے۔۔۔ اسے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں

ہے۔۔۔ ہمیں اپنے رویوں میں مثبت تبدیلی لانی ہوگی۔۔۔ اس مضمون میں آپکو یقینا مغربی تہذیب اور ثقافت کی بو آ رہی ہو گی۔۔۔ مگر ہمیں کچھ انکے رویوں سے لینا ہوگا ۔۔۔ اور اسے لینے کیلئے ہمیں کسی کی اجازت نہیں چاہئے۔۔ کیونکہ آپکے گھر میں وہ رویے دراندار ہو چکے ہیں۔۔۔ انکی شکل فیس بک، ٹوئٹر، گوگل، واٹس ایپ، وائبر وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔۔۔ اب یہ گھر کے بیچ رکھے پرسنل کمپیوٹر سے نکل

کر۔۔۔ ایک عام اور سادے سے موبائل سے استعمال ہو سکتے ہیں۔۔۔

ہم اشرف المخلوقات ہیں۔۔۔ ہاتھی کے بچے یا ہاتھی نہیں۔۔۔ سچ جانئے تو فیصلے کی گھڑی نکل چکی ہے۔۔۔ اب تو سدِ باب کرنے کا بھی وقت ہاتھ سے ریت کی مانند سرکے جا رہا ۔۔۔ اور یہ سب بغیر اجازت ہو گیا ہے۔۔۔

!کراچی کا ٹریفک اور ٹرانسپورٹرز

پاکستان کا سب سے بڑا شہر کراچی ہے۔۔۔ کراچی ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی اہمیت رکھتا ہے۔۔۔ کراچی شہر پچھلے تین دہائیوں سے مختلف مسائل کی زد میں ہے۔۔۔مسائل آسیب کی صورت اسے گھیرے ہوئے ہیں ان کی نوعیت مختلف قسم کی ہے۔۔۔دنیا آج جس دہشت گردی کی زد میں ہے۔۔۔ کراچی شہر اس دہشت گردی کی زد میں پچھلے تیس پینتیس برسوں سے مبتلا ہے۔۔۔انتہائی اقدامات کے باوجود حالات قابو میں آتے نہیں دیکھائی دیتے۔۔۔دیگر مسائل اپنی جگہ ہیں ان سے نمٹنے کیلئے حکومتی ادارے گاہے بگاہے سر جوڑ کہ بیٹھتے رہتے ہیں۔۔۔ جیساکہ آجکل دہشت گردی سے نمٹنے کی کوئی حتمی شکل سامنے آنے والی ہے۔۔۔

کراچی کے مسائل کی فہرست مرتب کی جائے تو یہ طے کرنا مشکل ہوگا کہ اول نمبر پر کونسا مسلۂ رکھا جائے۔۔۔ کراچی کا معمول کا سب سے بڑا بلکہ دیو ہیکل مسلۂ ٹریفک کا ہے۔۔۔ کراچی کی چار چار لین کی سڑکوں پر گاڑیوں کا بے ہنگم اژدھام ہر وقت رینگتا نظر آتا ہے۔۔۔ گھنٹوں ٹریفک میں پھنسے رہنا کراچی کہ شہریوں کہ لئے معمول کی بات ہے۔۔۔یہ الزام کسی مخصوص سواری کہ سر دھرنا ٹھیک نہیں۔۔۔ سواری کوئی بھی ہو سوار تو ہم اور آپ ہی ہیں۔۔۔ یہاں یہ بات قابلِ

ذکر ہے کہ محترم جناب سید مصطفیٰ کمال صاحب کے مرہونِ منت کراچی کی سڑکیں چوڑی ہوئیں، پل تعمیر ہوئے اور انڈر پاسس بنوائے گئے۔۔۔آپ کی ان خدمات کہ اہلیانِ کراچی تہہ دل سے مشکور و ممنون ہیں۔۔۔ورنہ اس ٹریفک کا کیا ہوتا سوچ کر خوف آتا ہے۔۔۔ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایک ذمہ دار اور معزز شہری ہونے کی ہم میں کوئی صلاحیت موجود ہے۔۔۔اور ہم اپنے کردار سے ایسی کوئی عکاسی کر رہے ہیں۔۔۔جس سے معاشرے پر کوئی مثبت اثرات رونما ہوں۔۔۔ہمارا تبدیلی کی جانب اٹھایا گیا کوئی قدم اپنی آنے والی نسل کہ لئے ہے۔۔۔

قارئین! ہم میں سے اکثریت کہ بچے اسکول جانے کہ لئے ٹرانسپورٹ کا استعمال کرتے ہیں۔۔۔ہم اپنے دفاتر تک پہنچنے کیلئے ٹراسپورٹ استعمال کرتے ہیں۔۔۔پبلک ٹرانسپورٹ اس سے ذراہٹ کر ہے۔۔۔کیا ہم نے کبھی ٹرانسپورٹ کہ حوالے سے کوئی شکایت نوٹ کی یا کرائی؟۔۔۔یا ہم نے ٹرانسپورٹرز کو کوئی مثبت بات بتائی۔۔۔شائد نہیں۔۔۔پچھلے دنوں کوٹ ادو نامی شہر میں ایک اسکول وین میں نصب سی این جی کا سلینڈر پھٹ جانے کہ باعث کتنے معصوم بچے لقمہ اجل بن گئے۔۔۔کتنی ماؤں کے چشم وچراغ جلنے سے پہلے ہی گل ہوگئے (اللہ ان لواحقین کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔آمین)۔۔۔ان بچوں نے ابھی دنیا میں کیا دیکھا تھا۔۔۔انہیں کیا معلوم تھا کہ سلنڈر پھٹ سکتا ہے یا نہیں۔۔۔اس سلنڈر کی وجہ سے وہ اپنی انمول زندگیاں گوادینگے۔۔۔مگر ہمیں تو پتہ ہے۔۔۔زندگی کہ انمول

ہونے کا بھی اور سلنڈر کہ پھٹنے سے ہونے والے نقصانات کا بھی۔۔۔کیا ہم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ جو ڈرائیور حضرات ان فرائض کو نبھانے کہ لئے منتخب کئے گئے ہیں وہ کسی نشے کے عادی تو نہیں ۔۔۔کیا وہ جس گاڑی پر معمور ہیں وہ اس کی باقاعدہ جانچ پڑتال کرتے ہیں یا نہیں۔۔۔یقینا کرتے ہونگے۔۔۔ مگر اسکو اس بات کا احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ کتنی اہم ذمہ داری نبھانے کہ لئے چنے گئے ہیں ۔۔۔وہ مستقبل کہ معماروں کو ان کی طلب اور پیاس کا کے درمیان ایک کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔۔۔ اس مضمون کے ذریعے میں تمام اسکولوں ، کالجوں ، یونیورسٹیوں ، مل مالکان اور تمام سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ذمہ داران اور فرد واحد سے یہ استدعا کرنا چاہونگا کہ وہ اپنی اپنی جگہ اپنے ٹرانسپورٹ کہ ادارے کو از سرِ نو تشکیل دیں۔۔۔جس کہ لئے درجہ ذیل کچھ تجاویز پیش ہیں۔۔۔

ڈرائیور حضرات کو ان کی فرائض کہ حوالے سے آگاہ کیا جائے۔۔انہیں یہ باور کرایا (۱ جائے کہ وہ کتنے اہم کام پر معمور ہیں۔۔۔

زیرِ استعمال گاڑیوں کی باقاعدہ دیکھ بھال کی رپورٹ لیں۔۔۔ (۲

ٹریفک کہ اصولوں پر سختی سے عمل کرنے کا عہد لیا جائے (جیسے سگنل پر وہاں رکیں (۳ جہاں رکنا چاہئے۔۔۔غیر ضروری طور پر اپنی لین سے باہر نہ نکلیں۔۔۔وغیرہ

سے آنا کبھی نہ آنے سے بہت بہتر ہے۔۔۔اگر ہمارے شہر میں لوگ گاڑی ٹریفک قوانین کا احترام کرتے ہوئے چلائیں تو کبھی یہ ٹریفک جام نہ ہوں۔۔۔اس کی رپورٹ طلب کریں۔۔۔ان میں صبر کرنے کی اور احساسِ ذمہ داری بیدار کیجئے۔۔۔

۴) اخلاقیات پر ماہانہ لیے کچر کا بندوبست کیجئے۔۔۔آزمائشی پروگرام کا انعقاد کئے جائیں۔۔۔

۵) زیبرا کراسنگ کے ساتھ ساتھ دیگر نشانات کی نشاندہی اور ان کی اہمیت اجاگر کریں۔۔۔

٦) یوٹرن کا استعمال صحیح سمت سے کریں۔۔۔

مگر ان سے بڑھ کر تعداد ان لوگوں کی ہے جو اپنی گاڑیاں خود چلاتے ہیں۔۔۔بچوں کو اسکول خود چھوڑنے جاتے ہیں۔۔۔دفتر مارکیٹ اور جہاں کہیں جانا ہو خود ڈرائیو کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔۔۔وہ حضرات جو گاڑیاں خود چلاتے ہیں اور ڈرائیور حضرات بھی سب پر لازم ہے کہ وہ صبر، برداشت اور نظم و ضبط کا خاص خیال رکھیں۔۔۔یاد رہے ہم امتی ہیں نبی ﷺ کہ جنھوں نے دنیا کو نظم و ضبط سیکھایا۔۔۔آج دنیا مہذب ہو گئی۔۔۔اور ہم بدتہذیبی کی دلدل میں دھنسے جارہے ہیں۔۔۔

جو کوئی بھی گاڑی لے کر سڑک پر آتا ہے یا آیا ہے۔۔۔اسنے کہیں نہ کہیں جانا

ہے۔۔۔ کوئی بھی سڑک پر پکنک نہیں مناتا۔۔۔سب نے اپنی اپنی منزل کی جانب سفر کرنا ہے۔۔۔ کبھی نہ پہنچنے سے دیر سے پہنچنا بہتر ہے۔۔۔یہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں یا عمل ہیں جن پر عمل کرکے ہم اپنی تو اپنی دوسروں کی زندگی بھی آسان بنا سکتے ہیں۔۔۔اور ہمارے ان اعمال کا ہماری نمو پانے والی نسل پر کتنے اچھے اثرات مرتب ہونگے ہمیں اسکا اندازہ بھی نہیں ہے۔۔۔ میری آپ سے خصوصی درخواست ہے۔۔۔جس کسی بھی طرح آپ کا اس مضمون سے تعلق ہے۔۔۔اس پر روشنی ڈالیں اور بہتری لانے کی کوشش کیجئے۔۔۔قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے۔۔۔ابھی سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور دوسروں کو بھی راغب کریں۔۔۔آسانیاں پیدا کریں اللہ ہمارے لئے آسانیاں پیدا کرے گا۔۔۔

تم کرم کرو اہلِ زمیں پر

خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

صبح جب آپ دفتر کیلئے نکلیں گے تو آپ یہ مضمون اپنے آس پاس نظر آئے گا۔۔۔آپ معاشرے کہ بہتری کیلئے پہلا قدم ضرور اٹھائینگے (انشاء اللہ)۔۔۔

!ہائے اردو زبان

دنیا، جسکی لاٹھی اسکی بھینس کہ مقولہ پر چلی جا رہی ہے۔۔۔جو طاقتور ہے ہر میدان میں اسکا ہی طوطی بولتا ہے۔۔۔جو جس کی غلامی میں رہا ہو یا غلام ہو وہ اسی کی طرح بننے کا خواہاں نظر آتا ہے۔۔۔شائد یہ ایک نفسیاتی عمل ہے۔۔۔کتا شیر کی کھال پہن کر کیسے شیر بن سکتا ہے۔۔۔کتے کی اپنی خصلت شیر کا اپنا رعب و دبدبا۔۔۔ایک کی رال ٹپکنے لگتی ہے تو دوسرا طاقت اور رعب سے سب حاصل کر سکتا ہے۔۔۔گدھ کی اپنی فطرت اور شاہین کا جہاں اور۔۔۔کوئی بھی، کسی کی طرح، کسی وجہ سے ہی دیکھائی دینے کہ لئے کوشاں رہتا ہے۔۔۔ہندوستان میں مغل دورِ حکومت کا سورج بہت بے دردی سے غروب کیا گیا۔۔۔برِ صغیر پر تاجِ برطانیہ کا راج قائم ہوگیا۔۔۔یہ وہ وقت تھا تاجِ برطانیہ کی ریاست میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔۔۔مگر ہر عروج کو زوال ہے۔۔۔ہر فرعون کیلئے موسیٰ ہیں۔۔۔بہت خون آلود ہوائیں چلیں۔۔۔بہت آہ وفغاں ہوا۔۔۔کتنی ہی عزتیں پامال ہوئیں۔۔۔قربانیوں کی لازوال داستانیں لکھی گئیں۔۔۔پھر کہیں جا کہ تاجِ برطانیہ میں سورج نے غروب ہونا شروع کیا۔۔۔دنیا کہ نقشے پر تبدیلی رونما ہوئی۔۔۔افریقہ اور ایشیاء کہ نقشے تبدیل ہوگئے۔۔۔تبدیلی کی ہوا چل پڑی۔۔۔اللہ کہ نام پر پاکستان وجود میں آیا۔۔۔دو قومی

نظریہ کی بنیاد پر۔۔۔ عقائد اور شناخت کی بنیاد پر۔۔۔

حکمرانی ہو یا غلامی اپنے اثرات ضرور چھوڑتی ہے۔۔۔ ہمارے لئے برس ہا برس کی غلامی نے تبدیلی کے عمل میں پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔۔۔ فیصلوں میں عدم اعتماد آگیا۔۔۔ جن سے دنیا نے معاشرتی علوم سیکھے تھے۔۔۔ جن سے دنیا نے زندگی گزارنے کہ زریں اصول سیکھے تھے۔۔۔ وہ ادھر ادھر سے جمع کرکے نئے معاشرتی علوم اور زندگی کے اصول مرتب دینے لگے۔۔۔ کسی کی پینٹ، کسی کا پاجامہ اور کسی کی دھوتی میں اپنے پیر پھنسانے شروع کردئے۔۔۔ اب چال بھی تو پہناوے کی سی ہو گئی۔۔۔ یہ بحث بہت دکھ بھری اور طویل ہو جائے گی۔۔۔ تفصیل سے گریز کرتے ہیں۔۔۔

ہم اپنی توجہ بنیادی نکتہ پر مرکوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ وہ ہے پاکستان کی قومی زبان۔۔۔ ہم نے لکھنے میں تو قوم لکھا۔۔۔ بولنے میں، تقریروں میں تو قوم بولا۔۔۔ مگر حقیقت میں ہم آج تک ایک قوم نہ بن سکے۔۔۔ تو ہم قومی زبان کا کیا مسئلہ حل کرتے۔۔۔ قومی زبان کا درجہ تو اردو زبان کو دے دیا گیا۔۔۔ مگر سرکاری زبان کا درجہ انگریزی زبان کو ملا۔۔۔ پاکستان میں پنجابی تقریباً پینتالیس فیصد لوگوں کی مادری زبان ہے۔۔۔ پشتو تقریباً سولہ فیصد پاکستان میں بسنے والوں کی مادری زبان ہے۔۔۔ سندھی قریب قریب پندرہ فیصد پاکستانیوں

کی مادری زبان ہے۔۔۔ سرائیکی گیارہ فیصد پاکستان میں بسے لوگوں کی مادری زبان ہے۔۔۔ بلوچی چار فیصد افراد کی مادری زبان ہے۔۔۔اور اردو تقریباً نو فیصد پاکستان میں رہنے والوں کی مادری زبان ہے۔۔۔ اردو زبان کو بولنے اور سمجھنے والے ایک اندازے کہ مطابق نوے سے پچانوے فیصد پاکستانی ہیں۔۔۔ جس کی وجہ سے اردو کو قومی زبان کا درجہ حاصل ہے یا ہوگیا۔۔۔ قومی زبان ملک میں باہمی رابطے کی زبان کہ طور پر تو استعمال ہوتی ہے۔۔۔ مگر کیا اردو زبان کو سرکاری سطح پر نافذ العمل ہونا چاہئے یا نہیں۔۔۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو کوئی بھی محبِ وطن پاکستانی کہ ساتھ ساتھ اردو سے محبت بھی رکھتا ہو، اٹھا سکتا ہے۔۔۔

ہم پاکستانیوں کہ مزاج میں کوئی چیز اسوقت پائدار اور مضبوط نہیں ہو سکتی جب تک وہ درآمد شدہ نہ ہو۔۔۔ اس پر جاپان، چین، امریکہ، جرمنی کہ نام کی مہر ثبت نہ ہو۔۔۔ حال یہ کہ جو نام آپ کو پتہ بھی نہیں آپ شرمندگی سے پوچھے بغیر اس نام کی چیز بخوشی خرید لینگے۔۔۔ شائد یہی وجہ تھی ہم نے قومی زبان تو اردو رکھ لی مگر سرکاری زبان کا درجہ ایک درآمد شدہ زبان کو دے دیا۔۔۔ قومی لباس شلوار قمیض رکھا مگر درآمد شدہ ملبوسات کو اہمیت دیدی۔۔۔ قومی کھیل ہاکی رکھا مگر اہمیت کرکٹ کو دے دی۔۔۔ نظامِ خلافت کہ ماننے والے تھے پارلیمانی نظام رکھ لیا۔۔۔ دنیا کو آئین دیا مگر اپنے لئے

درآمد شدہ آئین نافذ کر دیا۔۔۔
دنیا جہان میں جن ممالک نے ترقی کی اس کی ایک بنیادی وجہ وہاں رائج قومی زبان کو ہی سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔۔۔ تعلیمی نظام میں اس زبان نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔۔۔ جو زبان آپکے ملک کے شائد آٹھ یا دس فیصد لوگ بولتے یا سمجھتے ہیں۔۔۔ آپ کا سارا کا سارا انحصار اسی زبان پر کیوں؟۔۔۔ آپ دوسرے کہ جوتے میں پیر ڈال کر کہاں تک سفر کرینگے۔۔۔ اور جوتا بھی وہ جو آپکے ناپ کا نا ہو۔۔۔ اگر انگریزی کو آپ نے اتنے بھرپور طریقے سے پروان چڑھانا ہی تھا۔۔۔ تو یہ دوہرا، تہرا نظامِ تعلیم رائج نہ کرتے۔۔۔ صرف ایک نظامِ تعلیم رکھتے۔۔۔ نہ تو احساسِ محرومی بڑھتی اور نہ ہی دہشت گرد یا دہشت گردی نام کا کوئی خوفناک حوا پیدا ہوتا۔۔۔ ہم سب کو اندازہ ہے کہ پاکستان اور پاکستانیوں میں کتنی زرخیزی ہے۔۔۔ کچھ نہ کر کہ بھی دنیا کو ہلا کر رکھا ہوا ہے۔۔۔ اگر مثبت راستوں پر گامزن ہوتے۔۔۔ تو دنیا آج ہماری حکمرانی میں
ہوتی۔۔۔ اور ہر طرف اردو کا بول بالا ہوتا۔۔۔ پاکستان میں قومی زبان پر کتنا کام ہو رہا ہے۔۔۔ کچھ کہنا آسان نہیں۔۔۔ اگر آپ اردو میڈیم ہیں تو ساری زندگی شرمندگی آپ کا پیچھا کرتی رہے گی۔۔۔ اور آپ کا اس سے پیچھا چھڑوانا مشکل ترین کاموں میں سے ایک کام ٹھہرے گا۔۔۔ لوگ اپنے اپنے طور سے کچھ نہ کچھ لکھ کر اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔۔۔ کوئی پذیرائی کوئی ستائش

نظر نہیں آتی۔۔۔

اب جو کچھ ہو چکا ہے جانے دیتے ہیں۔۔۔لکیر کو نہیں پیٹتے۔۔۔ماضی کو گھسیٹ کر حال میں نہیں لا سکتے۔۔۔مگر حال اور مستقبل کو بہتر بنانے کیلئے کوئی باضابطہ پروگرام تشکیل دیا جاسکتا ہے۔۔۔جس کہ توسط سے ہم اپنے نظام تعلیم سے یہ دوہرا، تہرا نظام خارج کریں۔۔۔اردو کی ترویج پر بھرپور توجہ دیں۔۔۔اردو ترقیاتی بورڈ کو انتہائی فعال ادارہ بنائیں۔۔۔اردو کا ہم پر بہت احسان ہے۔۔۔تاریخ بڑے بڑے ایسے ناموں سے منور ہے جنھوں نے اپنا اوڑھنا بچھو اردو کو بنایا۔۔۔آج ہمیں ایک ایسے ادارے کی ہے جو دنیا جہان کے علوم کا ترجمہ اردو زبان میں کرکے۔۔۔اور ایسے اسکول، کالج اور یونیورسٹی بھی قائم کریں جہاں تمام علوم اردو میں پڑھائے جائیں۔۔۔یقیناکچھ لوگ اس سوچ کو دقیانوسی سوچ کہینگے۔۔۔مگر۔۔۔ہمارا ادب اردو زبان میں مرتب دیا جاتا رہا ہے ۔۔۔کم و بیش سارا تاریخی ورثہ اسی زبان میں موجود ہے۔۔۔مگر نئی نسل کو اس دور رکھا جارہا ہے۔۔۔یا رکھنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے۔۔۔مجھے پاکستانی ہونے پر فخر ہے۔۔۔درآمد شدہ چیزیں میرے لئے بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہیں جتنی کسی اور پاکستانی کہ لئے۔۔۔مگر میں معاشرے میں رہتے ہوئے تبدیلی کا خواہ ہوں۔۔۔میں نے اپنے دل میں ایک قندیل روشن رکھی ہے۔۔۔پاکستان اور اردو سے محبت کی۔۔۔ان اشعار کہ ساتھ اختتام کرونگا کہ۔۔۔

اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤ گے۔۔۔ خواب ہو جاؤ گے افسانوں میں ڈھل جاؤ گے۔۔۔
دے رہے ہیں جو تمھیں آج رفاقت کا فریب۔۔۔ان کی تاریخ پڑھو کہ تو دہل جاؤ گے۔۔۔
اپنی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو۔۔۔ سنگِ مرمر پہ چلو گہ تو پھسل جاؤ گے۔۔۔
تیز قدموں سے چلو اور تصادم سے بچو۔۔۔ بھیڑ میں سست چلو گے تو کچل جاؤ گے۔۔۔

! مسلمان سلامتی کہ ضامن ہیں

آج سے چودہ سو سال پہلے جب اسلام کی بالادستی نافذالعمل ہوئی ۔۔۔جب نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کہ بعد مکہ والوں کو آمان بخشی تو تاریخ حیران تھی کہ یہ کیسا فاتح آیا ۔۔۔جس نے اپنے دینی و مذہبی دشمنوں کہ ساتھ ساتھ اپنے ذاتی دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔۔۔آپ ﷺ فتح مکہ کہ وقت بھر طاقت سے مالا مال تھے۔۔۔ایمان کہ جذبے سے سرشار آپ ﷺ لشکر۔۔۔ابو بکر صدیقؓ ، عمرؓ بن خطاب ، عثمان ابن عفانؓ اور حیدرِ کرار علیؓ بن ابی طالب ہم رکاب ۔۔۔جب ایسے جلیل القدر اصحابؓ ایک ساتھ ہوں تو دشمن کی روح ایسے ہی فنا ہو گئ ہو گی۔۔۔مکہ والوں سے یہ تک نہ پوچھا کہ کیا اسلام قبول کروگے یا نہیں۔۔۔ لشکر کا امیر شافع رحمت ﷺ۔۔۔سب کو امان دیدی۔۔۔تاریخ میں شائد ہی کوئی ایسی فتح ہوئی ہو جس میں خون نہ بہا ہو۔۔۔یہ آپ ﷺ کی صلہ رحمی ہی تھی۔۔۔کہ عمرِ فاروقؓ جیسے غصے کے تیز ۔۔۔بات بات پر تلوار نیام سے باہر۔۔۔مگر عدل پر قائم ہوئے تو پھر تلوار کو بھی آداب سکھانے پڑے۔۔۔ حضرت انسؓ سے روائت ہے کہ۔۔۔رسول اکرم ﷺ فتح مکہ کہ وقت جب شہر میں داخل ہو رہے تھے تو خشوع و خضوع (اور شکر گزاری) کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں جھکے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کی تھوڑی مبارک سواری کے پالان (گدی) کو

چھو رہی تھی۔۔۔دنیا کہ یہ عظیم فاتح دس سال کہ بعد فاتحانہ انداز میں اسی مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں جہاں انھیں (ﷺ) اور انکے اصحابؓ کو اذیتیں دی گئیں، مذاق اڑایا گیا، کاہن کہا گیا، یہاں تک کہ اس امن والے شہر سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔۔۔مگر آپ ﷺ کی عجز و انکساری اور صلہ رحمی کا حال تو دیکھیے۔۔۔فتح مکہ، سرکارِ دو عالم امام الانبیاء وجہ کائنات ﷺ کی اعلی حکمت عملی، معاملہ فہمی، تالیف قلب، اورحالات کو اپنی موافقت میں تبدیل کرنے کی عمدہ ترین صلاحیتوں کا مظہر ہے۔۔۔جس نے اہلِ مکہ کو بلا کسی خون خرابے کہ ایک ہی روز میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔۔۔

22 ستمبر اتوار کہ دن پشاور میں ایک گرجا گھر جہاں ہمارے مسیح برادری سے تعلق رکھنے والے خواتین، مرد اور بچے اپنی عبادات میں مصروف تھے۔۔۔حملہ آور نے اندر گھس کر دھماکہ کیا جس کہ نتیجے میں تقریباًاکیاسی افراد لقمہ اجل بنے اور سیکڑوں کہ قریب زخمی ہوئے (جن میں ایک بڑی تعداد خواتین اور بچوں کی ہے)۔۔۔یہ ایک افسوس ناک، دل خراش اور انتہائی قابلِ مذمت واقعہ ہے۔۔۔اس واقعہ پر تمام پاکستانیوں کہ دل افسردہ اور انتہائی شرمندہ ہیں۔۔۔

اس مضمون کہ ذریعے ایک پیغام دینا چاہونگا کہ دہشت گردی اور دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں۔۔۔انہوں نے مسجدوں کو نہیں چھوڑا۔۔۔ان کے نزدیک امام

بارگاہوں کی کوئی اہمیت نہیں۔۔۔انھوں نے مندروں کو بھی تہہ و بالا کیا۔۔۔یہ فقط ہمارے دمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔۔۔یہ پاکستان کہ دشمن ہیں۔۔۔ہر پاکستانی کہ دشمن ہیں۔۔۔ایک مسلم پاکستانی کی حیثیت سے میں یہ باور کرانا چاہونگا کہ ہمارا دین اس بات کی سختی سے تنبہی کرتا ہے کہ اقلیتوں کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔۔۔جسے نباہنے کیلئے ہمیں اپنی جان دینے سے بھی گریز نہیں کرنا چاہئے۔۔۔ گرجا گھر پر ہونے والا یہ واقعہ ہم عوام پر سوالیہ نشان بن گیا ہے۔۔۔
آیئے ہم سب عہد کریں کہ ایسے واقعات ہمارے درمیان کسی قسم کی دیوار نہیں کھڑی کر سکتے۔۔۔یہ ہمارے درمیان قائم صدیوں پر محیط فاصلوں کو کم نہیں کر سکتے۔۔۔فتح مکہ مسلمانوں کو جہاں صلہ رحمی اور امن وامان کا درس دیتا ہے۔۔۔وہیں اقلیتوں کو یہ تحفظ بھی فراہم کرتا ہے۔۔۔درحقیقت مسلمان سلامتی کے ضامن ہیں۔۔۔

ہمدرد نونہال اسمبلی۔۔۔ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان !

19 ستمبر 2013 .بروز جمعرات شام 1630 پر ہمدرد نونہال اسمبلی کا اجلاس آواری ٹاورز میں منعقد کیا گیا۔۔۔ مہمانِ خصوصی جناب کموڈور (ریٹائرڈ) سدید انور ملک ، دختر شہید پاکستان سعدیہ راشد صاحبہ، صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ۔۔۔ کئی اور دیگر معزز مہمانِ گرامی اس پر وقار تقریب کو پر رونق بنانے کیلئے مدعو تھے۔۔۔اس تقریب کا آغاز محترم جناب حکیم محمد عثمان صاحب کی سحر انگیز شخصیت نے کیا۔۔۔جب انہوں نے یہ گوش گزار کیا کہ ہمارے دعوت نامے پر ساڑھے چار بجے کا وقت تقریب کہ شروع ہونے کا تھا اور ساڑھے چار بج چکے ہیں۔۔۔وقت کی قدر کی ایسی مثال ہمارے معاشرے میں ذرا کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔۔۔اس محفل کی ایک اور بہت اچھی بات کہ یہاں V.I.P. کلچر نہیں دِکھائی دیا گیا۔۔۔سب ایک فیملی کی طرح ہال میں تشریف فرما تھے۔۔۔

ہمارے بچے ہمدرد پبلک اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں جس بنا پر ہم اپنی فیملی کہ ساتھ ہمدرد نونہال اسمبلی کہ اجلاس میں مدعو تھے۔۔۔اسمبلی کہ اجلاس کا عنوان امن سے محبت اور جنگ سے نفرت رکھا گیا۔۔۔ کسی بھی اسمبلی میں شرکت کا یہ پہلا موقع تھا۔۔۔اللہ رب العزت کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ مجھے ہمدرد

نونہال اسمبلی میں شرکت کا موقع ملا۔۔۔حافظہ عروبہ فاطمہ، عبیدالرحمٰن، لاریب نجم، عبدلقدیر، کشور نذیر اور افشاں احمد۔۔۔یہ ان مقررین کہ نام ہیں جن کی تقاریر میں شامل لفظوں میں ابھی روح باقی ہے۔۔۔نا قابلِ بیان اندازِ گفتگو تھا۔۔۔خوبصورت تلفظ اور جملوں کی روانی سے ادائیگی۔۔۔ایسا لگتا تھا یہ بچے اپنے من میں ہونے والی تشویشوں کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔۔۔یہ مقررین جہاں اپنی دھواں دار تقاریر سے ماحول گرما ہی رہے تھے۔۔۔تو دلوں کو بھی پسیج رہے تھے۔۔۔جو کہ حاضرین کی آنکھوں میں نمی سے عیاں تھی۔۔۔

ان مقررین نے اپنی تقاریر سے پیغام دیا کہ ہم امن کے پیامبر ہیں اور انسان بنیادی طور پر امن پسند ہے۔۔۔ان جواں سالوں نے زور دیا کہ امن سے محبت کریں اور جنگ سے نفرت۔۔۔اور ہر اس اقدام کی سرکوبی کریں جو جنگ کی جانب بڑھے۔۔۔یہ معزز ایوانِ نمائندگان ہمدرد کے نونہالوں نے ہم پر یہ واضح کردیا کہ یہ ہمارے پیارے وطن پاکستان کی بھرپور طریقے سے خدمت کے سچے جذبے سے سرشار نظر ہیں۔۔۔ہمارے دل سے یہ دعائیں بے ساختہ فضاؤں میں بلند ہوتی گئیں کہ۔۔۔اے اللہ ! بہت جلد ہمارے ملک کی اسمبلیوں میں ایسے ہی لوگ براجمان ہونگے (انشاء اللہ)۔۔۔تقریب کہ مہمانِ خصوصی کموڈور (ریٹائرڈ) سدید انور ملک نے بہت صحت افزء گفتگو کی۔۔۔انہوں نے ان نونہالوں کو سراہا اور پھر اپنی یاد داشتوں اور حقیقی واقعات سے پردہ اٹھایا۔۔۔

ہمدرد کا نام سنتے ہی ہمارے ذہنوں میں شہید پاکستان حکیم محمد سعید کا نام کسی تابناک ستارے کی مانند چمکنا شروع کر دیتا ہے۔۔۔ حکیم صاحب ایک ایسی شخصیت کہ مالک تھے جو ہر مکتبہ فکر اور شعبہ میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔۔۔تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔۔۔ حکیم صاحب نے اپنی درسگاہوں کہ لئے جو جگہ منتخب کی اس کا نام مدینتہ الحکمہ رکھا۔۔۔ حکیم سے کسی نے استفسار کیا کہ آپ نے یہ درسگاہیں شہر سے اتنی دور صحرا نما جگہ میں کیوں بنائی ہیں۔۔۔تو حکیم صاحب نے حکمت سے بھرا جواب دیا کہ علم کا منبع جہاں سے پھوٹا وہ بھی ایک صحرا نما جگہ تھی یعنی مدینتہ النبی ﷺ۔۔۔جب معلم ایسا حکمت سے بھرپور ہوگا۔۔۔تو طالبِ علم کچھ کچھ تو فیض لے کر ہی جائینگے۔۔۔ہم پاکستانیوں پر حکیم صاحب کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے علم کی وہ شمع روشن کی جو اندھیوں سے بھی بجھائی نہ جائے گی (انشاء اللہ)۔۔۔

کرنل شیر خان شہید کی زندگی کے احوال اور شہادت کہ لمحات کو ڈرامائی تشکیل کہ طور پر اسٹیج پر بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا۔۔۔ننھے مجاہدوں نے کیا خوب شیر خان اور پاک فوج کی ترجمانی کی کہ لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ۔۔۔ حاضرینِ محفل نے بچوں کی اتنے بہترین مظاہرے پر دل کھول کر تمام بچوں کو داد دی۔۔۔

آخر میں ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کی صدر محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ کو خراج تحسین پیش کرنا چاہونگا کہ انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک ہمہ جہت شخصت کی صاحبزادی ہیں۔۔۔اور جوَ علم حکیم صاحب انہیں تھما گئے تھے وہ اسے اونچا سے اونچا کئے جا رہی ہیں۔۔۔ محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ کا ایسے پروگراموں کا انعقاد اور اس میں بذاتِ خود شرکت کارہائے نمایاں ہے۔۔۔ میرا یقین ہے کہ جس باغ کا مالی اپنے ہر پیڑ پودے پر نظر رکھے ہوئے ہو وہ باغ اجڑ نہیں سکتا۔۔۔ محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نامی باغ کی مالی ہیں۔۔۔جو دن دگنی رات چوگنی ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔۔۔

ایک بار پھر پر سحر شخصیت کہ مالک جناب حکیم عثمان صاحب نے الوداعیہ کلمات سے تقریب کو اپنے انجام تک پہنچایا۔۔۔ مقررین اور ٹیبلو پیش کرنے والے بچوں میں تحائف تقسیم کئے گئے۔۔۔ایک خوبصورت شام کا سورج غروب ہوا۔۔۔ ہمدرد نونہال اسمبلی کا اجلاس اختتام پذیر ہوا۔۔۔

جناب حکیم عثمان صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہونگا۔۔۔ جن کی بدولت مجھے ایک ایسے پروگرام کا تجربہ ہوا۔۔۔ حکیم عثمان صاحب رانستھانی ملن سار اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک ہیں۔۔۔جو ہمدرد نونہال اسمبلی کے منتظم تھے اور یقینا ہمدرد کہ ان جیسے کئی ،پروگرامز کے منتظم ہونگے۔۔۔ بچوں کا اعتماد اور عزم

منہ بولتا ثبوت تھا کہ اساتذہ پیشہ ورانہ مہارت اور روحانی والدین کا کردار کس احسن طریقے سے نبھا رہے ہیں۔۔۔ والدین کی جانب سے انتظامیہ اور اساتذہ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کو سلام پیش کرتا ہوں۔۔۔

اپنے مضمون کا اختتام اس پیغام کہ ساتھ کرنا چاہونگا کہ۔۔۔ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان اپنے اس طرح کہ وژن سے دوسرے اسکولوں کو بھی آگاہ کریں۔۔۔اور اگر ممکن ہو تو کوئی سالانہ گرینڈ اسمبلی کا پروگرام (اجلاس) منعقد کریں۔۔۔انشاء اللہ آپ کے اس اقدام سے پاکستان کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔۔۔یہ مٹی واقعی بہت زرخیز ہے۔۔۔

اعتراف!

نا ماننا، کسی بھی فساد کی بنیادی اکائی کہا جائے تو شائد غلط نہ ہو۔۔۔اگر مجھے کوئی بات نہیں سمجھ آئی، یا مجھ سے کوئی کام نہیں ہو سکتا، تو مجھے کہہ دینا چاہئے۔۔۔کہہ دینے سے بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے تھکن کم ہو جاتی ہے۔۔۔یہ وہ اعتراف ہے جس کی کوئی سزا نہیں۔۔۔میں اس کام کا اہل نہیں ہوں۔۔۔ہاں یہ غلطی مجھ سے ہو گئی ہے۔۔۔دلوں میں گھروں میں دیواریں جو اٹھتی ہیں ان کی ایک بہت بڑی وجہ یہ نا ماننا یا اعتراف نہ کرنا بھی ہے۔۔۔سب اپنے اپنے ڈھب پر۔۔۔اپنے اپنے طور سے چلتے رہتے ہیں۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔۔۔نہیں، میں ٹھیک ہوں۔۔۔دیواریں اونچی اور اونچی۔۔۔دلوں میں پڑنے والی دراڑ، خلیج کی شکل اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔۔۔سب کچھ اس خلیج میں گر کر تباہ ہوجاتا ہے۔۔۔گھر تباہ ہوجاتے ہیں۔۔۔خاندان تباہ ہوجاتے ہیں۔۔۔ادارے تباہ ہوجاتے ہیں۔۔۔ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔۔۔نامانئے جو انا کی پیداوار ہے۔۔۔انا کا بت ہر انسان کے اندر موجود ہے۔۔۔کسی کا بت بڑا ہے تو کسی کا چھوٹا مگر ہے۔۔۔جس کی عبادت میں ہم مشغول رہتے ہیں۔۔۔نعوذ باللہ۔۔۔کوئی معبود (انا) کو ٹھیس پہنچائے یہ قطعی نا قابلِ برداشت اور نا قابلِ تلافی جرم ٹھہرتا ہے۔۔۔جس کی سزا کے طور پر بربادی کا عمل شروع ہوتا ہے اور سب کچھ تہہ و بالا خاک

کر دیتا ہے۔۔۔بروقت اعتراف کرنے سے مسائل کھڑے ہونے سے پہلے ہی دم توڑ دیتے ہیں۔۔۔

روزانہ گھروں میں ، خاندانوں میں ایسے کتنے چھوٹے چھوٹے فساد جنم لیتے ہیں جو کسی نا کسی کو بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔۔۔مدتوں بات چیت بند ، شکل نہیں دیکھی جاتی ۔۔۔اور جانے کیا کیا۔۔۔مگر اس فساد کی وجہ جاننے اور اسکے حل پر بات کرنے کا کوئی نہیں سوچتا۔۔۔بات حکومت اور طالبان کی مذاکرات کی ہو یا خاندان میں ہونے والے فساد کی۔۔۔کوئی تیسرا حریف اس سے فائدہ ضرور اٹھا رہا ہوتا ہے۔۔۔آپ اپنے اطراف میں بیٹھے بیٹھے ذہن دوڑایئے۔۔۔کتنے چھوٹے چھوٹے معاملات ۔۔۔سونامی کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔۔۔گھر کا اگر ایک بجلی کا بٹن یا استری کا پلگ خراب ہو جائے اور آپ اسے کسی اور وقت کہ لئے چھوڑ دیں۔۔۔اور وہ وقت آنے سے پہلے ۔۔۔ایک برا وقت کسی حادثے کی صورت اختیار کئے آپکے سامنے کسی چاہنے والے کو سخت تکلیف میں مبتلا کر جائے۔۔۔پھر پچھتاوے کہ سوا کچھ نہیں بچتا۔۔۔قابلِ ستائش و تعریف کے لائق عمل پر شاباش دینے سے گریز یا کنجوسی نہیں کرنی چاہیے۔۔۔

اشتہارات سبق آموز پیغامات کی ترسیل کیلئے مرتب دیئے جاتے ہیں۔۔۔جیسے خاموشی کا بائیکاٹ یا جڑو گے تو جانو گے ۔۔۔اس طرح کہ بے تحاشا پیغامات

اشتہارات کہ ذریعے آپ تک پہنچ رہے ہوتے ہیں۔۔۔آپ کہ پاس ان پیغامات کی اہمیت اس سے بڑھ کر نہیں کے آپ وہ چیز استعمال کرنے لگتے ہیں جس کا اشتہار اچھا لگتا ہے۔۔۔آج سے چودہ سو سال قبل ہمارے پیارے نبی ﷺ نے دنیا کو اسلام کی روشنی سے منور کیا اور اللہ کا کلام ،قرآن پاک بطور نسخۂ کیمیا ،مشلِ راہ رہتی دنیا کہ لئے چھوڑ گئے۔۔۔مگر ہم نے اس کتاب اللہ کو فقط ثواب کیلئے رکھ لیا۔۔۔قرآن خوانی کرالی۔۔۔ کسی کہ انتقال پر ساتھ قرآن ختم کروادیئے اور اسکی اہمیت اس سے بڑھ کر نہیں (سچ کڑوا ہوتا ہے کسی دوا کی طرح، جو ہوتی تو کڑوی ہے مگر بیماری دور کر دیتی ہے)

۔۔۔دراصل ہر اشتہار میں کوئی راز کی بات ہوتی ہے۔۔۔جو اس اشتہار کی اصل وجہ ہے۔۔۔خاموشی کا بائیکاٹ کو لیتے ہیں۔۔۔آپ اس کسی نظام یا کسی شخصیت کہ خلاف کھڑے ہوجایئے جو غلط ہے اور آواز اٹھایئے یہ اس اشتہار کا اصل مقصد تھا۔۔۔مگر کیا ہوا۔۔۔اسی طرح قرآن کا کیا مقصد تھا اور ہم نے کیا کیا (سوائے ندامت کہ کوئی جواب نہیں)۔۔۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ معاملاتِ معاشرت وزندگی صحیح ڈگر پر چلے تو شروعات اپنے گھر سے کرنا ہوگی۔۔۔ہر گھر بڑوں کی سربراہی میں نظم و ضبط کہ ساتھ ہفتہ وار یا ماہوار میٹنگ کریں۔۔۔جس میں سب کو ادب آداب ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اپنی بات کہنے کی اجازت دی جائے۔۔۔ تمام امور زیرِ بحث (برائے اصلاح) لائے جائیں جو کسی خاندان میں نا چاقی نا اتفاقی کا سبب بن سکتے ہیں یا بن

رہے ہوں۔۔۔جو فرد بھی کچھ کہنا چاہتا ہے کہنے دیجئے اسکی اصلاح ہوگی یا آپکی۔۔۔اگر کسی نے کوئی اچھا عمل کیا ہے تو سب کو ایک زبان ہو کر اسکی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔۔۔غلطی اسے سمجھانا چاہئے کہ اس کا اعتراف کرنا ہمارے فائدے میں ہے۔۔۔یہ وہ طریقہ ہے جس پر عمل کرتے ہوئے تمام مسائل احسن طریقے سے حل ہو جائینگے یا اٹھنے سے پہلے ہی دم توڑ جائیگے۔۔۔اس عمل سے ہم آہنگی پروان چڑھے گی۔۔۔نئی نسل کی پرورش میں یہ عمل انتہائی موثر ثابت ہوگا۔۔۔خود سے بنائے گئے غلط تصورات کا قلع قمع ہوگا۔۔۔اور بہت سارے امراض سے بھی بچا جائے گا۔۔۔

مندرجہ بالا سطور میں جو بحث رکھی گئی اسمیں سب سے ضروری ہے سچ کہ ساتھ اعترافِ جرم کرنا۔۔۔یہ وہ اعترافِ جرم ہوگا جس سے کسی کو سزا نہیں ملے گی بلکہ تعلقات مستحکم ہونگے۔۔۔خاندان مستحکم ہونگے۔۔۔ادارے مستحکم ہونگے۔۔۔یہ مضمون یقینا بہت واشگاف لفظوں میں پیغام دے رہا ہے کہ دلوں میں رکھنے سے دل کہ وہ امراض جنم لیتے ہیں جو لاعلاج ہوتے ہیں۔۔۔جو بھی بات ہے وہ کیجئے، کہہ دیجئے۔۔۔اعترافِ جرم ہی سہی مگر کیجئے۔۔۔یہ وہ جرائم ہیں جن کی سزا نہیں جزا ہے۔۔۔دنیا میں بھی اور انشاء اللہ بعد از مرگ بھی۔۔۔

دنیا کی بساط سمٹ رہی ہے!

آخر یہ آدم خور ہماری پیاری رنگوں سے معمور دنیا میں کہاں سے آ گئے۔۔۔ روزانہ انگنت لوگوں کا خون پیتے اور گوشت کھاتے ہیں۔۔۔ان کی بھوک اور پیاس روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔۔۔ یہ بے حس اور بے ضمیر لوگ کسی ماں کا لال کھاجاتے ہیں، کسی بیوی کا شوہر، کسی بچے کہ سر سے سایا اٹھادیتے ہیں۔۔۔نہ جانے یہ کون سے سیارے سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔۔۔

ایک دن اس دنیا کو ختم ہو جانا ہے۔۔۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ ایک دن سب کچھ ختم ہوجائے گا۔۔۔ جسے ہم سب قیامت کہ نام سے بھی جانتے ہیں۔۔۔ دیگر مذاہب میں بھی اس کا تذکرہ کسی نہ کسی طور موجود ہے۔۔۔ تواتر سے زلزلوں کا آنا اس کی ایک دلیل ہے۔۔۔ایک حدیث کہ مطابق آپ ﷺ نے فرمایا، قیامت کہ قریب زلزلے آنا شروع ہو جائینگے۔۔۔ کہیں تو باقاعدہ زلزلے آرہے ہیں۔۔۔ بم دھماکے جو ہمارے روز مرہ کا معمول بن چکے ہیں، کم و بیش وہی کام کرتے ہیں جو زلزلہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔۔۔زمین لرز جاتی ہے، عمارتیں ہل جاتی ہیں بلکہ گر جاتی ہیں۔۔۔ چیخ و پکار کی آوازیں صداؤں میں گونجنے لگتی ہیں۔۔۔ایک کہرام سا مچ جاتا ہے۔۔۔

انگنت سوالوں میں ایک سوال جو اکثر ذہن میں گونجتا ہے۔۔۔کیا دنیا اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہے؟۔۔۔کیا اب صرف توڑ پھوڑ اور مارا ماری ہی ہوگی ؟۔۔۔ہر روز ایک نیا محاذ کھل جاتا ہے۔۔۔ہم اپنے بچوں کو امن کا درس دینا چھوڑ دینگے۔۔۔وہ جانتے ہی نہیں کہ امن کیا ہوتا ہے۔۔۔قدرت ہم پر رحم کرے اب لگتا یہ ہے کہ لفظ امن ہماری لغت سے خارج کردیا جائے گا۔۔۔ہم اپنی آنے والی نسلوں کو امن کہ لفظ سے بھی کسی عجوبے کی طرح متعارف کروائینگے۔۔۔ہر روز سیکڑوں لوگ گولیوں اور بم دھماکوں میں مارے جاتے ہیں۔۔۔کتنے بچے یتیم ہوجاتے ہیں۔۔۔کتنی ماؤں کی گود اجڑ جاتی ہے۔۔۔ موت نہ عمر دیکھتی ہے نہ مذہب، نہ رنگ، نہ نسل نہ کسی علاقے کا لحاظ کرتی ہے۔۔۔یہ رقص کرتی پھرتی ہے۔۔۔ دنیا کو سوگوار کئے جاتی ہے۔۔۔

ہر روز سیکڑوں لوگ جسمانی طورپر معذور ہوجاتے ہیں۔۔۔ہر روز کتنے ہی گھر، فلک بوس عمارتیں بشمول کچے مکان زمیں بوس ہوجاتے ہیں۔۔۔لاکھوں لوگ ذہنی معذور ہورہے ہیں۔۔۔ساری دنیا میں خودکشی کا تناسب بڑھ رہا ہے۔۔۔ مہذب ممالک بھی اپنے ہی لوگوں کہ ہاتھوں میں موت بانٹنے والے آلات دیکھ رہے ہیں۔۔۔علاقائی اور مذہبی نااتفاقی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔۔۔برداشت کا مادہ ختم ہونے کو ہے یا شائد ختم ہو چکا۔۔۔ موت خوف بن کر ساری دنیا پر راج

کر رہی ہے۔۔۔جو مارنے والا ہے وہ اس لئے مار رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچالے ۔۔۔مگر یہ تو ہو ہی نہیں سکتا ہے۔۔۔ موت تو برحق ہے۔۔۔

لوگ تبدیلی کیلئے سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔۔۔اس امر سے نابلد کہ تبدیلی کیسے لانی ہے یا کیا تبدیل کرنا ہے۔۔۔دنیا کہ مہذب مانے جانے والے ملکوں کی گلیاں و کوچے، در و دیوار خون میں لتھڑے نظر آرہے ہیں۔۔۔بس ایک دوسرے کو مار رہے ہیں اور مر رہے۔۔۔کوئی نہیں جانتا کیا اور کیسی تبدیلی لانی ہے۔۔۔ایک نہ ختم ہونے والی جنگ شروع ہوچکی ہے۔۔۔آگ کا ایک آلاؤ جل رہا ہے اور آہستہ آہستہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔۔۔سب بخوشی اپنے آپ کو اس آلاؤ کی نظر کئے جا رہے ہیں۔۔۔اپنے آپ کو، اپنے آنے والے کل کو، اپنی آنے والی نسلوں کو اس آلاؤ میں جھونک رہے ہیں۔۔۔

بہت کم لوگوں کو ان تمام باتوں سے فرق پڑتا ہے۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں جو کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کہ یہ سمجھتے ہیں کہ بلی انہیں نہیں دیکھ رہی۔۔۔اکثریت کل ہو نہ ہو کہ مقولے پر رواں دواں ہے اور اپنی زندگی کے شب و روز گزارے جا رہے ہیں۔۔۔کیا ہوگا یا کیا ہونے والا ہے اس بات سے بلکل قطع نظر اپنی ناتواں زندگی کی گاڑی کھینچے جار ہے ہیں۔۔۔

در حقیقت اب ایسا لگتا ہے جیسے کہ قدرت اپنی بچھائی ہوئی بساط سمیٹ رہی ہے۔۔۔ایک طے شدہ معمول کہ مطابق۔۔۔ایک دن ایسا ہونا ہے۔۔۔اب کرنا صرف اتنا ہے کہ سفر کہ کیلیے جو درکار سامان ہے وہ تیار کرنا ہے۔۔۔یہ وہ سامان ہے جس سے ہم سب واقف ہیں۔۔۔گو کہ یہ بھی ایک طویل بحث ہے۔۔۔مگر دعا کہ ساتھ اسے یہیں سمیٹتے ہیں۔۔۔اللہ رب العزت ہمارے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائے (رہتی زندگی کیلیے اور بعد از مرگ)۔۔۔اور ہمیں آخری سانس تک دوسروں کیلیے آسانیاں پیدا کرنے کا حوصلہ و ہمت عطاء فرمائے۔۔۔(آمین یا رب العالمین

پائیداری سے لاپرواہی !

ہمارے دفتر کہ ایک معزز صاحب نے اپنی دفتری کرسی سے اٹھتے ہوئے۔۔۔ اپنے موبائل فون اور اسکی بیٹری کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے موبائل کی بیٹری ایک دفعہ چارج کرلیں تو سات سے آٹھ دن آرام سے نکل جاتے ہیں۔۔۔ دوسری طرف اسمارٹ فون استعمال کرنے والے ہاتھ میں چارجر لئے گھومتے نظر آتے ہیں۔۔۔ اس بات نے ذہن کہ برقی قمقمے روشن کردیئے۔۔۔ اب جس سوچ نے جنم لیا وہ اس مضمون کا عنوان ٹہرا یعنی پائیداری سے لاپرواہی۔۔۔ آپ یہ حق رکھتے ہیں کہ میری ذہنی کیفیت پر شک کریں۔۔۔ مگر اپنا مدعا آپکے سامنے پیش کررہا ہوں۔۔۔ بات رشتوں کی ہو یا چیزوں کی، پائیداری کی اہمیت انسانی فطرت بن بیٹھی ہے ۔۔۔ انسان کی فطرت ہے وہ پائیداری کی جانب جاتا ہے۔۔۔ چاہے اسے چار پیسے زیادہ ہی کیوں نہ خرچ کرنے پڑیں۔۔۔ پائیدار چیز سے توجہ کم ہوجاتی ہے۔۔۔ چاہے وہ کوئی موبائل سیٹ ہو یا میاں بیوی کا رشتہ ۔۔۔ دونوں کی اہمیت یکساں ہوچکی ہے۔۔۔ نا آپ موبائل کہ بغیر رہ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی زوجہ محترمہ کہ بغیر۔۔۔ لیکن کیا وجہ ہے اتنی اہم ترین چیز اور شخصیت پر آپکی توجہ روز بروز

کم ہوتی جاتی ہے۔۔۔اس کہ برعکس ایک کم وقت کی بیٹری رکھنے والا موبائل ہر وقت آپکی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔۔۔ کسی بھی ٹیم میں موجود سب سے مستند کھلاڑی پر ٹیم انتظامیہ بہت کم دھیان دیتی ہے۔۔۔مگر دیگر دوسرے تمام کھلاڑیوں پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔۔۔چاہے کسی بھی ٹیم کا فرد ہو یا خاندان کا۔۔۔وہ اپنی پائیداری اور مخلص روئے کی بدولت آہستہ آہستہ وہ اہمیت گنوا دیتا ہے۔۔۔اور وہ ایک روگ پال لیتا ہے۔۔۔کہ کیا میری کوئی اہمیت ہے بھی یا نہیں۔۔۔

جس چیز پر آپ کا اعتماد زیادہ ہے اس چیز کی اہمیت بھی زیادہ ہونی چاہیئے۔۔۔اس کی قدر بھی زیادہ ہونی چاہیئے۔۔۔فطرت اور عادت میں فرق ہے۔۔۔عادت بدلی جا سکتی ہے ۔۔۔فطرت سے چھٹکارا پانا کافی حد تک ناممکن کام ہے۔۔۔عادتیں وقت کہ ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں مگر فطرت وقت کہ ساتھ ساتھ اور مضبوط ہوتی جاتی ہے۔۔۔ کبھی کبھی کوئی عادت اتنے تواتر سے عملی زندگی میں برتی جاتی ہے کہ وہ فطرت بن جاتی ہے۔۔۔آپ کا ڈر ہر کسی کو ڈرانا چاہتا ہے جو شروع شروع میں آپکی عادت ہوتی ہے۔۔۔ وقت کہ ساتھ ساتھ یہ آپکی فطرت بن جاتی ہے۔۔۔شائد اب یہ چیز ہماری فطرت میں بس چکی ہے۔۔۔ہم صرف انہیں چیزوں پر انحصار کرتے ہیں جو ہمارے آزمائی ہوئی ہوتی ہیں۔۔۔ چاہے انہوں نے آپکو دھوکہ ہی کیوں نہ دیا ہو۔۔۔

جن چیزوں کی جو اہمیت ہے دیجئے۔۔۔ مگر جہاں آپ پرواہ اور لاپرواہی برت رہے ہیں ۔۔۔اس طرف ذرا خصوصی دھیان دیں۔۔۔جہاں تبدیلی لا سکتے ہیں۔۔۔جہاں کسی اور چیز کو آزما سکتے ہیں وہاں آزمایئے۔۔۔ تبدلی ایسے ہی آیا کرتی ہے۔۔۔مزاج اور عادتیں بدلنے سے تبدیلی رونما ہوتی ہے۔۔۔آخر آپ کب تک ایک ہی راگ آلاپتے رہنگے۔۔۔نئے دور کہ تقاضے ہیں آپ مانیں یا نہ مانیں۔۔۔لاپرواہی سے بچنا ہے تو پائیداری کی اہمیت کو تھوڑا کم کرنا پڑے گا۔۔۔اپنے بہترین کھلاڑی کو اپنے خاندان کہ اہم فرد کو اہمیت دینی چاہئے۔۔۔اسے یہ احساس گاہے بگاہے دلانا چاہئے کہ وہ ہمارے لئے کتنا اہم ہے۔۔۔

ٹنگڑی دینے والا!

ٹنگڑی کے لفظی معنی ٹانگ اڑانا کے ہیں۔۔۔ بچپن میں کھیل کود کے دوران ایسا اکثر ہوا کرتا تھا۔۔۔ کوئی آپ سے اچھا بھاگ رہا ہو تو اسے ٹنگڑی اڑا کہ گرا دیا جاتا تھا۔۔۔ مگر اسوقت (ماضی) بچپن بچپن ہوتا تھا۔۔۔ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھتے اور پھر دوڑنا شروع کر دیتے تھے۔۔۔ اگر آج کی بات کریں تو آج تو کھیل کھیل میں کیا کچھ ہو جاتا ہے، کچھ ڈھکا چھپا نہیں۔۔۔ کھیل کھیل اور مذاق مذاق میں آج جان تک لے لی جاتی ہے۔۔۔ جب لوگ ایک دوسرے کو برداشت کرتے تھے، لحاظ کرتے تھے۔۔۔ ایک دوسرے کی عزت ہوتی تھی۔۔۔ مگر آج کچھ نہیں بچا۔۔۔ نہ بچپن آج بچپن ہے۔۔۔ نہ کھیل آج کھیل ہیں۔۔۔ بچپن سے ہی ایک بے ہنگم زندگی بچوں کو وراثت میں مل رہی ہے۔۔۔ تعلیم کا دباؤ۔۔۔ کمپیوٹر۔۔۔ اسمارٹ فونز۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ہم بھولے نہیں ہمارا اصل موضوع ٹنگڑی ہے۔۔۔ ٹنگڑی در حقیقت ایک انتہائی خطرناک عمل ہے۔۔۔ ٹنگڑی سے گرنے والا، منہ کہ بل گرتا ہے۔۔۔ اور اگر سنبھلنے کا موقع نہ ملے تو چوٹ کی شدت کا اندازہ تقریباً ہم سب ہی لگا سکتے ہیں۔۔۔ کیونکہ ایسا کم و بیش سب کہ ساتھ ہی ہوا ہوگا۔۔۔

ہماری عملی زندگیوں میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا ضرور ہونا چاہئے جو ہمیں شتر بے مہار کی مانند بھاگنے سے باز رکھے۔۔۔گاہے بہ گاہے ہماری سمت درست کرتا ہے۔۔۔ کہیں جذبات کی روش میں بہنے سے باز رکھے۔۔۔ایسے لوگوں کو بابا جی بھی کہا جاتا ہے۔۔۔ کہیں انہیں پیر کے منصب پر بھی فائز کیا گیا۔۔۔ مگر جو لوگ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار نہیں کرتے تو وہ گرتے پڑتے رہتے ہیں؟۔۔۔ نہیں قطعی نہیں۔۔۔ قدرت نے انسان کہ ساتھ رحمت کہ فرشتے لگائے ہوتے ہیں۔۔۔ جو انہیں کسی نہ کسی صورت میں اگاہی دیتے رہتے ہیں۔۔۔

جب آپ زمانے کی تلخیوں سے تنگ آکر اپنی زندگی ختم کرنے کہ لئے تیار ہوجاتے ہیں۔۔۔جب آپ کے اندر لوگوں کی نفرت کا الاؤ اپنے عروج پر جل رہا ہوتا ہے۔۔۔جب تمام امیدیں دم توڑتی نظر آتی ہیں۔۔۔۔اور آپ زندگی جیسی نعمت ، زحمت لگنے لگتی ہے۔۔۔اب آپ کو اس زندگی سے پیچھا چھڑانے میں ہی اپنی آفیت نظر آرہی ہوتی ہے۔۔۔ایسے میں کوئی آپ کو ٹہنگری دیتا ہے اور وہ ٹہنگری ان تمام منفی خیالات کہ چراغوں کو گل کردیتی ہے۔۔۔ کسی نے آپ کو اللہ کی رحمت کا احساس دلایا ہے۔۔۔مایوس وہ ہوتا ہے جس کا رب نہیں ہوتا۔۔۔ پھر آپ ایک گہری سانس لیتے ہو اپنے کپڑے جھاڑتے ہو۔۔۔اس ٹہنگری دینے والے کا شکریہ ادا کرتے ہو (جو شائد آپ سے معافی کی اسدعا کر رہا ہو)۔۔۔ پھر سے تمام مصائب سے نبرد آزما ہونے کہ لئے تیار ہوجاتے ہو۔۔۔

اس مضمون کہ توسط سے آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ۔۔۔ ٹھنگری دینے والوں کی قدر کیجئے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو آپ کی زندگیوں کو راہ راست پر رکھتے ہیں۔۔۔ راستے کی اونچ نیچ سے آگاہ رکھتے ہیں۔۔۔ راستے کہ پیچ و خم سے شناسائی دیتے ہیں۔۔۔ سرد گرم سے بچنے کہ طریقے بتاتے ہیں اور غلطیوں پر ٹوکتے ہیں۔۔۔ یہ ٹھنگری دینے والے قدرت کہ تاعینات کردہ لوگ ہوتے ہیں۔۔۔ یہ ٹریفک کہ اشارے (سگنل) کی طرح ہماری زندگی کہ روڈ پر نصب ہوتے ہیں۔۔۔ ہم سب جانتے ہیں اشارے (سگنل) کی پابندی نہ کرنے والا ایک نہ ایک دن حادثے کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔۔۔ قدرت اپنے خاص بندوں کہ راستے میں ہی ایسے ٹھنگری دینے والوں کو بیٹھا دیتی ہے۔۔۔ ایسے سگنل نصب کر دیتی ہے۔۔۔ اپنے ارد گرد ایسے لوگوں کو پہچانئے اور انکی عزت کیجئے۔۔۔ یہی ٹھنگری دینے والے پیر بھی ہیں، باباجی بھی ہیں۔۔۔ انکو حلیئے سے نہیں انکی باتوں سے پہچانا ہوگا۔۔۔ کیونکہ ہم سب کو ایک ایک ٹھنگری دینے والا درکار ہے۔۔۔

بساط کو سمیٹ لو

ہم پاکستانی ایک مدت سے غیر اعلانیہ حالتِ جنگ میں ہیں۔۔۔ایک مدت کی جگہ آپ ۱۴ آگست ۱۹۴۷ سے بھی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔۔۔ہمارے دشمن نے ہمیں ایک لمحے کے لئے سکھ کا سانس نہیں لینے دیا۔۔۔حیلے بہانوں سے ہمیں الجھائے رکھا ہے۔۔۔یہ مصائب شکلیں بدل بدل کر ہمارے سامنے آتے رہے۔۔۔کبھی زبانی جمع خرچ سے حالات اتنے گھمبیر ہوئے کہ فوجوں کو ہائی الرٹ کرنا پڑا۔۔۔کئی بار تو نوبت بدبھیڑ تک آ پہنچی۔۔۔تفصیل سے ہم سب بہت خوب آگاہ ہیں۔۔۔ہم تب سے آج تک لاشیں اٹھا رہے ہیں اور ماتم منا رہے ہیں۔۔۔ہم پاکستانی سال میں کتنے ہی (ہر دن بھی کہوں تو غلط نہیں) دن سوگ مناتے ہیں۔۔۔کبھی کسی عالمِ دین کی موت کا سوگ ۔۔۔کبھی کسی سیاست دان کی موت کا سوگ۔۔۔کبھی کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے کہ اوپر حملے کا سوگ۔۔۔کبھی کسی سیاسی کارکن کی موت کا سوگ۔۔۔ایک عام شہری یا دیہاتی کی موت تو کوئی بات نہیں رہی۔۔۔ہماری حفاظت پر معمور و ذمہ دار قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنی حفاظت کے لئے پریشان ہیں۔۔۔ہم پاکستانی چلتے پھرتے سوگ کی شکل ہوتے جارہے ہیں۔۔۔مگر ہم نے کبھی اپنے دشمن کو دشمن کہنا تو دور کنارا اسکی طرف دیکھنا گوارا نہیں کیا۔۔۔ہم وانا وزیرستان ، بلوچستان اور کراچی میں طاقت کہ بل بوتے پر آپریشن کرنے کو تیار ہیں۔۔۔مگر

پوشیدہ ہتھکنڈوں کو ظاہر کرنے سے گریزاں ہیں۔۔۔
طالبان سے مذاکرات کا دور چل رہا ہے۔۔۔ہم تمام پاکستانی ان مذاکرات کی کامیابی کیلیئے دعا گو ہیں۔۔۔پاکستان تاریخ کہ ایک اور اہم ترین دور سے گزر رہا ہے۔۔۔یقینا پاکستان اور پاکستانیوں کہ دشمن سازشی عناصر سر جوڑے بیٹھے ہونگے کہ کس طرح ان تاریخ ساز مذاکرات کا راستہ روکیں یا اس سلسلے کو توڑیں۔۔۔ہمیں اپنی صفوں میں مثالی اتحاد اور یگانگت قائم کرنا ہے۔۔۔جسکی بدولت کالی بھیڑوں کو مار بھگایا جاسکتا ہے۔۔۔ یہ کہنا تو ٹھیک نہیں کہ یہ آخری موقع ہے۔۔۔مگر ہم اسے آخری موقع سمجھ کر آگے چلیں تو یقینا منزل ہمارے قدم چومے گی۔۔۔قسمت ہمیشہ بہادروں کا ساتھ دیتی ہے۔۔۔ہماری حکومت نے ایک بہت ہی دلیرآنہ اور قابلِ تحسین قدم اٹھایا ہے۔۔۔ یہ جانتے ہوئے کہ آپ قارئین مسکراتے ہوئے سوچ رہے ہونگے کہ یہ سب ایک ڈرامہ ہے)۔۔۔آپ سب سے اس مختصر سے مضمون کہ توسط سے یہ درخواست کرنی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کہ حضور ہاتھ اٹھا کر دعا کریں کہ اب یہ بساط سمٹ جانی چاہئے۔۔۔اس چھوٹی سی نظم پر اختتام کرتا ہوں۔۔۔

!.یہ بازی سمیٹ لو
اب کوئی نہ کوئی نتیجہ نکل آنا چاہئے۔۔۔
یہ خون کی ہولی بند ہونی چاہئے۔۔۔

ہمارے کاندھے بے گناہ و معصوم لاشیں اٹھا اٹھا کر تھک چکے ہیں۔۔۔
ماتم زدہ سینے سیاہ ہو چلے ہیں۔۔۔
ہماری آنکھوں سے آنسو خشک ہونے سے پہلے۔۔۔
ہمارے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹنے سے پہلے۔۔۔
ہماری زبانوں پر بد دعا آنے سے پہلے۔۔۔
مجبوری سے یا محبت سے۔۔۔
ایک دوسرے کو برداشت کرلو۔۔۔
ہم سب کی بقا اسی میں ہے۔۔۔
یہ خون کی ہولی روک لو۔۔۔
خدارا! یہ بازی سمیٹ لو۔۔۔

!حکومت کی سنجیدگی۔۔۔بلدیاتی انتخابات

پاکستانی حکومت نے بہت دلیرانہ و مدبرانہ قدم اٹھایا اور طالبان سے مذاکرات کا آغاز کیا۔۔۔اللہ کے فضل سے دونوں جانب سے امن بحال کرنے پر رضامندی ہوئی۔۔۔ مگر جو شر پسند عوامل نہیں چاہتے پاکستان میں امن قائم ہو۔۔۔یہاں کہ لوگ امن و سکون سے رہیں۔۔۔پھر سے فعل ہوئے اور مذاکرات کہ عمل کو روکوانے یا سبوتاژ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔۔۔طالبان کو یقینا اپنے اثر ورسوخ والے علاقوں میں امن کو بحال رکھنا چاہئیے تھااور امن وامان کی ذمہ داری لینی تھی۔۔۔اب انتظار اور دعا ہے کہ یہ مذاکرات دوبارہ بحال ہوں۔۔۔تاکہ یہ عمل اپنے منتقی انجام کو پہنچ جائے۔۔۔اور ایک تاریخی معاہدہ طے پاجائے۔۔۔پاکستان امن کا گہوارہ بن جائے (آمین)۔۔۔

یہاں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حکومت نے جنگ پر امن کو فوقیت دی۔۔۔ایٹمی طاقت رکھتے ہوئے مفاہمت کا راستہ اختیار کیا۔۔۔نفرت کو محبت سے ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔۔۔یہ اقدامات انتہائی قابلِ ستائش ہیں۔۔۔ یہ تمام کام بہت بڑے پیمانے پر ہورہاہے۔۔۔ساری دنیا کا میڈیا اس عمل پر نظر رکھے ہوئے ہے اور بہت باریک بینی سے جائزہ لے رہاہے۔۔۔کم و بیش ایک دہائی پر محیط یہ آگ و خون کا کھیل کسی منطقی انجام کی جانب پیش قدمی کرتا نظر آرہا

ہے۔۔۔اس کی ایک اہم ترین وجہ اتحادی فوجوں کا افغانستان سے انخلاء بھی ہو سکتی ہے۔۔۔

حکومت کو بیک وقت بہت سارے مسلئے درپیش ہیں۔۔۔یہ مسائل جنگی محاذوں سی اہمیت رکھتے ہیں۔۔۔حکومت نے اپنی جانب سے جو بہترین سدِ باب ہو سکتے تھے وہ کر رکھے ہیں۔۔۔چاہے وہ مسلۂ ملک کی اہم ترین صنعتوں کا ہو۔۔۔پاک بھارت تعلقات یا خارجہ امور ہوں۔۔۔یا یہ مسلۂ توانائی کے بحران کا۔۔۔یہ بہت بڑے بڑے کام ہیں اور یقینا حکومتِ وقت نے ان سے نبرد آزما ہونے کیلئے کمر کسی ہوئی ہے۔۔۔

مذکورہ بالا مسائل ہمارے ملک کی بین الاقوامی ساکھ سے وابسطہ ہیں۔۔۔جبکہ کچھ مسائل ایسے ہیں جنہیں ہم قومی یا افرادی مسائل کہتے ہیں۔۔۔جن سے نمٹنے کیلئے عام آدمی تک رسائی بہت ضروری ہے۔۔۔عام آدمی تک رسائی بلدیاتی نظام کی بحالی سے مشروط ہے۔۔۔حکومت نے جتنی سنجیدگی دیگر مسائل کو سلجھانے میں دکھائی ہے یا دکھا رہی ہے۔۔۔ایسی ہی سنجیدگی بلدیاتی انتخابات کہ انعقاد میں دکھائے تو بہت سے ایسے مسائل ہیں۔۔۔جن سے باآسانی چھٹکارہ مل سکتا ہے۔۔۔دیگر یہ کہ پھر اس نظام کو بدعنوانی سے پاک رکھتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں اس نظام کہ توسط سے اور بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔۔۔مثلاً چھوٹی

چھوٹی.بزرگوں کی کمیٹیاں بنائی جائیں جو یونین کونسل کی سطح پر کام کریں ۔۔۔نوجوانوں میں پیار محبت ، امن و امان کی ترویج کریں ان کی تربیت کریں۔۔۔اچھے.برے کا فرق بتائیں ۔۔۔صبر و تحمل پیدا کریں۔۔۔ مخلص و باادب لوگ تیار کریں۔۔۔ چھوٹے.بڑے علاقے کہ مسائل حل کریں۔۔۔اور کسی ایسے کا الائے کار بننے سے روکیں جو ملک کی سالمیت کیلئے خطرہ بن سکتا ہے۔۔۔یہ آپکو شائد بہت ہی غیر اہم بات لگے مگر اس کی اہمیت کا اندازہ اسی وقت وہ سکتا ہے۔۔۔جب یہ نافذ العمل ہو۔۔۔ چھوٹے چھوٹے کام اگر وقت پر کرلئے جائیں تو.بڑے.بڑے مسائل پیدا نہیں ہوتے ۔۔۔حکومت مذاکرات میں جتنی سنجیدگی سے پیشرفت کررہی ہے اگر بلدیاتی انتخابات پر بھی اتنا دھیان دے تو مسائل کی فہرست سمٹ جائے گی۔۔۔پاکستان خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔۔۔انشاء اللہ

نوجوانوں کو کاروبار کرنے یا دھیان بانٹنے کیلئے حکومتیں قرضہ اسکیمیں شروع کردیتی ہیں۔۔۔ کبھی ٹیکسیاں اس قرضے کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔۔۔کیا نوجوانوں کیلئے یہ سب ٹھیک ہوتا ہے؟۔۔۔حکومت کو چاہئے کہ کوئی ایسا پلیٹ فارم بنائے جہاں لوگوں سے ملک وقوم کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے۔۔۔ مروجہ نظام میں تبدیلیوں کیلئے رائے طلب کریں۔۔۔اقبال کہ شاہینوں تم بتاؤ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔۔۔ نوجوانوں کی رائے مانگیں یقیناً بہت کچھ نیا سامنے آئے گا۔۔۔ جس کسی کی رائے قابلِ عمل یا قابلِ غور نظر آئے اسے کسی نہ

کسی طرح سے پذیرائی دی جائے۔۔۔اسکی سوچ کا چرچا کیا جائے۔۔۔تاکہ لوگوں میں ملک کی بہتری کیلیے سوچنے کا جذبہ بیدار ہو۔۔۔پھر یہی جذبہ جو سوچ کی صورت بیدار ہوگا تعبیر ہوتا ہوا نظر آئے گا اور تعمیر کرے گا۔۔۔آنے والے سنہرے کل کا، سنہرے پاکستان کا۔۔۔

طالبان کا پہلے کہیں یہی حال تو نہیں تھا؟

بقول نیلم بشیر صاحبہ ستمگر ستمبر۔۔۔ گیارہ ستمبر ۲۰۱۲۔۔۔ایک اور گیارہ ستمبر ایک اور ہولناک دن۔۔۔ کراچی کہ علاقے بلدیہ کی ایک گارمنٹ فیکٹری میں آگ لگی ۔۔۔ تقریباً 260 انسانی جانیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔۔۔600 کے قریب افراد زخمی ہوئے۔۔۔آگ تو بجھ گئی ۔۔۔ مگر کتنے گھروں کا چولہا بند ہو گیا۔۔۔ یہاں کام کرنے والے کتنے لڑکے لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کہ واحد کفیل تھے۔۔۔اس حادثے کہ بعد حکومتی ادارے فعل ہوئے اور تحقیقاتی ٹیموں نے مختلف ضابطہ اخلاق مرتب کیا ۔۔۔ جو دیگر ایسے اداروں میں نافذ العمل کیا گیا۔۔۔آگ بجھانے والے ادارے کو اور منظم بنانے پر زور دیا گیا۔۔۔ اس طرح کہ بے تحاشہ ایسے واقعات ہماری شرمناک تاریخ کا حصہ ہیں ۔۔۔ ہمیں وقت کی قدر نہیں ہے ۔۔۔ شائد ہماری فطرت میں شامل ہے کہ ہم حادثوں سے سبق سیکھتے ہیں۔۔۔ معاملہ اجتماعی ہو یا انفرادی تاثر ایک سا ہی ہے۔۔۔ کوئی اس وقت تک کسی کو ذمہ داری دینے کو تیار نہیں ہوتا جب تک یا تو وہ اس دارِ فانی سے کوچ نہ کر جائے یا پھر اسے جبری طور سے ہٹایا نہ جائے۔۔۔یوں کہنا یقیناً غلط نہیں ہوگا کہ ہم بنیادی منصوبہ بندی کہ بغیر بہت بڑے بڑے منصوبے بنا بیٹھتے ہیں۔۔۔بزرگوں کا کہنا ہے کہ جب بنیاد ہی ٹھیک نہ پڑے تو عمارت

کی پائیداری ناممکن ہے۔۔۔
تھر کس کا علاقہ ہے۔۔۔یہاں سے کون جیتا ہے یا پہلے کون جیتا تھا۔۔ان باتوں سے قطع نظر۔۔۔تھر میں تقریباً 150 معصوم جانیں اپنی زندگیاں ہار چکیں ہیں۔۔۔اور نہ جانے کتنی موت کہ دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔۔۔جس کی وجہ بھوک و پیاس ہو یا علاج۔۔۔جانے والے لوٹ کر نہیں آتے۔۔۔زندگی سے قیمتی دنیا میں کوئی شے نہیں ۔۔۔چاہے غریب کی ہو یا امیر کی۔۔۔موت برحق ہے اسے رشوت دے کر ٹالا نہیں جاتا۔۔۔جان سے جانے والے معصوموں کو یہ علم بھی نہیں ہوگا کہ ہم کس کہ علاقے میں پیدا ہوئے ہیں۔۔۔ان لاچار والدین کا کیا حال ہوگا جن کے جگر کے ٹکڑے انکی آنکھوں کہ سامنے دم توڑ گئے (اللہ ان تمام والدین کو صبر جمیل عطاء فرمائے، آمین) ۔۔۔اس باپ پر کیا گزری ہوگی۔۔۔آخر انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں کہاں غائب کہاں غائب تھیں NGO's ہوگئیں۔۔۔حکومت کی غفلت تو کوئی نئی بات نہیں مگر ۔۔۔کوئی ان سے اس غفلت کا جواب طلب کرنے کا مجاز ہے۔۔۔کیا یہ ادارے صرف مشہوری کہ لئے کام کرتے ہیں۔۔۔
تھر شائد علاقہ غیر ہے۔۔۔گو کہ اب تو علاقہ غیر بھی کوئی رہا نہیں۔۔۔یہاں بسنے والے کون لوگ ہیں۔۔۔کیا یہ لوگ زبردستی اس جگہ آبسے ہیں۔۔۔یہاں پاکستان کا آئین نافذالعمل ہے۔۔۔کیا یہاں کوئی انتظامیہ ہے۔۔۔مجھے یہ کہتے

ہوئے خوف محسوس ہو رہا ہے کہ ۔۔۔طالبان کا طالبان بننے سے پہلے کہیں یہی حال تو نہیں تھا۔۔۔کیا تھر کے واسیوں کو نہیں معلوم کہ فقط انکی مزاج پرسی کرنے والے اعلی عہدوں اور منصبوں پر فائز لوگوں نے پر تکلف ضیافت بھی کی ۔۔۔ کہیں آس پاس ہی ان معصوم بچوں کے مدفن ہونگے ۔۔۔ان والدین کہ دلوں پر کیا گزری ہوگی ۔۔۔دل پسیج رہا ہے۔۔۔آنکھوں سے نمی چھلک رہی ہے۔۔۔

اس ملک کو بچانے والوں ۔۔۔جب لوگ نہیں ہونگے تو ملک کا کیا کروگے۔۔۔ان لوگوں کی بدعائیں عرش پر پہنچنے سے پہلے کچھ مداوا کرلو۔۔۔کیونکہ دل سے جو آہ نکلتی ہے وہ اثر رکھتی ہے۔۔۔ کتنی آہیں نکل رہی ہیں۔۔۔ محترم وزیرِ اعظم و وزیرِ اعلی صاحب ایک اور حادثہ ہوچکا۔۔۔اب سدِ باب کرنے وقت آگیا۔۔۔غفلت کے مرتکب تمام افراد کو منظرِ عام پر لایئے اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچایئے۔۔۔ہنگامی بنیادوں پر مستقل حل تلاش کریں۔۔۔کہ پھر کبھی ایسے حالات نہ ہوں کہ ماؤں کی گود میں بچہ بلک بلک کر دم دوڑ دے اور بے چارہ و بے یارو مددگار ماں و باپ کچھ کر نہ سکیں۔۔۔خداکیلئے لاشوں پر بہت سیاست ہوگئی ۔۔۔اب ان معصوموں کی قبروں پر کھڑے ہوکر تصویریں بنوا کر اپنی سیاست کو چار چاند لگانے سے آگے ۔۔۔دہشت گردی ، دہشت گردوں کو مارنے سے ختم نہیں ہوگی ۔۔۔بلکہ اور دہشت گردوں کو پیدا ہونے سے بننے سے روکنے سے ہوگی۔۔۔ تمام پاکستانیوں کو بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیہ کرنا شروع کریں۔۔۔ عدل و انصاف کی بالا دستی

قائم کریں۔۔۔امیر غریب کا فرق ختم کر کہ دیکھائیں بلکہ ان الفاظوں کو ہی ختم کروادیں۔۔۔اگر آپ واقعی مخلص ہیں تو یہ سب ہنگامی بنیادوں پر کیجئے۔۔۔آپ کو کسی سے مذاکرات نہیں کرنے پڑینگے۔۔۔آپکو کسی کہ سامنے جھکنا نہیں پڑے گا۔۔۔چاہے میران شاہ ہو، چاہے شمالی یا جنوبی وزیرستان ہو، چاہے سوات ہو، کراچی ہو یا تھر۔۔۔ پاکستانیوں سے پاکستان ہے۔۔۔۔۔اللہ نے چاہ تو نتیجہ آپ کہ سامنے ہوگا۔۔۔

کس طرح خاموش رہوں؟

ہم جس ملک میں پیدا ہوئے ۔۔۔ہم جس ملک کی آب و ہوا میں سانس لیتے ہوئے عمر کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔۔۔اس ملک کا نام ہمارے آباؤ اجداد نے بہت چاہ سے بہت ارمان سے ۔۔۔پاکستان رکھا ۔۔۔جس کے لفظی معنی پاک و صاف جگہ کے ہیں۔۔۔کتنے معصوم۔۔۔ کتنے سیدھے۔۔۔ اور کتنے سادے لوگ تھے۔۔۔ان کا سمجھنا تھا کہ ہم نے جو مال و دولت ۔۔۔ عزت و شہرت کی قربانیاں دی ہیں۔۔۔اب یہ قربانی آنے والی نسلوں کو نہیں دینی پڑے گی۔۔۔ جتنا خون درکار تھا اس پاک سرزمین کی آبیاری کیلیئے ۔۔۔ہمارے آباؤ اجداد نے دیا۔۔۔شاہد اس سے بڑھ کر دیا۔۔۔جہاں ایک قطرے کی ضرورت تھی ۔۔۔وہاں انھوں نے ندیاں بہادیں۔۔۔ان کا مقصد اس سرزمین کو ناپاکی سے دور رکھنا تھا۔۔۔انکی چاہ تھی ۔۔۔آنے والی نسلیں ایسی تمام نفرتوں سے معاشرتی غلاظتوں سے محفوظ رہیں۔۔۔کتنے عظیم لوگ تھے ۔۔۔ عزتوں کو پامال ہونے سے بچانے کیلیئے پورے پورے گھروں کو آگ لگادی۔۔۔آفرین ان عورتوں پر جنھوں نے کنویں میں چھلانگیں لگادیں۔۔۔ مگر پھر بھی کچھ درندگی کی زد سے نہ بچ سکیں۔۔۔سب کا ایک ہی مقصد تھا۔۔۔کہ آج جو کچھ ہونا ہے
ہو جائے۔۔۔ایک دفعہ پاکستان وجود میں آجائے ۔۔۔پھر کچھ ناپاکی نہیں ہو گی۔۔۔ہم سب جب تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو دل پیچ

جاتا ہے۔۔۔آنکھوں میں نمی امڈ آتی ہے۔۔۔مگر دل کو پل بھر کیلئے سکون آتا ہے۔۔۔
ملک تو بنا ہی لیا نا۔۔۔

پاکستان بن گیا۔۔۔اس کا نام بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھ دیا۔۔۔مگر لگتا یوں ہے کہ تمام نظریہ پاکستان کے حامی لوگ قربانیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔۔۔پاکستان جن لوگوں کو ملا انہوں نے پہلے دن سے اس مملکتِ خداداد کو نظریہ ضرورت کہ تحت چلانا شروع کر دیا۔۔۔جو آج تک چلا جا رہا ہے۔۔۔

یوں تو پاکستان ایسے انگنت واقعات کی فہرست اپنے سینے پر چسپاں کئے ہوئے ہے۔۔۔جو پاکستان کہ شایانِ شان نہیں۔۔۔اس فہرست میں میں ایک بدنما اضافہ ۵ جنوری کو ہوا۔۔۔جب آمنہ بی بی نامی ایک اور حوا کی بیٹی کی عزت کو پامال کیا گیا۔۔۔اس خاتون نے خود کشی کر لی۔۔۔خود کشی ایک بزدلانہ اقدام ہے۔۔۔مگر یہ خاتون بزدل ہونے سے پہلے بہت بہادر تھی۔۔۔اس نے خود تھانے میں اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی رپورٹ درج کروائی۔۔۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک سپاہی نے ایک بار پھر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی۔۔۔جو آمنہ بی بی برداشت نہ کر سکی۔۔۔اس نے اپنے احتجاج کہ لئے کسی انسانی حقوق کی تنظیم سے رابطہ نہیں کیا۔۔۔اسے کسی کی مدد مل بھی نہیں سکتی تھی۔۔۔اس نے جان انصاف کیلئے دی۔۔۔انصاف کی بالادستی کیلئے دی۔۔۔ایسا

پہلی بار نہیں ہوا۔۔۔اور نہ ہی آخری بار ہوا ہے۔۔۔
وزیرِ اعظم صاحب کتنے خون اپنے سر لینگے۔۔۔آپ کتنی آہیں.برداشت کر سکتے ہیں ۔۔۔کہاں ہیں از خود نوٹس لینے والے۔۔۔کب یہ سلسلہ بند ہوگا۔۔۔کون سدِ باب کرے گا۔۔۔کون پاکستان کو پاکستان بنائے گا۔۔۔انصاف کہ بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔۔۔ ان درندہ صفت لوگوں کو سرِ عام سزائیں سنائیں جائیں۔۔۔ان درندہ صفت لوگوں کو نشانِ عبرت بنادیا جائے۔۔۔اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔۔۔میں بے حس بن کر یہ سارا ماجرا دیکھتا رہا۔۔۔سنتا رہا۔۔۔میں کچھ نہیں لکھنا چاہتا تھا۔۔۔مگر مجھ سے خاموش نہیں رہا گیا۔۔۔ایک خاموش اور بزدل سپاہی کی طرح میں نے اپنا حصہ ڈال دیا۔۔۔اپنے لکھنے والے دوستوں سے درخواست کرونگا کہ۔۔۔سب اپنا اپنا حصہ ڈالے۔۔۔ہمارا ہتھیار ہمارا قلم ہے۔۔۔ہم قلم سے لڑ کر پاکستان کو پاکستان بنادینگے۔۔۔انشاء اللہ۔۔۔

!قراردادِ پاکستان

مسائل نے ہم پاکستانیوں کے گھر دیکھ لئے ہیں۔۔۔یا ہم نے اپنے گھروں کہ دروازے انکے لئے کھول رکھے ہیں۔۔۔اب یہ مسائل راستہ بدلنے کو تیار نہیں۔۔۔اور ہم ایک ایک کر کہ مسلٔوں میں الجھتے جا رہے ہیں۔۔۔اتنے مسائل میں گھرے ہوئے لوگوں سے کچھ یاد رکھنے یا کچھ اچھا کرنے یا کچھ نیا کرنے کی امید لگانا زیب نہیں

دیتا۔۔۔افرین ہے پاکستانیوں پر کہ ایسے حالات درپیش ہیں مگر اپنی تاریخ کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کو تیار نہیں۔۔۔فروری کی پانچ تاریخ ہو۔۔۔مارچ کی تیئس تاریخ ہو۔۔۔یومِ مئی ہو۔۔۔آگست کی چودہ تاریخ ہو۔۔۔ ستمبر کی چھ تاریخ ہو۔۔۔ ستمبر کی گیارہ تاریخ ہو۔۔۔نومبر کی نو تاریخ ہو۔۔۔دسمبر کی پچیس تاریخ۔۔۔ کسی نہ کسی حوالے سے ہم ان تاریخوں کو یاد رکھتے ہیں۔۔۔بلکہ کسی حد تک مناتے ہیں۔۔۔ان تاریخوں میں ایک بہت اہم تاریخ مارچ کی 23 تاریخ ہے۔۔۔

تجزیہ کیجئے کیا ہم پاکستانیوں لئے 23 مارچ کی کتنی اہمیت ہے۔۔۔آج کہ دن برِ صغیر کہ مسلمانوں نے ایک مملکتِ خداداد کا مطالبہ کیا۔۔۔دنیا کو بتا دیا کہ ہم اقلیت میں ہی کیوں نہ ہوں مگر حقِ رائے خود ارادیت رکھتے ہیں۔۔۔آل انڈیا

مسلم لیگ کا تین روزہ سالانہ اجتماع جو کہ 22 تا 24 مارچ لاہور کہ منٹو پارک میں منعقد ہوا۔۔۔اس اجتماع میں مسلمانوں کی اکثریت نے ایک علیحدہ مملکت کا با قاعدہ مطالبہ پیش کیا۔۔۔اس دن نے تحریک پاکستان میں ایک نئی روح پھونک دی۔۔۔ منزل کا تیعن ہوگیا۔۔۔اور پھر دنیا نے دیکھا کہ کس طرح تن ، من ، دھن کی بازی لگا کر اپنے اس عہد کو پائے تکمیل کو پہنچایا۔۔۔

آج پاکستان ہم سے یہی تقاضہ کرتا نظر آتا ہے۔۔۔خدا کیلئے مجھے بچالو۔۔۔ میرا جسم لہو لہان ہے۔۔۔جگہ جگہ سے خون رس رہا ہے۔۔۔ میرے زخموں کا مداوا کرو مجھے اس عذاب سے نکالو۔۔۔پھر سے مینارِ پاکستان کہ سائے میں ایک عہد کرلو۔۔۔ہمیں پاکستان کو بچانا ہے۔۔۔ایک تحریک چلانی ہے۔۔۔ان مسائل سے چھٹکارا دلانا ہے۔۔۔آؤ پھر سے عہد کریں۔۔۔ایک عہد پھر سے کریں۔۔۔ایک قرار داد پھر سے رقم کریں۔۔۔

رویوں کی تبدیلی!

کسی کو یا کسی کام کو نا کہنا ایک بہت مشکل کام ہے۔۔۔معاشرتی معاملات میں شائد
اسکی مشکل اور آسانی کو ناپا نہ جاسکتا ہو۔۔۔ پیشہ ورانہ معاملات میں اس کی بہت
اہمیت ہے۔۔۔پیشہ ورانہ معاملات میں اس نا کہنے کو فن سی اہمیت دی جاتی
ہے۔۔۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے ۔۔۔ایسا کیوں ہے۔۔۔بہت سارے لوگ اس لئے نا
کہنے سے گھبراتے ہیں کہ کہیں انکی یہ نا پیشہ ورانہ زندگی پر اثر انداز نہ ہوجائے۔۔۔کچھ
لوگ اپنی نجی زندگی میں معاشرتی میل ملاپ کو برقرار یا قائم و دائم رکھنے کیلئے نہ نہیں
کہہ پاتے۔۔۔توکچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اگر میں نے نا کی تو یہ بیچارہ یا بیچاری
کہاں جائے گا یا گی۔۔۔یقیناان وجوہات کہ علاوہ بھی کچھ اور جواز بھی ہونگے۔۔۔
مضمون کہ عنوان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔۔۔
مجرم جرم ثابت ہونے سے پہلے ملزم ہوتا ہے۔۔۔ہمارے یہاں یہ تاثر عام ہے کہ
جوبطور ملزم گرفتار ہوگیا ہے دراصل وہ مجرم ہی ہے۔۔۔یقینا یہ لاعلمی کا منہ بولتا
ثبوت ہے۔۔۔ہمارا معاشرہ ایسے بے تحاشا لاعلموں سے بھراپڑا ہے جو علم کی بہتات
رکھتے ہیں۔۔۔یوں تو ہم اپنے قیمتی بیانات اور اقدامات سے اپنی

جہالت کا لوہا منوا چکے ہیں۔۔۔ الزام تراشی یا رالزام لگانا آجکل شہرت حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ بن چکا ہے۔۔۔ ہمارے گلی محلوں میں بہت گند جمع ہے کوئی صفائی کرنے نہیں آتا اور نہ ہی کوئی باقاعدہ کچرہ اٹھائے جانے کا بندوبست ہے۔۔۔ ہم اپنے گھروں کا کچرا اپنی گلی یا بہت تیر مارہ تو گلی کہ کونے تک کی زینت بناتے نہیں چوکتے۔۔۔ اخر ہم کب تک ہر کام کہ لئے کسی نہ کسی کہ محتاج رہینگے۔۔۔

ہمیں اپنے مزاج میں، اپنے برتاؤ میں، اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں، اپنے بولنے میں مثبت تبدیلی لانا ہوگی۔۔۔ ہمیں اس بے وجہ و منزل کی تھکن زدہ دوڑ کو ختم کرنا ہوگا۔۔۔ ایک دوسرے کیلئے راستہ چھوڑنا ہوگا۔۔۔ ایک دوسرے کی مجبوریوں کو سمجھنا ہوگا۔۔۔ ہمیں برداشت اور تحمل کو فروغ دینا ہوگا۔۔۔ ہمیں جو منفی تاثرات یا چیزیں ورثے میں ملی ہیں۔۔۔ ہمیں انہیں دفن کرنا ہوگا اور انکے مدفن بھی گم نام بنانے ہونگے۔۔۔ ہمیں اپنے اندر تبدیلی کیلئے برسرپیکار ہونا پڑے گا۔۔۔ تبدیلی ہمیشہ اپنے اندر سے آتی ہے۔۔۔ من کا موسم اچھا ہوتا ہے تو باہر کتنی ہی چلچلاتی دھوپ ہو بری نہیں لگتی۔۔۔ سب یہ چاہتے ہیں کہ سب ایسے ہو جائیں جیساکہ ہم چاہتے ہیں۔۔۔ ہم اپنے عمل سے اپنے کردار سے اپنی اہمیت واضح کر سکتے ہیں۔۔۔ اپنے اندازِ تکلم سے اپنے اندازِ گفتگو سے منفی تاثرات نکال دیں۔۔۔ تبدیلی نظر آنا شروع ہو جائیگی۔۔۔ یہ ضروری نہیں کہ

آپ کسی کو پریشان کر کہ۔۔۔ کسی کا کام روک کہ اپنی اہمیت منوائیں۔۔۔ اسطرح کہ اقدامات اپنی اہمیت بڑھا نہیں رہے۔۔۔ یہ کردار پر بد نما داغ بن کر نمایاں ہونگے۔۔۔
معاشرے افراد سے مرتب پاتے ہیں۔۔۔ افراد معاشرے کو اچھا یا برا بناتے ہیں۔۔۔ مغرب کی ترقی پر سب کی آنکھیں خیرہ ہیں۔۔۔ انہوں نے سب سے پہلے آدابِ زندگی سیکھے۔۔۔ انہوں نے بھرپور طریقے سے اسلامی اقدار کو اپنے معاشرتی معاملات میں اپنایا اور نافذ کیا۔۔۔ ہم سب جانتے ہیں ان کی اڑان ہماری انکھوں سے اوجھل ہو گئی۔۔۔ میں اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو میں یہ کیوں چاہتا ہوں کہ میرے آس پاس سب لوگ اس مصیبت کو مجھ سے بانٹیں یا خود بھی مصیبت زدہ نظر آئیں۔۔۔ جو چیز آپ کی نجی ملکیت ہے اسے آپ کیوں اجتماعی سطح پر دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔ نسلی فاصلے کی وجہ سے ہمارے اندر ہمارے معاشرے کہ اندر برائیاں جنم لے رہی ہیں۔۔۔۔۔۔ بڑے اپنی صحبت سے چھوٹوں کو دور رکھتے ہیں یا چھوٹوں کی صحبت انہیں ناگوار گزرتی ہے۔۔۔ پھر جب تجربہ خود کرینگے تو نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا ہے۔۔۔ سمندر کی گہرائی جب خود ناپنے اترینگے تو ڈوبنے کا زیادہ اندیشہ رہے گا۔۔۔ اس پر طعنہ زنی سے پرہیز کریں۔۔۔ تخلیق و تحقیق سے واضح کیجئے۔۔۔ ادب کو ملحوظ خاطر رکھیں۔۔۔

پلک جھپکتے تبدیلی نہیں آ سکتی۔۔۔کم سے کم قبلہ کا صحیح تعین کیجئے۔۔۔اپنی سمت درست کیجئے۔۔۔اپنے آپ سے عہد کیجئے۔۔۔ہم اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا ئنگے ۔۔۔ہم اگر کسی کیلیئے کچھ اچھا نہیں کر پا رہے تو برا بھی نہیں کرینگے۔۔۔اپنے اندر تبدیلی لانے کیلیئے ہر ممکن کوشش کیجئے۔۔۔انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا۔۔۔اپنا نائب بنایا ہے۔۔۔اور اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کر سکتے ہیں۔۔۔آپ اپنے معاملات کا جائزہ لیں۔۔۔جس کام کو کرنے کی آپ ٹھان لیتے ہیں اسے آپ کر کہ ہی چھوڑتے ہیں۔۔۔تو پھر اپنے اندر تبدیلی کیوں نہیں۔۔۔ہماری تبدیلی ہمارے خاندان کی تبدیلی کا سبب بنے گی۔۔۔ایک خاندان کی تبدیلی کئی خاندانوں کی تبدیلی کا سبب بنے گی ۔۔۔ہمارے رویوں کی تبدیلی بڑی تبدیلی لائے گی۔۔۔ایک دن ہم تہذیب یافتہ مملکت کہلانے لگینگے۔۔۔بقول مرحوم اشفاق احمد! اے ربِ ذولجلال آسانیاں عطا فرما اور آسانیاں تقسیم کرنے کی توفیق عطاء فرما (آمین)۔۔۔اس دعا کو زندگی کا فلسفہ بنا لیں۔۔۔یہ ایک سطری نظریہ ساری زندگیاں آسان کردے گا۔۔۔۔۔۔(انشاء اللہ

سلو پوائزن (slow poison) !

آج، کل ، پرسوں ہمارے ملک کا ہر دن مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ کوئی غیر مرئی طاقت ہمیں بانٹنے میں لگی ہوئی ہے۔۔۔ ہم تو پہلے ہی علاقوں، زبانوں، فرقوں، برادریوں میں بٹے ہوئے لوگ ہیں۔۔۔ عدالتی نظام کہ ساتھ کچھ اسی طرح کا حربہ استعمال کیا گیا۔۔۔ایسا ہی کچھ پاکستان کرکٹ بورڈ اور پاکستان ہاکی بورڈ کے ساتھ ہو چکا ہے (اس سال پاکستان، جس کا قومی کھیل ہاکی ہے، ہاکی کہ ورلڈ کپ سے باہر ہے)۔۔۔ایسا ہی کچھ پاکستان اسٹیل کہ ساتھ ہوا۔۔۔پاکستان ریلوے کہ ساتھ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہوا۔۔۔پاکستان کی بین الاقوامی ہوائی جہاز کمپنی کا حال بھی ایسا ہی ہے۔۔۔اب ہمارے ملک کہ ایک اور اہم ستون میں دراڑ ڈالی جا رہی ہے۔۔۔اب وہ ستون بھی جلد ہی ٹکڑوں میں بٹنے والا ہے۔۔۔جی ہاں میرا اشارہ صحافت کی جانب ہے۔۔۔اب صحافت جیسا معتبر و مستحکم ستون کمزور ہو کر مختلف قبائل میں بٹنے جا رہا ہے ۔۔۔

ہماری صنعتوں کو کمزور کیا جا رہا ہے۔۔۔ہماری معیشت کو کمزور سے کمزور کئے جا رہا ہے۔۔۔پھر یہ منافع بخش ادارے آہستہ آہستہ کمزور ہو جاتے ہیں۔۔۔نوبت یہاں تک آتی ہے کہ یہ منافع بخش ادارے حکومتی سبسڈی کہ محتاج ہو جاتے ہیں

۔۔۔ پھر انہیں اس قابل کر دیا جاتا ہے کہ انکی نجکاری کر دی جائے۔۔۔۔۔۔اب کون تقسیم کر رہاہے اور کون کون تقسیم ہو رہا ہے۔۔۔ یہاں صرف ادارے ہی نہیں سیاسی و مذہبی جماعتوں کہ بھی حصے بخرے ایک منظم سازش کہ تحت کئے جاتے ہیں۔۔۔ مثلاً پاکستان مسلم لیگ پاکستان بنتے وقت واحد سیاسی جماعت تھی۔۔۔ آج مسلم لیگ نامی سیاسی جماعتیں شائد ہم اپنی انگلیوں پر شمار نا کر سکیں۔۔۔ پاکستان مسلم لیگ کمزور ترین ہو گئی۔۔۔ پاکستان پیپلز پارٹی کہ ساتھ بھی کچھ اس سے مختلف نہیں ہوا۔۔۔ اور نہ جانے ابھی کیا کیا دیکھنا باقی ہے۔۔۔

ہمارے ملک میں کبھی لسانیت کو بنیاد بنا کر شب خون مارا جاتا ہے۔۔۔ تو کبھی ہم لوگ مذہبی فرقہ واریت کی زد میں آجاتے ہیں۔۔۔ سچ جانیئے ہم پر مصیبت شکل بدل بدل کر حملہ آور ہوتی ہی رہتی ہے۔۔۔ ان تمام باتوں پر زرہ غور کرنے سے پتہ یہ چلتا ہے کہ کوئی ہمیں (slow poison) دے رہا ہے۔۔۔ اور ہم سب اپنے نام اپنے منصب اپنی سیاست اور اپنے ممبر بچانے کہ چکر میں قطرہ قطرہ زہر پیے جا رہے ہیں اور پلائے جا رہے ہیں۔۔۔ یوں تو ہمارے ملک کہ بڑے بڑے نامی گرامی ادارے اس زہر کی تاب نا لاتے ہوئے تاریخ کا حصہ بنتے جا رہے ہیں اور کچھ پہلے ہی بن چکے ہیں۔۔۔

میں نہیں جانتا کہ میرا یہ مضمون کہاں تک جائے گا۔۔۔ مگر اتنا ضرور کہنا چاہونگا کہ کوئی سپاہ گری کا گر دیکھائے اور اس آہستہ آہستہ زہر دینے والے کہ دستانے اتار پھینکے ۔۔۔ان مکروہ چہروں کو بے نقاب کرے۔۔۔ہماری حکومت کیا کچھ نہیں کرنا چاہتی ۔۔۔بجلی کہ بحران پر قابو پانے کیلیئے ہر ممکن اقدامات کئے جا رہے ہیں۔۔۔طالبان سے مذاکرات کئے جا رہے ہیں۔۔۔ بلوچستان کیلیئے خصوصی مراعات کا اعلان کیا جا رہا ہے۔۔۔ ملک کہ دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنانے کیلیئے دفاعی بجٹ میں اضافہ کیا گیا ہے۔۔۔اس طرح کہ بے شمار کاموں پر توجہ مرکوز ہے۔۔۔ کسی بھی طرح ملک میں خوشحالی لے آئیں۔۔۔ مختلف ذہین لوگوں پر مبنی کمیٹیاں ان کاموں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔۔۔ مگر ایک ایسی خصوصی کمیٹی تشکیل دی جائے جو مذکورہ عوامل پر توجہ دیں ۔۔۔اور نشاندہی کریں کہ کون ہے جو زہر اور دیمک بن کر ہمارے پیارے وطن پاکستان کی جڑوں کو کمزور کر رہا ہے۔۔۔ ہمیں بھی اپنی صفوں میں خلاء نہیں آنے دینی چاہیئے۔۔۔پاکستان کے دشمنوں کو بے نقاب کرنے میں پاکستان کی مدد کریں۔۔۔اللہ پاکستان اور پاکستانیوں کی رہتی دنیا تک حفاظت فرمائے (آمین یا رب العلمین)۔۔۔

پھر وہی ہوا

بات کہاں سے شروع کروں کچھ سمجھ نہیں آتا۔۔۔ہر روز لاشوں کی گنتی خبروں کی شہ سرخیاں بنتی ہیں۔۔۔ایسی خبریں کن لوگوں کو تسکین دیتی ہیں۔۔۔ میری سمجھ سے تو بالاتر ہے۔۔۔ہر ذمہ دار یہ کیوں کہتا سنائی دیتا ہے کہ ۔۔۔دہشت گردی ہمارے ملک کا سب سے اہم ترین مسلۂ ہے۔۔۔ واقعی دہشت گردی یا دہشت گرد ہمارے ملک کے اہم مسائل کی فہرست میں اول نمبر پر گزشتہ کئی سالوں سے براجمان ہیں۔۔۔ہم اس اہم ترین مسلئے میں روز بروز دھنستے جا رہے ہیں۔۔۔دہشت گرد اپنی دہشت گردی جب اور جہاں چاہتے ہیں کر دیکھاتے ہیں۔۔۔پھر اربابِ اختیار یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ دہشت گرد کسی بڑی دہشت گردی کی تیاری میں سرگرم ہیں۔۔۔آخر یہ ڈرامہ کب تک چلے گا۔۔۔ترقی یافتہ ممالک میں حکومت کی تبدیلی ترقیاتی کاموں کو آگے بڑھاتی ہیں۔۔۔ہمارے ملک میں حکومت کی تبدیلی ترقیاتی کاموں کہ حوالے سے کچھ نہیں کرتی ۔۔۔مگر زبان وہی بولتی ہے جو جانے والی حکومت کی ہوتی ہے۔۔۔ جیسا کہ جانے والے ایک صاحب ہر دہشت گردی کی کاروائی کہ بعد یہ کہہ دیتے تھے کہ میں نے تو بتا دیا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے (جیسا کہ ہو چکا ہوتا تھا) ۔۔۔اب بھی اس سے کچھ مختلف نہیں سننے میں آتا۔۔۔ ایسا ہی کچھ سننے کو ملتا ہے اسی

منصب پر فاہز صاحب اسی بیان کی گردان کرتے سنائی دیتے ہیں کہ میں نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا۔۔۔اس پر ایوان میں موجود مخالف جماعتوں کا مطالبہ کہ حکومت ناکام ہو گئی ۔۔۔جیسے اپنے دورِ حکومت میں ان لوگوں نے بہت بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔۔۔

اگر ایک ایک واقعہ تحریر کیا جائے تو ایک بہت موٹا کتابچہ مرتب پا جائے گا۔۔۔ پھر وہی میں ہوا، جو کامرہ میں ہوا، جو مہران بیس میں ہوا، جو ہماری ایجنسیوں کہ GHQ ہوا جو دفاتر میں ہوا، جو مختلف پولیس اکیڈمیز میں ہوا۔۔۔اب کی بار ایک اور انتہائی اہم جگہ کو نشانہ بنایا گیا کراچی کا ہوائی اڈہ۔۔۔ہماری فورسز نے دہشت گردوں کی کاروائی کا بھر پور جواب دے دیا۔۔۔ہر جواب کہ بدلے میں بیس تیس لاشوں کا خراج دیتے چلے آرہے ہیں (کہیں اس سے زیادہ افراد بھی دارِ فانی سے رخصت ہوئے)۔۔۔اربابِ اختیار بہت ستائش کہ ساتھ اپنی فورسز کو شاباش دیتے سنائی اور دیکھائی دیتے ہیں۔۔۔کیا ہماری فورسز ایسے حادثوں اور ہوش ربا کاروائیوں کیلئے بیٹھی ہے۔۔۔یا پھر انکے بعد ملنے والی شاباش کیلئے۔۔۔ گزشتہ برسوں میں ہونے والی دہشت گردی کی کاروائیاں اتنی بے دریغ اور منظم رہی ہیں کہ ہمارے لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔۔۔ہمارے یہاں کمیٹیاں بھی بنتی ہیں۔۔۔مگر کبھی کسی حادثے کی رپورٹ منظرِ عام پر نہیں لائی جاتی ۔۔۔کیا اس کی وجہ اداروں کی غفلت کا بھانڈا پھوٹنے

کا خوف ہے۔۔۔ایک انتہائی اہم بات یہ ہے کہ پچھلے آٹھ ماہ سے کراچی شہر میں دہشت گردوں کی صفائی کا کام جسے آپریشن کا نام سے جانا جاتا ہے جاری و ساری ہے۔۔۔آخر ہمارے حساس ادارے کن دہشت گردوں کہ پیچھے بھاگتے پھر رہے ہیں۔۔۔
گنتی کہ دہشتگرد کبھی بھی کہیں بھی گھس جاتے ہیں اور اس جگہ کو رغمال بنا لیتے ہیں۔۔۔یہ دہشت گرد ہمارے منظم اداروں کو چیلنج کر دیتے ہیں۔۔۔ خفیہ معلومات حاصل کرنے والے ادارے کہیں کوئی کوتاہی برت رہے ہیں۔۔۔جس کی وجہ سے ہمیں گاہے بگاہے دہشت گرد اور دہشت گردوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔۔۔تازہ ترین واقعہ کراچی کہ ہوائی اڈے پر پیش آیا ہے۔۔۔ایک دفعہ پھر گنتی کہ چند دہشت گردوں نے ہمارے منظم اداروں کی قلعی کھول کہ رکھدی۔۔۔ایک کے بعد ایک واقعہ ہماری اصلاح نہ کرسکے۔۔۔ہم جانی و مالی نقصان اٹھائے جارہے ہیں مگر ٹھوس اقدامات سے گریزاں ہیں۔۔۔ کبھی مذاکرات میں الجھ جاتے ہیں۔۔۔ کبھی اپریشن میں پھنس جاتے ہیں۔۔۔ہمارے حکمران اتنے مجبور اور لاچار کیوں ہیں۔۔۔ہم خوفزدہ ہیں کہ دنیا کو تو آنکھیں دکھاتے ہیں مگر اندرونی معاملات پر عبور نہیں رکھتے۔۔۔ حکمرانوں سے اپیل ہے کہ یہ حملے آپ تک نہیں پہنچیں۔۔۔اللہ کرے کہ آپ اس حادثے سے محفوظ رہیں اور اس سے پہلے ہی کوئی ٹھوس اقدامات کرلیں۔۔۔ قیمتی جانیں بچالیں اور ملکی املاک کو محفوظ بنالیں۔۔۔اگر حکمران اور حکومت چاہیں تو کیا نہیں کر سکتے۔۔۔شائد ابھی کچھ وقت

باقی ہے۔۔۔اگر پھر وہی ہوا جو ہوتا رہا ہے وقتی بھاگ دوڑ اور پھر اگلے دھماکے تک خاموشی۔۔۔تو پھر دہشت گردوں کا اگلا ہدف۔۔۔کوئی نہیں جانتا۔۔۔

بے عمل عالم!

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اس وقت تک کسی کام کا حکم نہیں دیتے، جب تک وہ کام خود سرانجام نہ دے دیتے۔۔۔الحمدللہ! ہم امتِ محمدی ﷺ ہیں۔۔۔آج ہمارے درمیان ایسے افراد کی بھرمار ہے جو خود تو عمل کرتے نہیں مگر دوسرں کو تلقین زور و شور سے کرتے نظر آتے ہیں۔۔۔ بات عام افراد تک محدود نہیں۔۔۔ہمارے علمائے کرام اور دیگر مستند علوم کہ حامل افراد بھی اسی روش پر گامزن ہیں۔۔۔ہم اور آپ مسجدوں اور دیگر تقاریب میں پر جوش اور پر زور خطبات ساعتوں کو رونق بخشتے ہیں۔۔۔ایسا کیا ہے کہ ان خطبات و تقاریر کا اثر ذہن و دل پر ذرہ برابر بھی نہیں ہوتا؟؟؟۔۔۔معاشرہ جن بیماریوں کی وجہ سے روز بروز زبوں حالی کا شکار ہے۔۔۔وہ بیماریاں انگنت ہیں۔۔۔ ہمارے درمیان موجود کم و بیش ہر فرد ہی ہمیں اور آپکو بتانے اور سمجھانے بیٹھ جائے گا۔۔۔نہیں تو کھڑے کھڑے ہی بتا دے گا۔۔۔ان میں سے ہر کسی کہ پاس کچھ نہ کچھ نیا مل جائے گا۔۔۔ان افراد میں، میں اور آپ بھی شامل ہیں۔۔۔ہم سب کو برائی صرف سامنے والے میں دکھائی دیتی ہے۔۔۔وہ دیکھو گاڑی کس طرح چلا رہا ہے۔۔۔وہ دیکھو کس طرح بات کر رہا ہے۔۔۔وہ دیکھو کس طرح دیکھ رہا ہے۔۔۔وہ دیکھو کس طرح فقیر پر غصہ کر رہا ہے۔۔۔یہ شخص تو انسان کو

انسان سمجھتا ہی نہیں۔۔۔آپ ایک منٹ کیلئے رک جاتے تو اتنا مسئلہ نہ ہوتا۔۔۔آپ کو تھوڑی سی جگہ دے دینی چاہئے تھی۔۔۔ دیکھو تو کیسا شخص ہے اپنے گھر کا کوڑا (کچرا) گلی میں پھینک رہا ہے۔۔۔اس طرح کہ بے شمار جملے ہماری روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن گئے ہیں۔۔۔یہ معمول کہ جملے ہیں جو میں اور آپ روزانہ سنتے اوریقینا بولتے بھی ہیں۔۔۔مگر بولتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ کوئی ہمارے لئے بھی کچھ اسی طرح کا کہہ رہا ہوگا۔۔۔ہم دوسروں کو بھرپور تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔۔۔ہم اپنے آپ کو انسانیت کہ انتہائی اعلیٰ مرتبے پر فائز کئے ہوئے ہیں۔۔۔ہم میں کچھ ایسے افراد بھی موجود ہیں۔۔۔جو علمائے کرام، مفتیان اور دیگر مستند علوم رکھنے والوں کو بھی بھرپور تنقید کا نشانہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔۔۔بنیادی طور پر ہم اپنے نفس کہ غلام ہو چکے ہیں۔۔۔اس نفس کی تسکین کیلئے ہم کسی کی بے عزتی کریں یا کسی کی دل شکنی کریں کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔

ہمارے ملک میں کسی کیلئے کوئی ضابطہ اخلاق نہیں ہے۔۔۔جس کا جسطرح دل چاہے وہ کہتا اور کرتا پھرے۔۔۔ کسی کہ پاس کسی بھی ملک کی شہریت ہو وہ ہمارے ملک میں آجائے اور پورا ملک بند کروادے۔۔۔انقلاب کی باتیں کرنے والے بھی کثرت سے ہماری سرزمین میں یا پہ ہی نمو پاتے ہیں۔۔۔جو خود تو ٹھنڈے کمروں سے نکلتے نہیں ۔۔۔بلکہ موسم زیادہ گرم ہوجائے تو اپنے اس ملک چلے جاتے ہیں

جہاں ٹھنڈ اور اسے دور کرنے والا سامان دونوں بکثرت موجود ہوتے ہیں۔۔۔ یہ درآمد شدہ لوگ جس غریب عوام کو انصاف اور دوسرے حقوق دلانے کی بات کرتے ہیں۔۔۔ وہ یہ تک تو جانتے نہیں کہ ان کہ گھروں میں زندگی گزارنے کی بنیادی ضروریات ہیں بھی یا نہیں۔۔۔ ان کے سفر کرنے کہ راستے ہموار ہیں یا نہیں ۔۔۔ نکاسی آب کا بندوبست ہے یا نہیں۔۔۔ انقلاب لانے نکل پڑتے ہیں۔۔۔ پہلے ان لوگوں کہ ساتھ رہو تو سہی۔۔۔ دیکھو تو عام آدمی کے روز و شب کن دکھوں اور مصائب سے مزین ہے۔۔۔ دو وقت کی روٹی کس مشقت کہ بعد میسر آتی ہے۔۔۔ وہ بھی کسی کا پیٹ بھر پاتی ہے اور کسی کا نہیں ۔۔۔ ان کی قسمت کا فیصلہ کرنے چلے ہو۔۔۔ جن کہ دکھ سکھ سے واقف ہی نہیں ہو ان کہ لئے کیا خاک خلوصِ دل و نیت سے کر سکوگے۔۔۔ میڈیا کہ کیمروں سے باہر آؤ۔۔۔ اپنے عمل سے ثابت کرو کہ واقعی تم لوگ دنیا کی ان اسائشوں کہ بغیر رہ سکتے ہو۔۔۔ جن کہ بغیر اس ملک کی ۸۰ فیصد سے زیادہ عوام رہ رہی ہے۔۔۔

غزہ کہ مسلمانوں ہم تمھارے لئے بھی دعا گو ہیں کہ اللہ ہم مسلمانوں میں کوئی صلاح الدین ایوبی یا محمد ابنِ قاسم پیدا کردے کہ ہم تمھاری مدد کو آسکیں۔۔۔ اہلِ غزہ ! ہمیں الجھایا ہوا ہے ہمارے اپنے لوگوں نے۔۔۔ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارہ دھیان آپ کی طرف نا جائے۔۔۔ یہ سب دنیا کہ حکمرانوں کی ملی جلی سازش ہے۔۔۔

ہمیں ان بے عمل عالموں سے بچنا ہوگا شائد یہی وہ کالی بھیڑیں ہیں جو ہماری صفوں میں
اتحاد و یگانگت کو کھڑا نہیں ہونے دیتیں۔۔۔ہم ایک دوسرے کو برداشت کریں۔۔۔اور
نبی پاک ﷺ کہ امتی ہونے کا سہی حق ادا کریں۔۔۔کہنے سے پہلے عمل کر کے
دیکھائیں۔۔۔اللہ کی مدد ہم سب کہ ساتھ ہو (امین

! یہ وطن ہمارا ہے ہم سب ہیں پاسباں اسکے

آج ہر پاکستانی پیارے وطن کی 68 ویں سالگرہ منانے کیلیئے سر گرم ہے۔۔۔ جگہ جگہ پاکستان کے جھنڈے اور جھنڈیوں کے اسٹال لگے ہیں۔۔۔ مختلف پیائش اور اقسام کے جھنڈے اور جھنڈیاں دستیاب ہیں۔۔۔ بیجز بھی ہیں کلائی اور سر پر پہننے والے بینڈز ہیں۔۔۔ بچیوں کیلیئے ہرے اور سفید رنگ کی چوڑیاں ہیں۔۔۔ کراچی کہ موسم کی ایک بات بہت اچھی ہے کہ یہاں ہوا چلتی رہتی ہے۔۔۔اور انگنت جھنڈے لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔۔ جھنڈوں کو اسطرح لہراتے ہوئے دیکھ کرایک پر مسرت تاثر ملتا ہے اور خداوند تعالٰی کی طرف سے یہ نوید ملتی ہے کہ حالات کیسے بھی ہوں عوام حکمران کیسے بھی ہوں یہ ملک اس جھنڈے کی مانند چلتا رہیگا (انشاءاللہ)۔۔۔ان اسٹالز پر خریداروں کا بھی تانتا بندھا ہوا ہے۔۔۔ایک کہ پیچھے ایک۔۔۔ کہیں چراغ روشن کرنے کی تیاری ہورہی ہے۔۔۔ کہیں.برقی قمقمے جھلملاتے نظر آرہے ہیں۔۔۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ ملک کی اتنی ابتر صورتِ حال ، سیاسی نفسا نفسی کہ باوجود ہم پاکستانی اپنی آزادی کا جشن بھرپور انداز سے منارہے ہیں۔۔۔ یہ ہے پاکستانی قوم اور اسکا جذبہ۔۔۔

ہمارا ملک اس وقت ایک ایسے مسئلہ کی زد میں ہے جو حقیقتاً مسئلہ لگتا

نہیں۔۔۔لگتا یہ کہ دو افراد اپنی انا کی جنگ میں پورے ملک و قوم کو جھونکنا چاہتے ہیں۔۔۔شائد غصہ کسی اور کا ہے مگر نکال اس حکومت پر رہے ہیں۔۔۔کتنے لوگ اس با ت سے اتفاق کرینگے اور کتنے نہیں ۔۔۔یہ کہنا میرے لئے ذرا مشکل ہوگا۔۔آج صبح ایک ان پڑھ شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا یہ سب کچھ جشنِ آزادی کے دن کے بعد نہیں کر سکتے تھے مطلب انکے لئے اس دن کی کوئی اہمیت نہیں۔۔۔ ۱۴ آگست کا دن سوائے پاکستان کے دشمنوں کے ہر پاکستانی کیلئے اہم ترین دن ہے۔۔۔

آگست 1947 ، ہندوستان کی تفریق کا دن۔۔۔دو قومی نظریہ کی حقیقت کا 14 دن۔۔۔اقبالؒ کہ خواب کی تعبیر کا دن۔۔۔غازی علم دین شہید کی فتح کا دن۔۔۔سرسید احمد خان کی تعلیم کا دن۔۔۔انگنت قربانیوں کا دن۔۔۔برِ صغیر کہ مسلمانوں کی آزادی کا دن۔۔۔ایک اور ہجرت کا دن۔۔۔ محمد علی جناح کی دن رات کی لگن اور محنت کہ ثمر کا دن۔۔۔یہ دن ایسے منائیں کہ آنے والی نسلوں کو اس کی حقیقی اہمیت کا پتہ چلے ۔۔۔بے راہ روی کی آزادی جس کی شیدائی آج کی نسل ہے۔۔۔اپنی آزادی کی راہنمائی تاریخ کی اس آزادی سے لواسے مقصدِ حیات بناؤ۔۔۔پاکستان کو حقیقی پاک سرزمین بناؤ۔۔۔آج کہ دن انہیں آزادی کی راہ میں ہونے والی انگنت قربانیوں کی لازوال داستان سنائیں۔۔۔اس نسل کو یہ بتانا ہے کہ پاکستان کی آزادی کے تحفظ کہ ضامن آپ لوگ ہو۔۔۔اس سبز ہلالی

پرچم پر کوئی آنچ نہ آنے دینا اس کی عزت و تکریم کرنا۔۔۔

پاکستان روز اول سے دشمنوں اور جعل سازوں کی زد میں رہا ہے۔۔۔ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا ہمیشہ مشکل ترین کام رہا کہ کون ملک و قوم سے مخلص ہے اور ہمارے ووٹ کا صحیح حقدار ہوتا ہے۔۔۔ہمارے پڑوسی ملک نے آج تک ہمارے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور وہ ہمیں تکلیف ، نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔۔۔ہمارے سیاسی رہنما انتہائی معصوم ہیں ۔۔۔جو ہمیشہ دوستی بس سروس، سفارتی تعلقات، تجارتی تعلقات ، ثقافتی طائفوں کے دورے۔۔۔وغیرہ وغیرہ کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔۔۔مگر مسائل کا ہجوم آج بھی جوں کہ توں اپنی جگہ کھڑا ہے۔۔۔دنیا میں سیاحت کیلئے مشہورترین پاکستان کہ شمالی علاقہ جات بدامنی کی وجہ سے اپنی اہمیت کھوتے جارہے ہیں۔۔۔اب غیر ملکی سیاح تو کیا ہم پاکستانی ان علاقوں کی سیاحت سے محروم ہیں۔۔۔یقیناان تمام باتوں کا سہرہ بھی ہمارے پڑوسیوں کہ سر ہی بندھتا ہے۔۔۔

پاکستان کی بقا کی ضامن ہماری افواج جو ہر مشکل گھڑی میں سینہ سپر کھڑی نظر آتی ہے۔۔۔جگہ جگہ دشمنوں کی لگائی آگ ۔۔۔جسے بجھانے کیلئے اپنی قیمتی جانوں کے ندرانے پیش کئے جارہے ہیں اور بصد خوشی جامِ شہادت نوش فرمارہے ہیں۔۔۔آپریشن ضربِ عضب ایک انتہائی ناگزیر حل ۔۔۔ہمارے فوجی جوان رمضان کیا

عید الفطر کیا اب جشنِ آزادی بھی محاذ کی سی کیفیت میں منانے جا رہے ہیں۔۔۔ یہ ہماری افواج ہیں اور یہ ہماری فوج کہ جوان۔۔۔ جو دنیا جہان سے بے خبر صرف ایک بات کی فکر لئے کہ پاکستان کی بقاء دنیا کہ ہر کام سے اہم ہے یہاں تک کہ اپنے اہل و عیال اپنے عزیز و عقارب اور سب سے بڑھ کر اپنے بچوں سے۔۔۔ جس ملک کہ ایسے سپاہی ہوں۔۔۔ اس ملک کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھنا تو دور اسطرح سے سوچ بھی نہیں سکتا۔۔۔

پنجاب اور اسلام آباد اس وقت آگ کہ دھانے پر کھڑے ہیں ۔۔۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس آگ میں کون گرے گا۔۔۔ اتنا ضرور جانتا ہوں کوئی بھی گرے فائدہ ہمارے دشمن کو ہی ہوگا۔۔۔ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کیچالیں ہمارا دشمن ہی چل سکتا ہے۔۔۔ آئیں ایسی ہر سازش کو ناکام بنادیں اور ایسی سازشیں کرنے والوں کو بے نقاب کردیں۔۔۔ یہی وطن سے سچی محبت کا تقاضہ ہے۔۔۔ یہی ایک سچے پاکستانی ہونے کی دلیل ہے۔۔۔ کہ کسی ایسے کھیل کا حصہ نہیں بنینگے جس سے ہمارے پیارے وطن پاکستان کو نقصان پہنچے۔۔۔ تو پھر آیئے وطن عزیز بقا کو اپنی بقا بنالیں۔۔۔ پاکستان ہمارا ہے ہم ہی ہیں پاسباں اسکے۔۔۔

اہلِ وطن کو جشنِ آزادی مبارک

بات ایسی بھی نہیں تھی !

اٹھارہ کروڑ کی آبادی رکھنے والا ملک پاکستان ۔۔۔اپنے وجود کے ٦٨ ویں سال میں داخل ہو چکا ہے (الحمداللہ)۔۔۔مگر اسے آج تک اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس سے اور اس کی بقا سے کتنے لوگ مخلص ہیں اور ہیں بھی یا نہیں ۔۔۔یہ دل دکھا دینے والی کہانی ہے۔۔۔آپ سے کوئی ناراض ہو اور کوئی بہت اپنا ہو تو آپ اسکو منانے کیلئے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہو جاؤ گے۔۔۔کیا پاکستان کو کسی نے اپنا مانا ہی نہیں ؟؟؟کیا کوئی پاکستان کا ہے ہی نہیں ؟؟؟ایک اور دل دکھانے والی کہانی ۔۔۔پہلے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پاکستان کو مانا کیسے جائے ۔۔۔جب ہم کسی چیز کو مانتے ہیں، اسے اہمیت دیتے ہیں۔۔۔اس کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔۔۔اس کہ دکھ، تکلیف، خوشی میں، ہر جگہ ساتھ ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔۔۔ میرے نزدیک شائد اسکو ہی ماننا کہتے ہیں۔۔۔ اسے محبت کہ نام سے بھی جانا جاتا ہے۔۔۔پاکستان کو ہم نے مانا ہی نہیں۔۔۔آج ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اس کا ہی نتیجہ ہے۔۔۔ہمارے وطن کی سڑکوں کا حال دیکھ لیں۔۔۔ہمارے ملک کا نکاسی آب کا نظام دیکھ لیں۔۔۔ہمارے ملک میں موجود تفریح مقامات دیکھ لیں۔۔۔ہمارے ملک کہ پیدل چلنے کی جگہ (فٹھ پاتھ) دیکھ لیں۔۔۔لوگوں کیلئے بنے اجتماعی رفع حاجت (ٹوئلٹ)

دیکھ لیں۔۔۔ٹریفک کا نظام دیکھ لیں۔۔۔سرکاری درسگاہیں دیکھ لیں۔۔۔ان درسگاہوں میں دی جانے والی تعلیم کا نصاب دیکھ لیں۔۔۔قبرستان دیکھ لیں۔۔۔ہوائی اڈے دیکھ لیں۔۔۔ریلوے اسٹیشنز دیکھ لیں۔۔۔بسوں ویگنوں کہ کھڑے ہونے کی جگہ دیکھ لیں۔۔۔تباہ شدہ اور تباہ حال ادارے دیکھ لیں۔۔۔غرض یہ کہ پاکستان کی کسی بھی چیز پر کسی کا کوئی دھیان نہیں ہے۔۔۔کوئی پاکستان کو مانتا نہیں ہے۔۔۔کسی کو کوئی خیال نہیں ہے۔۔۔ان سب چیزوں کا نام ہی پاکستان ہے۔۔۔پاکستان ایک جیتی جاگتی لاش بن کہ رہ گیا ہے۔۔۔جو آتا ہے اپنی مرضی کہ ڈھب پر چلانا چاہتا ہے۔۔۔یہاں بسنے والے اٹھارہ کروڑ افراد ایک ریوڑ کی مانند ہے۔۔۔جو کوئی جہاں چاہے ہانک کر لے جائے۔۔۔

پاکستان نے ہر وہ چیز جو ہماری پر تعیش فانی زندگی کیلئے لازمی تھی فراہم کی۔۔۔ہمیں دنیا جہاں سے اپنی ضرورت کی اشیاء منگوانے کی بھرپور صلاحیتوں سے نوازا۔۔۔پاکستان مدنیات سے مالامال زمین لئے ہوئے ہے۔۔۔کوئلہ، گیس، خام تیل، سونا، یورینیم جیسی قیمتی دھاتیں، قیمتی سے قیمتی اور ضرورت کی لازمی شے پاک سرزمین سے ہمیں میسر ہے۔۔۔دنیا کا بہترین آم ہم کھاتے ہیں، گندم، گنا، چاول، دیگر تمام اجناس ہم اس سے حاصل کرتے ہیں۔۔۔پانچ دریا ہیں۔۔۔سمندر ہے جہاں سے ہمیں انواؤاقسام کی مچھلیاں میسر ہیں۔۔۔پاکستان نے ہمیں کیا نہیں دیا۔۔۔ہم اسے ناپاک کئے جارہے ہیں۔۔۔اپنے اقدام سے اپنے

عزائم ہے۔۔۔

کیا کسی کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ہم پاکستان کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔۔۔ہم ان انگنت قربانیوں کی بھی بے حرمتی کر رہے ہیں جو اس وطنِ عزیز کہ حصول کیلیۓ دی گئیں۔۔۔ان قربانیوں کی بے حرمتی و پامالی جنھوں نے صرف میرے لئے اور آپ کیلیۓ اپنا بچپن، اپنی جوانی اور بڑھاپا قربان کر دیا۔۔۔اس پاک سرزمین کی تگ ودو میں کتنی عزتیں پامال ہوئیں۔۔۔کیا ہمیں کسی کا پاس نہیں۔۔۔ہمیں اپنے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔۔۔پاکستان ہی ہماری شان ہے اور اسی سے ہماری پہچان ہے۔۔۔

مگر ہم اس پاکستان کیلیۓ ایک استعفٰی نہیں دے سکتے۔۔۔ایک اور دکھ اس وطن عزیز کہ دل میں جگہ بنا گیا۔۔۔اگر پاکستان کو مانتے ہوتے یا پاکستانیوں کا ذرہ برابر بھی خیال ہوتا تو حکومتِ وقت اسلام آباد میں اتنا بڑا اسٹیج نا سجنے دیتی۔۔۔پہلے ہی دن اعلانیا طور پر استعفٰی پیش کرتی اور کہتی کہ ہمیں اپنے وطن کا خیال ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔۔۔ساری چیزیں اس کہ دم سے ہیں۔۔۔مگر ایسا نہ ہوا۔۔۔پاکستان کی عوام واقعی جوش اور جذبے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔۔۔پندرہ دن ہونے کو ہیں۔۔۔سب گھر بار چھوڑ کر اس ملک کو حقیقی معنوں میں محبِ وطنوں کہ حوالے کرنے نکلے ہیں۔۔۔اب بتایۓ کیا

ہو گا۔۔۔ پھر افواج پاکستان کا سہارا لینا پڑا۔۔۔ ہماری فوج ہر محاذ پر ملک کہ دفاع کیلئے ہر گھڑی تیار ہے۔۔۔اب حکومتِ وقت کو حکومت سے ہی نہیں ۔۔۔ آنے والے وقت سے بھی اپنے آپ کو خارج سمجھ لینا چاہیے ۔۔۔ اب تبدیلی کی ایسی آندھی چلی ہے کہ سب کچھ بدلنے کو ہے ہماری سوچ ہمارا مزاج ۔۔۔اب ہم پاکستان کو ماننے لگینگے

۔۔۔اب ہم پاکستان کا احسان ماننے والے بن جائینگے۔۔۔اب ہم پاکستان کی قدر کرنے لگیں گے ۔۔۔اور جب ہم پاکستان کی قدر کرنے لگینگے تو دیکھنا دنیا بھی ہماری قدر کرنے لگے گی ۔۔۔ بات ایسی بھی نہیں تھی کہ مانی نہ جاتی ۔۔۔اب سب کچھ مانا جائے گا۔۔۔اور تبدیلی کا راستہ انشاء اللہ کوئی روک نہیں پائے گا۔۔۔

!ہم محکوموں کہ پاؤں تلے

فیض احمد فیض کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔۔۔ فیض صاحب کا شمار اردو ادب کے روشن ستاروں میں ہوتا ہے۔۔۔فیض کوایک انقلابی شاعر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔۔۔آپ کی گراں قدر خدمات کی بدولت حکومتِ پاکستان نے آپ کو نشانِ امتیاز سے نوازا۔۔۔فیض احمد فیض کسی تعارف کہ محتاج نہیں ۔۔۔ یہ مضمون انکی یاد میں بھی نہیں لکھا جا رہا۔۔۔ میرے لئے آپ کی لکھی ہوئی ایک نظم لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے بہت اہمیت کی حامل ہے۔۔۔جو حالات اور واقعات پر پوری اترتی ہے۔۔۔یقیناآپ کہ قلم سے نکلنے والے الفاظ شعلے کی سی حدت رکھتے ہیں۔۔۔یہ اس حدت کا ہی نتیجہ ہے کہ میں آج اس مضمون کو لکھنے لگا ہوں۔۔۔وہ کیسا دکھ تھا یا تکلیف تھی جس کی بدولت یہ نظم وجود میں آئی۔۔۔ احساس کی شدت نے ایسی نظم تشکیل دی۔۔۔مگر وقت نے کئی بار انگڑائی لی اور کئی بار لوگ تبدیلی کے نعرے لگاتے نظر آئے۔۔۔یہ نظم تب بھی بھرپور آبوتاب سے روشن ضمیر کی علامت بنی رہی۔۔۔اس نظم کا ایک ایک لفظ اپنے اندر انقلاب کی آگ لئے ہوئے ہے۔۔۔

تبدیلی کیلیئے ہم پاکستانی جانے کب سے جدوجہد میں سرگرداں ہیں۔۔۔آخر یہ کون

سی تبدیلی ہے جس کا راگ دہائیوں سے آلاپا جارہا ہے۔۔۔ایک طرف کرپشن چور بازاری پلتی اور پنپتی رہی ہے۔۔۔تو دوسری طرف تبدیلی کیلئے کچھ منچلے اپنا سر دھنتے رہے ہیں۔۔۔چہرے بدلتے رہے کبھی کوئی خاکی وردی پہن کر اقدار کی کرسی سے چمٹا رہا ۔۔۔کبھی جمہوریت کے نام لیوا جلوا گر ہوتے رہے۔۔۔مگر کسی نے تبدلی کیلئے کوئی خاطر خواہ بندوبست نہیں کیا۔۔۔اگر کسی نے کوئی تھوڑی بہت کوشش بھی کی تو اسے پتہ نہیں چل سکا کہ اسکے ساتھ کیا ہوا۔۔۔ہمارے ملک میں رائج نظام افسر شاہی کے کلچر بھی کہا جاتا ہے۔۔۔یعنی افسر کی جی حضوری VIP نام سے جانا جاتا ہے۔۔۔جسے کیلئے آپ کو جہاں سے جو کچھ بھی کرنا پڑے آپ کریں۔۔۔ورنہ جو کر سکتا ہے اسکے لئے جگہ چھوڑدیں۔۔۔پولیس تھانے بدترین جگہ جانے جاتے ہیں۔۔۔شریف آدمی تھانے کے نام سے خوفزدہ ہوجاتا ہے۔۔۔سرکاری ہسپتالوں کی حالت زار پر کسی کو کوئی رحم نہیں آتا۔۔۔عدالتوں میں نسل در نسل پیشیاں چل رہی ہیں۔۔۔جو اقتدار میں آتا ہے اسکا سمجھنا یہ ہوتا ہے۔۔۔پورے کا پورا پاکستان اسکی ذاتی جاگیر ہے۔۔۔جو چاہے جیسے چاہے وہ کرنے کا مجاز ہے۔۔۔اسے روکنا تو دور کی بات ہے ٹوکا نہیں جا سکتا۔۔۔گو کہ یہ سب کچھ بہت دن نہیں چلتا۔۔۔مگر جو دوسرا آتا ہے وہ جانے والے کی ظلم کی داستانوں کو شرمندہ کردیتا ہے۔۔۔ہم سال ہاسال سے اس مشکل میں گرفتار ہیں۔۔۔اپنے گلے میں غلامی کا طوق ڈالے چلے جارہے ہیں۔۔۔یہی طوق ہم اپنی آنے والی نسل کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔۔۔جیسے ہمارے گلے میں ڈالی گئی۔۔۔

مگر آج لگتا ہے۔۔۔فیض کی آنکھیں تو نہیں ہیں۔۔۔مگر ہماری سب کی آنکھیں فیض کی آنکھیں بننے کیلئے بیتاب ہیں۔۔۔جس تبدیلی کیلئے دو قومی نظریہ پیش کیا تھا۔۔۔جس تبدیلی کیلئے انگنت قربانیاں دیں تھیں۔۔۔جس تبدیلی کیلئے پاکستان بنایا گیا تھا۔۔۔اس تبدیلی کی جانب حقیقی معنوں میں آج دوڑتے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔۔۔مگر دکھ اس امر کا ہے سب دیکھتے ہوئے سب سمجھتے ہوئے۔۔۔اٹھارہ کروڑ پاکستانی کس کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔آج پاکستان بنے کا وقت آگیا ہے۔۔۔حکمرانوں کے حوصلے پست ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔۔۔زمین سے پیر اکھڑتے دکھائی دے رہے ہیں۔۔۔اپنے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتری ہوئی ہے۔۔۔یہ ویسا ہی وقت ہے جب پاکستان بن رہا تھااور دشمن ہمارے قافلوں پر شب خون مار رہے تھے۔۔۔یہ شب خون مارا جارہا ہے۔۔۔اٹھو پاکستان کے جوشیلے جوانوں کہ یہ وقت گزر گیا تو بھی نہیں آئے گا۔۔۔دیوار بس گرنے والی ہے۔۔۔بس ایک بھرپور دھکے کی ضرورت ہے۔۔۔اب یہ نظام ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔۔۔وقت قریب آ رہا ہے۔۔۔شھادتیں رائگاں نہیں جاتیں۔۔۔آج اسلام زندہ ان شھادتوں کی وجہ سے ہے۔۔۔چاہے وہ شھادت حضرت عمر کی ہو یا حسن حسین کی ہو۔۔۔اپنی جماعتوں کہ قائدین کو ایک جگہ جمع کرنے کا وقت آگیاہے۔۔۔کھرا اور کھوٹا الگ الگ کرنے کا وقت آگیا ہے۔۔۔وقت آگیا ہے بادشاہوں کہ تاج اچھالے جائیں۔۔۔حاکموں کو سر بازار گھسیٹا جائے۔۔۔وقت آگیا ہے کہ اپنا حق چھین لیا جائے۔۔۔فیض کی نظم پر

اپنے اس مضمون کا اختتام کرنا چاہونگا۔۔۔

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھینگے

وہ دن کے جس کا وعدہ ہے

جو لوح ازل میں لکھا ہے

جب ظلم و ستم کے کوہ گراں

روئی کی طرح اڑ جائینگے

ہم محکوموں کے پاؤں تلے

جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی

اور اہل حکم کے سر اوپر

جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی

جب ارض خدا کے کعبے سے

سب بت اٹھوائے جائنگے

ہم اہلِ صفاء مردودِ حرم

مسند پہ بٹھائے جائینگے

سب تاج اچھالے جائینگے

سب تخت گرائے جائینگے

بس نام رہے گا اللہ کا

جو غائب بھی ہے حاضر بھی
جو منظر بھی ہے ناظر بھی
اور راج کرے گی خلقِ خدا
جو میں بھی ہو اور تم بھی ہو
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھنگے۔
(لکھائی میں کوئی غلطی ہوئی ہو تو اسکے لئے تہہ دل سے معذرت)

تبدیلی اب ناگزیر ہے!

ملک اس وقت ایک ایسے سیاسی بحران کی زد میں ہے کہ جس سے نکلنے کا کوئی سیدھا راستہ دیکھائی نہیں دے رہا۔۔۔ سیاست افہام و تفہیم کی بنیاد پر پلتی اور پنپتی ہے۔۔۔ جو جتنا بڑا سیاست دان ہوگا وہ کسی بھی مسلئے کا شکار نہیں ہوگا یا کسی مشکل میں نہیں پھنسے گا اور اگر پھنسے گا بھی تو اپنی سیاسی بصیرت کی بنا پر باآسانی نکل جائے گا۔۔۔ یہ سیاسی بصیرت کیا ہے۔۔۔ جی ہاں تحمل مزاجی اور ٹھراؤ۔۔۔ سیاست میں ہٹ دھرمی کی کوئی گنجائیش نہیں ہے۔۔۔ ہٹ دھرمی کی بدولت آمریت، آمریت بنتی ہے اور جمہوریت میں بھی آمرانہ مزاج آجاتا ہے۔۔۔ سیاست تو نام ہی کچھ دینے اور لینے کا ہے۔۔۔ مطلب عوام کو کسی بھی طرح سے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔۔۔ دراصل سیاست دان کی اولین ترجیح عوامی مسائل کا حل ڈھونڈنا اور ان کے ذریعے عوام کہ لئے آسانی پیدا کرنا ہے۔۔۔

پاکستان میں ہر کام نرالا ہوتا ہے۔۔۔ کوئی کچھ بھی کہنے اور کرنے کا مجاز ہے۔۔۔ پاکستان کہ لوگ کسی عمل، چیز یا شخصیت سے بہت جلد اوب یا اکتا جاتے ہیں۔۔۔ اسی طرح مرعوب بھی ہو جاتے ہیں۔۔۔ ایک ہی موسم سے اکتا جاتے ہیں۔۔۔ کسی ایک کو سپورٹ کر کر کہ اکتا جاتے ہیں۔۔۔ مصباح کی کارگردگی اچھی ہے

مگر ٹیم کی اچھی نہیں۔۔۔مصباح کو کپتانی سے ہٹاؤ۔۔۔ٹیم کی کارگردگی اچھی ہے مگر مصباح کی اچھی نہیں۔۔۔مصباح کی ٹیم میں جگہ نہیں بنتی۔۔۔مصباح سے اکتا گئے ہیں۔۔۔آزادی پاکستان سے اب تک ۴ یا ۵ وزرائے اعظم ہونے چاہئے تھے (جمہوری دور کی مدت کہ حوالے سے)۔۔۔۲۷ وزرائے اعظم اس کرسی پر جلوہ افروز ہوچکے ہیں۔۔۔کوئی اداکار ہو یا اداکارہ، کوئی گلوکار ہو یا گلوکارہ۔۔۔کوئی مضمون ہو۔۔۔کوئی شاعر ہو۔۔۔اگر یوں کہا جائے کہ جو چیز ہم بدل سکتے ہیں اسے جتنی جلدی ہوسکتا ہے بدل لیتے ہیں۔۔۔گاڑیاں والے گاڑیاں بدل رہے ہیں۔۔۔موٹر سائیکل والے موٹر سائیکل بدل رہے ہیں۔۔۔سائیکل والے سائیکلوں پر سائیکلیں تبدیل کئے جا رہے ہیں۔۔۔ہم طبعیتاً یا فطرتاً ایسے ہیں یا ہوگئے ہیں۔۔۔۔قانون کی بالادستی کا ہر کوئی رونا روتا دکھائی دیتا ہے۔۔۔دوسری طرف ہر کوئی اپنی مرضی کا قانون چاہتا ہے۔۔۔کسی سے نظریاتی اختلاف، کہیں شخصی، تو کہیں فقہی اختلاف ہونے پر پارٹیاں بدلتے نظر آتے ہیں۔۔۔ٹریفک کہ سگنل پر ایک منٹ کہ لیئے رکنا محال ہے، ذرسی جگہ ملی یہ جا وہ جا۔۔۔ہمارے ملک کہ مختلف کھیلوں سے تعلق رکھنے والے کھلاڑیوں کو دیکھئے کبھی ایسی کارگردگی دکھائیں گے کہ دنیا کو حیران کردینگے۔۔۔دوسرے ہی دن ایسے جلوہ گر ہونگے کہ جیسے اس کھیل سے واقف تک نہیں۔۔۔اسکول جانے والے بچے اپنے لنچ بکس، تھرماس اور بستے کی تبدیلی کا تقاضہ کرتے نظر آتے ہیں۔۔۔موبائل تبدیل ہو رہے ہیں۔۔۔گھر میں رکھے ہوئے سامان کی جگہیں تبدیل

ہو رہی ہیں۔۔۔ ملک کہ حالات و معیشت میں استحکام نہیں ہے۔۔۔ صبح و شام چیزوں کی قیمتیں تبدیل ہو رہی ہیں۔۔۔ یہی وجہ ہو گی جو لا تعداد فرقے بن چکے ہیں۔۔۔ اچھے کو بہت دن تک اچھا نہیں کرنے دیتے ۔۔۔ برے کی برائی بھی زیادہ دن برداشت نہیں کرتے۔۔۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔۔۔ اختلاف آپ کا حق ہے۔۔۔ جبکہ ہم وہ لوگ ہیں جو ایک اللہ ، ایک رسول ﷺ اور ایک کتاب قرآن پاک کہ ماننے والے ہیں۔۔۔ ہماری طبعیتوں میں تو انتہا کی یکسوئی ہونی چاہئے تھی۔۔۔ مگر ایسا نہیں ہے۔۔۔ آخر ایسا کیوں ہے ۔۔۔ جواب کم و بیش سب ہی دے دیں۔۔۔ یعنی مرض سے سب واقف ہوں ۔۔۔ مگر تشخیص پر کسی نے کبھی توجہ نہیں دی۔۔۔ اس مرض کی بہت سی وجوہات ہونگی ۔۔۔ اسکی اہم ترین وجہ قانون اور قائدے کا نہ ہونا ہے۔۔۔ ہمارا وطن ہمیشہ سے غیر مستحکم ہے۔۔۔ عدم استحکام آہستہ آہستہ ہماری عادت یا فطرت بن چکا ہے۔۔۔ جہاں گاڑی نہ کھڑی کرنے کا بورڈ لگا ہو اور وہاں ایک یا دو نہیں انگنت گاڑیاں کھڑی نظر آئینگی۔۔۔ گزر گاہ پارکنگ کی شکل میں تبدیل ہو جائیگی۔۔۔ منٹوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوگا۔۔۔ مگر کوئی کچھ کہنے اور کرنے والا نظر نہیں آئیگا۔۔۔ جس کا جو دل چاہے کرتا پھرے۔۔۔ تو پھر پوری قوم وہی کرتی پھر رہی ہے۔۔۔ جس کا جہاں دل چاہا وہیں گٹکے یا پان کی پیک مار کر جگہ کو رنگ دار کر دیا۔۔۔ کوئی روکنے یا ٹوکنے والا نہیں ۔۔۔ جس کا جو چاہے کرتا

پھرے۔۔۔ کوئی موبائل، بائک، کاریا خواتین سے پرس چھیننے۔۔۔ چھین لے۔۔۔ کوئی کچھ کہنے اور کرنے والا ہے ہی نہیں۔۔۔ اگر غلطی سے کوئی ہاتھ آ بھی جائے تو سامان آدھا آدھا کی بنیاد پر خارج ہو جاتا ہے۔۔۔ آپ اپنے دائیں بائیں دیکھیں ایک جمِ غفیر ہے۔۔۔ مگر سب اپنی موج میں اپنی ترنگ میں چلے جا رہے ہیں۔۔۔

اگر ایسا ماحول کسی گھر کا ہو تو وہ گھر بہت دن تک نہیں چل سکتا۔۔۔ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیگا اور رہنے والے الگ الگ ہو جائینگے یا وہ بٹ جائیگا۔۔۔ اگر ایسے ماحول کو تبدیل کرنے کی کوئی ٹھان لے۔۔۔ اسکا ساتھ دینے والوں کی تعداد ٹھیک ٹھاک ہو۔۔۔ اکثریت کی بھرپور حمایت بھی حاصل ہو۔۔۔ مگر پھر بھی اسے روکنے والے کو آپ کیا کہینگے۔۔۔ آپ کو لازماً کچھ نہ کچھ کہنا پڑیگا۔۔۔ اس فرسودہ اور بدبودار نظام سے ہم سب ہی جان چھڑانا چاہتے ہیں۔۔۔ مگر اس کیلئے کسی قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار نہیں ہیں۔۔۔ بڑے بڑے سیاستدان تک یہ کہتے نظر آ رہے ہیں کہ یہ لوگ جو سڑکوں پر نکلے ہیں ان کے جو تقاضے ہیں وہ بجا ہیں۔۔۔ اگر واقعی یہ ٹھیک ہیں تو انہیں کیوں امتحان میں ڈالا ہوا ہے۔۔۔ انہیں انقلاب اور آزادی ملنی ہی چاہیے۔۔۔ یہ پوری قوم کیلئے وہاں بیٹھے ہیں۔۔۔ ہماری عقل ہم سے تقاضہ نہیں کر رہی کہ جس طرح بھی ان لوگوں کا ساتھ دیں۔۔۔ کم سے کم یہ ہماری اخلاقی حمایت کہ مستحق تو ہیں۔۔۔ جہاں جہاں جو جس سطح پر اس پیغام کو عام کرے۔۔۔ یا لوگوں میں اس شعور کو بیدار کرے۔۔۔ وہ

سمجھے کہ اپنی ذمہ داری کسی حد تک ادا کر رہا یا رہی ہے۔۔۔ یہ نظام بدل گیا تو استحکام آجائے گا۔۔۔ ملک میں اور ہمارے اندر بھی۔۔۔ ضد اور انا سے حالات خراب ہوتے ہیں، چیزیں ٹوٹتی ہیں۔۔۔ اسکے بعد فقط رونا باقی رہے جاتا ہے یعنی پچھتاوا۔۔۔ اس بعد کہ اپنی باقی زندگی کہ رونے سے اپنے آپ کو بچا لیجئے۔۔۔ اپنی آنے والی نسلوں کا مستقبل بچا لیجئے۔۔۔ ہمت اور حوصلے سے کام لیجئے۔۔۔ تبدیلی اب ناگزیر ہے۔۔۔

اب کون روکے گا؟

کہا یہ جاتا ہے کہ ہاتھی کو اس کی طاقت کا اور اپنے جسے کا اندازہ نہیں ہے۔۔۔قدرت نے ہاتھی کی آنکھیں اسکی جسامت کے مقابلے میں بہت چھوٹی بنائیں ہیں۔۔۔شائد یہی وجہ ہے کہ اسے اپنی طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔۔۔ذرا سوچئے اس جانور کو اپنی طاقت کا اندازہ ہوجائے تو اسے کون سنبھالے گا۔۔۔اسے کون قابو کرے گا۔۔۔وہ ایک جانور ہے۔۔۔وہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے اور اللہ کہ حکم کے مطابق ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔۔۔اس کہ برعکس انسان جسے اللہ نے بطور اپنا نائب دنیا میں بھیجا۔۔۔جو عقل جیسی نعمت کی بنیاد پر اشرف المخلوقات کہلایا۔۔۔جس نے اس عقل کی بدولت دنیا کے بڑے بڑے جانوروں کو زیر کیا۔۔۔اس عقل کی بدولت اپنی اسائش کی ایک سے بڑھ کر ایک شے بنائی۔۔۔آج حضرتِ انسان عقل کی معراج کو پہنچا ہوا ہے۔۔۔چاند کیا مریخ پر جا پہنچا۔۔۔دنیا جہان کی معلومات ایک چھوٹے سے فون میں دستیاب ہے۔۔۔
انسانی سوچ کی وسعت کی پیائش کا کوئی آلا اب تک دریافت نہیں ہوسکا۔۔۔لیکن انسان کی سوچ ہی تھی جو اسے چاند اور پھر مریخ پر لے گئی۔۔۔سمندر کی تہہ میں غوطہ زن ہے۔۔۔دنیا سے پولیو کے خاتمے کیلئے عزم کئے ہوئے ہے۔۔۔کوئی دنیا کو تعلیم یافتہ بنانے کے منصوبے بنا رہا ہے۔۔۔طاقت کے حصول کیلئے دنیا

کہ وسائل ہتھیانے کہ درپے ہے۔۔۔اسطرح کی بے تحاشہ مثالیں آپ کے ارد گرد ہیں ۔۔۔سورج کی روشنی سے کہیں زیادہ تیز اور روشن علم کی روشنی ہے۔۔۔جس کی مدد سے ذہن میں اجالا ہوجاتا ہے۔۔۔جب آپکا ذہن روشن ہوتا ہے تو باہر کتنا ہی اندھیرہ کیوں نہ ہو کچھ نہ کچھ نظر ضرور آجاتا ہے۔۔۔یہی وہ روشنی ہے جس کی بدولت گمراہی سے نجات حاصل کی جاتی ہے۔۔۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو

خاکِ امراء کے در و دیوار ہلادو

جس کھیت سے دھقان کو میسر نہیں روزی

اس کھیت کے ہر خوشہء گندم کو جلادو

مندرجہ بالا اشعار حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کہ قلم سے نکلے ہوئے شرارے صورت ہیں۔۔۔تازہ ترین رونما ہونے والے واقعات پہلے نمبر پر ایک سابق وزیر داخلہ اور ایک حکومتی نمائندے کو ملک کی ایئر لائن نے آف لاڈ (نیچے اتار دیا) کر دیا کیونکہ صاحبان بہت اہم ہیں (وی آئی پی) اس لئے دیر سے ہوائی اڈے پہنچے۔۔۔دو گھنٹے انتظار کا عذاب جھیلنے والی قوم نے دیکھا کہ دیر ہونے کی وجہ یہ لوگ ہیں تو پھر کیا ہوا یہ سارا پاکستان تو کیا ساری دنیا جان چکی۔۔۔دوسرا واقع بھی سندھ کے وزیر اعلی کیلیئے کئے گئے بند روڈ پر ایک گدھا گاڑی والے نے علم بغاوت بلند کرتے ہوئے اپنی گدھا گاڑی روڈ پر

لے آیا اور پھر کیا تھا اس کو اپنے کئے کی سزا بھگتنا پڑی۔۔۔وی آئی پی کلچر کے رکھوالوں نے اس گدھا گاڑی والے کو شدید ضدوکوب کیا۔۔۔اور بہت لذء پہنچائی۔۔۔
بات ہوائی جہاز میں نہ داخل ہونے دینے کی ہو یا گدھا گاڑی کے روڈ پر آنے کی۔۔۔دراصل لوگوں میں سے وبائی خوف نکلنا شروع ہوگیا ہے۔۔۔عوام کو سمجھ آنے لگا ہے کہ ہمیں کس کس طرح سے برباد کرنے کا سامان کیا جاتا ہے۔۔۔یہ جو لوگ اسلام آباد کی سڑکوں پر ڈیرہ ڈالے بیٹھے ہیں۔۔۔ان کے وہاں بیٹھنے کا ثمر نظر آنا شروع ہوگیا ہے۔۔۔پاکستان بیدار ہورہی ہے۔۔۔اب یہ پاکستان کہ دشمنوں کو جو خود کو پاکستانی کہلواتے ہیں۔۔۔چن چن کر نکالے گی اور انہیں عبرت کا نشان بنائے گی۔۔۔میں اپنے دل سے اسلام آباد میں بیٹھے لوگوں کو اور انکے قائدین کو تہہ دل سے مبارک باد پیش کرنے لگا ہوں۔۔۔کہ آپ کی جدوجہد کا ثمر لگنا شروع ہوگیا ہے۔۔۔اب کی موسم کی تبدیلی میں۔۔۔خنک زدہ ہوا میں۔۔۔پاکستان کے بدلنے کی خوشبو ہے۔۔۔اب سب کو انصاف ملے گا۔۔۔اب ہر عام آدمی وی آئی پی ہوگا۔۔۔کرپٹ لوگوں کو سڑکوں پر گھسیٹا جائے گا۔۔۔انشاء اللہ تبدیلی کو اب کوئی نہیں روک سکتا۔۔۔

خوبصورتی ہے کیا؟

بہت دنوں سے کچھ لکھنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔۔۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ لکھنے کیلئے کچھ تھا نہیں۔۔۔مگر کچھ الگ سا لکھنا چاہ رہا تھا، ماحول سے جدا لکھنا چاہتا تھا۔۔۔اس تگ و دو میں مجھے اپنے گرد خوبصورتی منڈلاتی نظر آنے لگی۔۔۔اور وہ بھی روپ بدل بدل کر۔۔۔ تو میں نے قدرت کے اس انمول تحفے پر مختصرً لکھنے کی جرات کر ہی ڈالی۔۔۔
دنیا میں انگنت مسائل سر اٹھائے کھڑے ہیں۔۔۔ان مسائل کی طویل فہرست میں اچھا لگنا یا خوبصورت دکھنا بھی شامل ہے۔۔۔آج کی دنیا عجیب و غریب نت نئے فیشن لئے ہوئے ہے۔۔۔ فیشن کہ سمندر میں خواتین و حضرات یکساں طور پر غوطہ زن نظر آتے ہیں۔۔۔کپڑوں کی سلائی کڑھائی کا معاملہ ہو یا میک آپ یا میک اوور کا دونوں اصناف شانہ بشانہ نظر آتیں ہیں۔۔۔ خواتین معاشرے میں برابری کا تقاضہ کرتی
ہیں۔۔۔دنیاکہ کم و بیش ہر میدان میں ہی مردوں کی ہم پلہ دکھائی دیتی ہیں۔۔۔فیشن یا خوبصورت دکھنے کہ معاملے میں مردوں نے عورتوں کی برابری کر کہ حقیقی معنوں میں معاشرتی نظام کو توازن بخش دیا ہے۔۔۔بننا سنورنا تو شائد ہمیشہ سے ہوتا چلا آرہا ہوگا مگر اکیسویں صدی کہ آتے ہی تمام حدود ختم

ہوتی نظر آ رہی ہیں یا حدیں اندیکھی حد تک متعین کر دیں گئیں ہیں۔۔۔ جن میں معاشرتی اقدار بھی شامل ہیں۔۔۔بڑوں کا بزرگوں کا ادب اور لحاظ ہوا کرتا تھا، جواب فقط لغت کی زینت بننے کیلئے رہ گئے ہیں۔۔۔اس فیشن یا ایسے فیشن کا مقصد کیا ہے ؟۔۔۔ہم فیشن کیوں کرتے ہیں ؟۔۔۔

قدرت کا ایک انتہائی حیرت انگیز کارنامہ دیکھئے۔۔۔دنیا کی انسانی آبادی لگھ بھگ ۷ ارب کی حد پار کر چکی۔۔۔جو لوگ اس دارِ فانی سے کوچ کر چکے ہیں ان کا اندازہ لگانا یقینا ناممکن ہے۔۔۔ مجموعی طور پر ہر رنگ و شکل (نقوش) دوسری شکل و رنگ سے مختلف ہوتی ہے۔۔۔ کسی علاقے کہ لوگ کالے ہیں تو کہیں گندمی رنگت ہے اور کہیں گورے رنگ کی بھرمار ہے۔۔۔ خوبصورت دکھنا رنگوں اور نقوش سے بالاتر کوئی چیز ہے۔۔۔کیا جمالیاتی خوبصورتی پر اخلاقیات اور سماجیات اثر انداز ہو سکتے ہیں۔۔۔ حسن نظر کا بھی یقینا کوئی نہ کوئی عمل دخل ہے۔۔۔

خوبصورت دکھنے کا بنیادی مقصد کسی خاص یا عام طور پر لوگوں پر اپنی جمالیاتی یا ظاہری خوبصورتی کا رعب ڈالنا یا متاثر کرنا ہے۔۔۔آج کی دنیا میں ہونے والے فیشن شوز موسم کہ ملبوسات متعارف کراتے ہیں۔۔۔یہی شوز شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کہ حوالے سے آگہی دینے کا کام سرانجام دیتے

ہیں۔۔۔فیشن بھی تبدیلی کی شکل ہے۔۔۔خوبصورت ملبوسات اور ہوشربا چہرے عموماً خوشگوار تاثر قائم کرتے ہیں۔۔۔ کسی حد تک لوگوں کی مثبت سوچ کی ترجمانی کرتے ہیں۔۔۔

ہمیں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کیلئے جو چیز قدرے آسانی سے میسر ہے وہ ہے جمالیاتی یا ظاہری خوبصورتی۔۔۔ کیونکہ کردار کو خوبصورت بنانے کیلئے بہت محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے۔۔۔اگر کسی انسان کی سوچ خوبصورت ہو تو اس شخص کہ تصور سے خوبصورت احساسات جنم لیتے ہیں۔۔۔انسان کا برتاؤ اسکی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے ۔۔۔ایک سست طبعیت کا مالک شخص جب کسی سے ملتا ہے تو سامنے والے کو بھی سستی کا احساس ہونے لگتا ہے اور اس سست طبعیت کہ مالک شخص کا تاثر بھی سست ہی بنتا ہے۔۔۔ایسے شخص کہ بارے میں سوچنا بھی ماحول اور مزاج میں سستی کی آمزش کا سبب بن جاتا ہے۔۔۔

خوبصورتی اپکی فکر، سوچ اور عمل سے شروع ہوتی ہے اور جمالیاتی طور پر ختم ہوتی ہے۔۔۔ خوبصورتی ہر انسان کے اندر موجود ہوتی ہے۔۔۔اندر کی خوبصورتی جب سامنے والے پر منعکس ہوتی ہے تو آپ کو سامنے خوبصورتی نظر آنے لگتی ہے۔۔۔ جسمانی خوبصورتی فنا ہونے والی ہے ایک دن خاک میں مل جائے گی۔۔۔ خوبصورت ترین چہرے شکن زدہ نظر آتے ہیں۔۔۔ لیکن سوچ اور اخلاق ہمیشہ پوری

توانائی کیساتھ زندہ و جاویداں رہتے ہیں ۔۔۔ ہمیشہ خوبصورت رہتے ہیں ۔۔۔ ہمیں اپنا تاثر ایسا چھوڑنا چاہیے کہ جب ہمیں کوئی یاد کرے تو اسکے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو جائے اور اسے پتہ بھی نہ چلے۔

اس تحریر سے اگر کسی احساس نے آپکا احاطہ کیا ہو تو ضرور آگاہ کیجئے گا۔

!ساکنانِ کراچی

کراچی شہر آبادی کے لحاظ سے مرتب کی گئی فہرست میں دنیا میں دوسرے نمبر پر پہنچ چکا ہے۔۔۔ کراچی کو منی یا چھوٹا پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔۔۔ کراچی میں صرف مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ ہی نہیں بستے۔۔۔بلکہ کراچی میں پورے پاکستان سے (یہ کہنا قطعی غلط نہیں ہوگا کہ پاکستان کہ کونے کونے سے)لوگ روزگار کی تلاش میں آتے ہیں۔۔۔ کراچی کو بین الاقوامی شہر بھی کہا جاتا ہے۔۔۔ کراچی اپنی روشنیوں کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔۔۔یہ ایک غریب پرور شہر ہے شائد یہی وجہ ہے کہ جو یہاں ایک بار آجاتا ہے تو جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔۔۔نا تو یہاں کھانے کا مسئلہ درپیش ہے اور نہ ہی لباس کا۔۔۔رات بسر کرنے کیلیئے بھی انگنت جگہیں موجود ہیں۔۔۔ سمندر کراچی کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔۔۔ کراچی پاکستان کا پہلا دارلخلافہ بھی رہ چکا ہے۔۔۔ قائدِاعظم کی جائے پیدائش کہ ساتھ ساتھ انکی آخری آرام گاہ بھی کراچی میں ہی ہے۔۔۔ کراچی شہر کی خصوصیات کی طویل فہرست ہے۔۔۔مذکورہ خصوصیات ان میں سے کچھ ہیں۔۔۔

اعداد و شمار کہ مطابق 1947 ء میں کراچی کی آبادی ساڑے چار لاکھ (450000) افراد پر مشتمل تھی ۔۔۔آج کراچی میں موجود آفراد کی تعداد دو کروڑ سے بھی

کہیں آگے بڑھ چکی ہے۔۔۔جس حساب سے آبادی بڑھ رہی تھی شہر قائد نے اس حساب سے اپنے آپ کو وسعت نہ دی۔۔۔آہستہ آہستہ افراد کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور وسائل اپنی جگہ ہی رہے جس کی وجہ سے مسائل میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا ۔۔۔آج مسائل کی ایک نا ختم ہونے والی فہرست مرتب ہو چکی ہے۔۔۔ہسپتالوں میں مریضوں کیلئے سہولتوں کا فقدان ہے۔۔۔مرنے والوں کیلئے قبروں کا فقدان۔۔۔پارکس اور کھیلنے کہ میدانوں میں پلازہ بن رہے ہیں۔۔۔بے روزگاری اپنے عروج پر ہے۔۔۔کہیں پانی نہیں آتا تو کہیں گیس و بجلی کا بحران ہے۔۔۔گاڑیوں کی بھرمار ہونے لائن ہے۔۔۔بل CNG کی وجہ سے ٹریفک کا مسئلہ سنگین صورتحال اختیار کر چکا ہے۔۔۔ جمع کروانے کی لائن ہے۔۔۔نادرا میں لائن ہے۔۔۔ان مسائل سے ذرا دھیان ہٹائیں تو کراچی چوروں ، لٹیروں کی جنت بنا ہوا ہے۔۔۔ٹارگیٹ کلرز دندناتے پھر رہے ہیں۔۔۔آسان لفظوں میں اگر یہ کہا جائے کہ کراچی کے رہائشیوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے تو غلط نہیں۔۔۔یہ وہ شہر ہے جہاں دنیا جہان کہ مطالبے منوانے کیلئے دھرنے دیے جاتے ہیں۔۔۔آئے دن اس شہر کو اندھیروں میں دھکیل دیا جاتا ہے۔۔۔کوئی مذہبی تہوار ہو تو کراچی سے اچھی جگہ پورے پاکستان میں کہیں نہیں ہے۔۔۔سیاسی دنگل بھی کراچی کی سڑکوں پر ہی لڑا جاتا ہے۔۔۔کراچی سے باہر رہنے والے لوگ کراچی کہ نام سے گھبراتے ہیں۔۔۔دراصل محسوس یہ ہوتا ہے کراچی کا کوئی والی وارث نہیں یہ کسی یتیم مسکین بچے کی مانند ہے۔۔۔کراچی کو جنگل سے تشبیہ دی جائے تو بھی غلط

نہیں ۔۔۔ جس کا جہاں زور چلتا ہے وہ چلاتا ہے ۔۔۔ چاہے سیاسی جماعت ہو یا مذہبی جماعت ۔۔۔ سب اپنے اپنے مفاد کراچی سے حاصل کئے جا رہے ہیں اور آگے بڑھے جا رہے ہیں ۔۔۔

آج کراچی میں سال ہا سال سے بسنے والے لوگ محفوظ نہیں ہیں ۔۔۔ دن دھاڑے موٹر سائیکل سوار آتے ہیں ۔۔۔ گاہکوں سے بھری دکانیں لوٹتے ہیں ۔۔۔ ان دکانوں میں موجود گاہک بھی ان کی زد میں آ جاتے ہیں ۔۔۔ راہگیر لٹ رہے ہیں ۔۔۔ بڑے بڑے لوگ لٹ رہے ہیں ۔۔۔ مگر یہ معلوم نہیں چلتا کہ آخر کار یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں ۔۔۔ جنھوں نے کراچی کہ شہریوں کا جینا مشکل کیا ہوا ہے ۔۔۔ نہ کوئی پولیس ہے اور نہ کوئی رینجرز اور نا ہی قانون ۔۔۔ صبح جلدی دفتر جانے والے افراد کا لٹنا تو معمول کی بات بن چکا ہے ۔۔۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو ایک سے زیادہ دفع اس حادثے کا شکار ہو چکے ہیں ۔۔۔ اغوا برائے تاوان کا خوف ۔۔۔ آخر کب تک یہ شہر قائد اور اس کہ باسی بے امان رہے گا ۔۔۔ آخر اس شہر کہ لوگوں نے کسی کا کیا بگاڑا ۔۔۔ یہ لوگ تو اپنے شہر میں آنے والے ہر فرد کا خیر مقدم کرتے ہیں ۔۔۔ آخر وہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آتے ہیں جو اہلیانِ کراچی کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں ۔۔۔ آخر یہ بے ضمیر لوگ غائب کہاں ہو جاتے ہیں ۔۔۔ یہ سب کچھ کہیں سنسان جگہوں پر نہیں ہو رہا یہ گنجان آباد علاقوں کا حال ہے ۔۔۔

ایک طرف اس کا حل یہ نظر آتا ہے کہ ایسے لوگوں کو عوام اپنی عدالت میں خود ہی فیصلہ سنائے اور سزا بھی سرِ عام دے۔۔۔یا پھر انتظامیہ ایسے افراد کو روزگار فراہم کرے۔۔۔یقیناً یہ لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ہی ایسے کام کرتے ہیں۔۔۔اگر معاشرے میں انصاف ہوگا۔۔۔ہر کسی کی عزتِ نفس کا خیال رکھا جائے گا۔۔۔ہر فرد کو زندہ رہنے کے بنیادی عوامل میسر ہونگے تو شائد ایسا بہت کم ہو جائے۔۔۔ خدارا ساکنانِ کراچی کو ایسی صورتِ حال سے نکالا جائے۔۔۔ہمیں بھی سکون کا سانس لینے دیا جائے۔۔۔ہنگامی بنیادوں پر علاقائی پولیس کو بااختیار بنایا جائے۔۔۔بلدیاتی انتخابات بھی امن و امان کی صورتحال بنانے کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔۔۔جلد سے جلد بلدیاتی انتخابات کا انعقاد کرایا جائے۔۔۔ورنہ ہم یونہی گھٹ گھٹ اور ڈر ڈر کہ مر جائینگے۔۔۔یا پھر ایک دوسرے کو مارنے اور کاٹنے لگینگے۔۔۔اللہ رب العزت ہم سب کہ ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائے اور ہمیں آسانیاں تقسیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یا رب العالمین)

وقتی ضرورت یا مسلئے کا حل

ہم نئے سال میں داخل ہو گئے ۔۔۔ خوف ، دہشت ، بے روزگاری ، ناانصافی ، بھوک اور نا معلوم افراد ہمارے ساتھ نئے سال میں ہمارے ساتھ آ گئے ہیں۔۔۔ ہم ان سے پیچھا چھڑوا ہی نہیں رہے۔۔۔ سردیوں کا موسم کچھ اداس سا ہوتا ہے۔۔۔ اور کچھ خشکی اس اداسی میں اضافہ کر دیتی ہے۔۔۔ راتیں تاریک تو ہوتی ہی ہیں ان دنوں میں طویل بھی ہو جاتی ہیں۔۔۔ نا جانے کیوں اتنی طویل راتوں کہ باوجود سارا دن آنکھیں اور وجود بوجھل سا رہتا ہے ۔۔۔ بوجھ سا لگتا ہے۔۔۔

دہشت گردی یا دہشت گردوں سے کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔۔۔ مسجد، مندر ، کلیساء ان سے محفوظ نہیں۔۔۔ بازار ، تفریح گاہیں، دفتری اور شاپنگ مراکز ان سے محفوظ نہیں تھے۔۔۔ اب رہی سہی کثر تعلیمی اداروں پر انتہائی سفاکی سے قتلِ عام کر کہ انہیں بھی غیر محفوظ بنا دیا۔۔۔ جب ہمارے ملک کا سب اہم اور منظم ادارے کا ہیڈ کوارٹر محفوظ نہیں انکیتعلیمی ادارے محفوظ نہیں ۔۔۔ تو شہری انتظامیہ (Civil Administration) عام افراد کی یا اسکول کالجوں کی حفاظت کو کیسے یقینی بنا سکتی ہے۔۔۔ تازہ ترین اندوہناک واقعہ لیجئے۔۔۔ حفاظت فراہم کرنے والے ادارے آرمی پبلک اسکول پشاور میں دہشت گردوں کی کاروائی ۔۔۔ یہ

ایسا دل دوز واقعہ تھا جس پر ہر آنکھ اشک بار تھی۔۔۔بزدل اور کائر دہشت گردوں نے نہتے اور معصوم نونہالوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بنایا۔۔ جسکی وجہ سے ملک میں اسکولوں کالجوں دیگر تعلیمی اداروں کے حفاظتی نظام کو موثر بنانے پر زور دیا جانے لگا۔۔ تقریباً پورے پاکستان کہ اسکولوں کی موسم سرما کی تعطیلات بڑھا دی گئیں۔۔۔جس کی وجہ اسکولوں میں حفاظتی نظام کو مستحکم بنانا ہے۔۔۔دہشت گردوں کا بنیادی مقصد ہمیں ڈرا دھمکا کہ گھروں میں قید کر دینا ہے۔۔۔ہم قید ہوئے جارہے ہیں۔۔۔

ہمیں ہمیشہ اس بات کا دکھ رہتا ہے کہ ہمارے حکمران حادثوں اور سانحوں کہ بعد کیوں جاگتے ہیں۔۔۔کیوں ہمیں ایک قوم بننے کیلئے زلزلے سیلاب درکار ہوتے ہیں۔۔۔آخر کب تک دشمن ہمبٹے ہوئے عوام کو، تقسیم شدہ لوگوں کو یوں اپنی درندگی اور عزائم کیلئے استعمال کرتا رہے گا۔۔۔آج بھی ہم انہی باتوں میں الجھے ہوئے ہیں کہ کس کہ ساتھ کیا کرنا ہے اور کس کہ ساتھ کیا کرنا ہے۔۔۔

صوبوں کو خودمختار کیا جائے۔۔۔بلدیاتی نظام جلد سے جلد عوامی خواہشوں کہ مطابق مرتب دیا جائے۔۔۔ضلعی انتظامیہ کو فعل بنایا جائے۔۔۔علاقائی اور محلوں کی سطح پر کمیٹیاں بنائی جائیں۔۔۔بزرگوں کو اہم ذمہ داریاں دی جائیں جو نوجوانوں کی بھرپور رہنمائی کر سکیں۔۔۔بھرپور اور فعل حفاظتی کمیٹیاں

بنائی جائیں جو پولیس اور انتظامیہ سے مل کر علاقے کی صورتحال پر کڑی نظر رکھیں۔۔۔مساجد اور دیگر مذہبی عبادتگاہوں میں کام کرنے والی کمیٹیوں کو فعل بنایا جائے۔۔۔علاقے کی اخلاقی نشونما میں عبادگاہوں پر مشتمل کمیٹیاں بنائی جائیں۔۔۔کھیلوں کے مقابلے ضلعی سطح پر منعقد کئے جائیں۔۔۔یونین کونسلز میں اولین ترجیح پر لائبریری بنائی جائے۔۔۔علمی و ادبی کمیٹیاں بنائی جائیں اور باقاعدہ پروگرام مرتب دئے جائیں۔۔۔اسکول پولیس اور میونسپل ادارے ضلعی انتظامیہ کہ ماتحت ہوں۔۔۔ہر سطح پر ضابطہ اخلاق واضح کیا جائے اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔۔۔ہر کمیٹی میں نمایاں کام سرانجام دینے والوں کی پذیرائی کی جائے جس کی بدولت دوسروں میں اور محنت، لگن اور خوش اسلوبی سے کام کرنے کا جذبہ بیدار ہو۔۔۔ان تمام سرگرمیوں کی بدولت لوگوں میں محبت وہم آہنگی بڑھے گی۔۔۔لوگ ایک دوسرے کہ قریب آئیں گے۔۔۔ان عوامل کی بدولت دہشت گردوں تو کیا چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی کہیں رہنے اور چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملے گی۔۔۔

ہماری حکومتوں نے کبھی بھی بنیادی کاموں پر توجہ نہیں دی۔۔۔ہمیشہ بڑی بڑی باتوں میں عوام کو الجھائے رکھا اور خود بھی الجھے رہے۔۔۔ابھی بھی وقت ہے عوامی مسائل حل کرنے پر پوری توانائی صرف کیجئے۔۔۔پھر آپ کو تبدیلی آتی نظر آجائے گی۔۔۔عوامی کو آپ سے کچھ نہیں چاہئے آپ صرف ان کے مسائل سننے کا وقت

نکالئے۔۔۔آپ عوام میں آجائیں یہ دہشت گرد خود ڈر کہ بھاگ جائینگے۔۔۔یہ دہشت گرد ڈرپوک لوگ ہیں۔۔۔آپ ہمت کیجئے اور بلنگ و بانگ دعوں کے بجائے عملی کام کروایئے۔۔۔

پھر عوام ان جیسے دہشت گردوں سے خود ہی نمٹ لیگی۔۔۔مگر آپ انہیں ڈھنگ سے جینے تو دیں۔۔۔لوگ نئے سال کی آمد پر نہیں پر ہر روز خوشیاں منائینگے۔۔۔

!اب پاکستان گونگا نہیں ہے۔۔۔ہماری ویب رائٹرز کلب

دنیا میں انگنت لوگ لکھنے کا شوق رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثریت اپنے شوق کو اپنی ڈائیری میں قید کرکے رکھتے ہیں۔۔۔کچھ علاقائی سطح تک پہنچ پاتے ہیں۔۔۔کچھ وقت کا ضیاع سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔ایک بہت ہی قلیل تعداد اپنے اس شوق کو ذریعہ معاش بنانے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔۔۔آج کے دور میں لکھنے لکھانے کو ایک پر خطر پیشہ قرار دیا جاچکا ہے۔۔۔اس کہ شواہد بھی دنیا کہ سامنے موجود ہیں۔۔۔
ہمارے ملک میں دیگر پیشوں کی طرح صحافت یا اس سے وابستہ شعبوں پر بھی کوئی خصوصی توجہ نہیں دی گئی۔۔۔یہ تو قدرت کی مہربانی جانئے کہ پاکستان میں موجود دیگر نعمتوں کیطرح صحافت بھی پھل پھول رہی ہے۔۔۔ ستمبر ۲۰۱۱ سے دنیا میں جو بھونچال آیا اس نے جہاں دہشت گردی جیسے ناسور کو جنم دیا۔۔۔وہیں اس سے نمٹنے کیلئے صحافت کہ شعبے کو بھی چار چاند لگادیئے۔۔۔پھر تو یہ سمجھئے کہ دنیا، صحافت کی نظر سے حالات و واقعات دیکھنے پر مجبور ہوگئی۔۔۔پاکستان میں ایک طوفان آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اخبارات ، رسائل اور سب سے بڑھ کر ٹیلی صحافت نے سرچڑھ کر بولنا شروع کردیا۔۔۔آج کم و بیش ہر گھر میں ٹیلیوژن چوبیس نہیں تو بارہ سے سولہ گھنٹے تو چلتا ہی ہوگا۔۔۔ بعض گھروں کی

صورتِ حال یہ بھی دکھائی دیتی ہے کہ گھر والے بجلی والوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ انکی بدولت گھر میں گونجنے والی خبروں کی ہولناک آوازیں بند ہوجاتی ہیں۔۔۔ صحافتی برادری کا کافی حد تک رجحان سیاسی اور مذہبی الجھنوں کو سمجھنے اور سمجھانے میں لگ گیا ۔۔۔ صحافت کا تخلیقی کردار کم کم نظر آتا ہے۔۔۔آج کچھ بھی چھپانا مشکل ہوگیا ہے۔۔۔ملکوں کی سالمیت کو خطرات لاحق ہوئے جارہے ہیں۔۔۔

صحافت میں پرنٹ میڈیا کی بانسبت لوگ آن لائن یا انٹرنیٹ کے ذریعے خبروں سے باخبر رہتے ہیں۔۔۔ اسمارٹ فونز نے رہی سہی مشکل بھی کسی حد تک آسان کردی۔۔۔ہمارے ملک پاکستان جس کی قومی زبان اردو ہے۔۔۔بہت کم کم نظر آتی ہے۔۔۔چاہے وہ عدالتی فیصلے ہوں یا نصابی اہم کتابیں۔۔۔شاذونادر ہی اپنی زبان میں دستیاب ہوتی ہیں۔۔۔ایسا قطعی نہیں ہے کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔۔۔مگر کوئی پشت پناہی نہیں ہے۔۔۔کوئی اس بات کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں۔۔۔دل دکھتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ اردو زبان کی کوئی قدر نہیں رہی۔۔۔ اردو زبان اپنے ہی دیس میں اجنبی سی لگتی ہے۔۔۔

ہماری ویب نے ایک انقلابی قدم اٹھاتے ہوئے رائٹرز کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔۔۔ہماری ویب رائٹرز کلب کا انعقاد گھٹن زدہ ماحول میں ایک خوشگوار ہوا

کے جھونکے کی مانند ہے۔۔۔اس کلب کا وجود یقینا ہماری ویب کہ منتظم جناب ابرار احمد صاحب کہ سر جاتا ہے۔۔۔ جن کی بدولت یہ کلب وجود میں آیا۔۔۔انکا یہ اقدام اردو سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔۔۔انٹرنیٹ پر لاتعداد کلب موجود ہیں مگر اردو رائٹرز کلب شائد کوئی میسر ہو۔۔۔ ہماری ویب کی انتظامیہ یقینا یہ چاہتی ہے کہ اردو کو فروغ دیا جائے۔۔۔ عوام کی بات عوام کی زبان میں عوام تک پہنچائی جائے۔۔۔اللہ کرے یہ قدم ملک کو ترقی پر گامزن کرنے میں کارفرما ہو۔۔۔ ہم جیسے لکھنے والے لوگوں کو ہماری ویب نے حقیقی معنوں میں پہچان دی ہے۔۔۔اب یہ ہم لکھاریوں پر منحصر ہے کہ ہم دنیا کو بتائیں کہ پاکستان گونگا نہیں ہے اسکے منہ میں زبان ہے جسے اردو زبان کہا جاتا ہے۔۔۔

میں تہہ دل سے ہماری ویب رائٹرز کلب کے ذمہ داران کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔۔۔ دعا ہے کہ ساتھ اللہ ہماری ویب اور اس سے وابسطہ افراد کو ترقی کی بلندیوں پر پہنچائے (آمین)۔۔۔

ہماری ویب رائٹرز کلب کی تفصیل کیلئے لنک پر کلک کریں

http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?id=56246

دیکھنا وہ دن پھر آئینگے!

ایک وقت تھا جب بچوں کیلئے گرمیوں کی دوپہر بہت بھرپور ہوتی تھیں۔۔۔ تھکے ماندے اسکول سے آتے ۔۔۔ کھا پی کے دوبارہ سے چاق و چوبند ہوجاتے تھے۔۔۔ شدید گرمی دھوپ کی تمازت یا لو کہ تھپیڑے ۔۔۔ ہر تکلیف سے آزاد بس کھیل کی لگن ہوتی تھی۔۔۔ کھیلوں کی کئی قسمیں تھیں۔۔۔ کہیں کرکٹ، ہاکی اور فٹبال نظر آتا۔۔۔ کہیں گولیاں گلی ڈنڈا۔۔۔ تو کہیں بھمریاں پکڑنے پر زور ہوتا تھا۔۔۔ گھروں میں بچیاں گڑیا گڈے اور آپا بوا نامی کھیلوں میں مگن ہوتی تھیں۔۔۔ پھر قرآن پڑھنے مسجد جاتے تھے۔۔۔ شام میں ٹیوشن ۔۔۔ تھوڑا وقت ٹیلیوژن کو بھی دیتے تھے۔۔۔ زندگی بھرپور انداز سے گزرتی تھی۔۔۔ بلا خوف و خطر گھومتے تھے۔۔۔ محلے میں رہنے والے بزرگ بچوں کی گاہے بگاہے رہنمائی کرتے اور حسبِ ضرورت کان بھی کھینچا کرتے تھے۔۔۔ اس وقت بچے بڑوں کی آنکھ کا اشارہ بھی سمجھتے تھے۔۔۔ نہ کوئی انٹرنیٹ نہ ہی موبائل جیسی کوئی بلا تھی اور سب سے بڑھ کر خوف وہشت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔۔۔ تحفظ کو دائی سمجھتے تھے۔۔۔ اس لفظ سے کوئی خاص شناسائی نہیں تھی۔۔۔ رات کو لمبی تان کہ سوتے تھے۔۔۔ جب بزرگوں کا ادب لحاظ اور خوف بھی تھا۔۔۔ نوک جھوک اور محبتیں بھی تھیں۔۔۔ جب لوگ زبانوں کی تفریق سے بھی واقف نہیں تھے۔۔۔ نہ ہی فرقہ واریت سے کچھ لینا دینا تھا۔۔۔ دیگر مذاہب کہ لوگ ایک

ساتھ رہتے تھے۔۔۔نہ ہی معیشت کی دوڑ تھی اور نہ روپے پیسے کی ہوس۔۔۔
آج تو شائد کوئی صبح دوپہر یا شام اچھی نہیں ہوتی۔۔۔آج قدم قدم پر احتیاطوں کی قدغن لگے ہیں۔۔۔جیسے گلی گلی بیریر لگے ہیں۔۔۔ہر انسان کی اولین ترجیح اور خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ جہاں رہتا ہے وہ جگہ پر سکون ہو، محفوظ ہو۔۔۔بچوں کو اسکول بھیجنے میں کوئی خطرہ نہ ہو۔۔۔کہیں اغوا ہونے کا ڈر نہ ہو۔۔۔دفتر جانے آنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔۔۔پانی، گیس اور بجلی کی فراہمی میں کوئی تعطل نہ ہو۔۔۔موبائل، گاڑی چھننے کا خوف نہ ہو۔۔۔یوں لگتا ہے ہم اپنے ہی دیس میں اپنے شہروں میں اپنے علاقوں میں اجنبی ہو کہ رہ گئے ہیں۔۔۔ہم آپس میں ایک دوسرے سے خوفزدہ رہتے ہیں۔۔۔ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں خوف آتا ہے۔۔۔ہمیں اپنے بچوں کو اسکول بھیجتے خوف آتا ہے۔۔۔بچوں کو کہیں بھیج نہیں سکتے۔۔۔سارا دن انہیں الجھنوں میں گزر جاتا ہے۔۔۔رات بستر پر کروٹیں بدلتے گزر جاتی ہے۔۔۔بس خوف و دہشت کا راج رہتا ہے۔۔۔الام و مصائب میں مبتلا ہیں۔۔۔ہمارے ذہن کسی جنگ کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔۔۔کیا پاکستان اور پاکستانیوں کہ مقدر میں یہ سب کچھ لکھ دیا گیا ہے۔۔۔
نہ جانے کب۔۔۔اور کون پاک سرزمین میں یہ خوف و دہشت و بربریت و نفرت کا بیج بو گیا ہے۔۔۔کون ہمارے بچوں سے ان کا بچپن چرا لے گیا۔۔۔ان کی

مسکراہٹیں ۔۔۔ان کے سب کھیل چھین لے گیا۔۔آج کا بچپن ضدی اور خود سر ہوا جا رہا ہے۔۔۔اپنے بزرگوں سے بڑھوں سے نالاں ہوا جا رہا ہے۔۔۔استادوں کے احترام سے منحرف نظر آتا ہے۔۔۔اپنی مستی میں مست رہنے کا عادی ہوا جا رہا
ہے۔۔۔ڈراؤنا ہوا جا رہا ہے۔۔۔وہ تو یہ بھی نہیں جانتا وہ ایسا کیوں ہے۔۔۔ان کہ پاس ہزاروں ایسے سوال ہیں جن کہ جواب ہمارے پاس نہیں ہیں۔۔۔کیا ہمارے بچے اب ساری دوپہریں اسی طرح خوف زدہ گزارینگے ۔۔۔کیا ہم اب جیتے جی پاکستان کو اس دہشت سے آزاد نہیں دیکھ سکیں گے۔۔۔

دراصل یہ بچے نہیں ہیں یہ ہمارا کل ہیں ۔۔۔یہ پاکستان کا مستقبل ہیں۔۔۔پاکستان کہ معمار ہیں۔۔۔آنے والے کل میں پوشیدہ خوشگوار پاکستان کی علامت ہیں۔۔۔یہ روشنی کہ چراغ ہیں۔۔۔ہمارا دشمن ہمارے بچوں کو ڈرا کر انہیں گھر میں بٹھانا چاہتا
ہے۔۔۔اسکول سے، تعلیم سے دور رکھنا چاہتا ہے۔۔۔یہ ڈرپوک لوگ جو بچوں اور عورتوں کو خوف زدہ کرکے پاکستان پر مسلط ہونا چاہتے ہیں۔۔۔ہمارے بچوں نے اسکول جانے پر کسی خوف کر تذکرہ نہیں کیا۔۔۔ کسی خوف کا کوئی اظہار نہیں کیا۔۔۔انہوں نے تہیہ کیا کہ وہ دشمن کا جواب اپنی تعلیم جاری و ساری رکھ کر ہی دینگے۔۔۔یہ ننھے سپاہی اپنے محاظ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔۔۔اب ان کے حوصلے آہنی ہو چکے ہیں۔۔۔ایک بند بعنوان ننھے سپاہی ان مستقبل کہ معماروں کہ نام کرتا ہوں (جو بے ساختہ میرے دل سے نکلے)۔۔۔اور اللہ

سے انتہائی عجز و انکساری سے دعا کرتا ہوں ۔۔۔ کہ وہ دن پھر آئیں جب گرمیوں کی دوپہر ۔۔۔ محلے اور علاقوں میں ویسی ہی رونق ہو ۔۔۔ آمین ۔۔۔

وقت سے اب وہ بالاتر ہو گیا ہے
خوف و خطر سے آزاد نڈر ہو گیا ہے
شرمائے گا دشمن اب اپنی چالوں سے
میرے دیس کہ بچوں کا آہنی جگر ہو گیا ہے

! پاکستان کرکٹ ٹیم اور عالمی کپ

دنیائے کرکٹ کا سب سے بڑا مقابلہ جو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی سرزمینوں پر مشترکہ طور پر منعقد ہو رہا ہے بس کچھ ہی دنوں کی دوری پر ہے۔۔۔انڈیا، انگلینڈ اور میزبان آسٹریلیا جنہیں بین الاقوامی کرکٹ میں بگ تھری کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں تین ملکی سیریز سے بھرپور تیاری میں مصروف ہیں۔۔۔دوسری طرف نیوزی لینڈ میں سری لنکا نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں اور ایک لمبی سیریز سے تیاری کا صحیح حق ادا کر رہے ہیں۔۔۔ایک طرف جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز کہ ساتھ طبع آزمائی میں مصروف ہے۔۔۔ یہ وہ بڑی ٹیمیں ہیں جو ورلڈ کپ کی تیاری میں بھرپور طریقے سے مصروف ہیں۔۔۔ یہ ساتوں ٹیمیں دنیائے کرکٹ میں بہت اہم ہیں۔۔۔آٹھویں ٹیم شاہینوں کا ٹولا پاکستان کی ہے جو کھیل کہ معاملے میں کسی سے کم نہیں ہے۔۔۔ مگر کاغذ پر نام لکھے جائیں تو پاکستانی ٹیم کہ پاس سوائے چند ایک کہ کوئی خاص نام نہیں۔۔۔بدقسمتی سے پاکستان میں بین الاقوامی کرکٹ پر گزشتہ چھ سالوں سے پابندی لگی ہوئی ہے یا کوئی بھی ٹیم پاکستان میں کھیلنے کو تیار نہیں ہے۔۔۔ پاکستان اپنی ہوم سیریز متحدہ عرب امارات میں کھیل رہا ہے۔۔۔پاکستان کرکٹ اور بورڈ کو اس بے تحاشہ نقصان پہنچ رہا ہے وہی پاکستانی قوم بھی بین الاقوامی مقابلے دیکھنے سے محروم ہے۔۔۔

کرکٹ کی دنیا میں جنوبی ایشاء کہ لوگ بہت زیادہ جذباتی ہیں۔۔۔اس خطے میں پاکستان انڈیا، سری لنکا بشمول بنگلادیش تمام ممالک کہ لوگ کرکٹ کو جنون کی حد تک پسند کرتے ہیں۔۔۔پاکستان نے عمران خان کی قیادت میں 1992 ء کا عالمی کپ اپنے نام کیا اور دنیائے کرکٹ میں اپنی دھاک بٹھائی۔۔۔92 ء کا عالمی کپ بھی آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی سرزمینوں پر منعقد ہوا تھا۔۔۔یہ پہلا موقع تھا جب پورا ٹورنامنٹ لیگ کی بنیاد پر کھیلا گیا یعنی ہر ٹیم ایک دوسرے سے کے مدِ مقابل آئی۔۔۔پاکستان کہ میچوں کی صورتحال کچھ اس طرح سے رہی۔۔۔

میچ نمبر ا: 23 فروری کو پاکستان کا پہلا مقابلہ ویسٹ انڈیز سے ہوا۔۔۔پاکستان نے پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے مقررہ 50 اوورز میں 221 رنز کا بنائے جس میں رمیز راجہ کی سینچری بھی شامل تھی انہوں نے 158 گیندوں پر 102 رنز کی ناٹ آؤٹ باری کھیلی۔۔۔جاوید میانداد نے 57رنز کی باری کھیلی۔۔۔ویسٹ انڈیز نے مقررہ حدف بغیر کسی نقصان کہ 47 اوورز میں حاصل کرلیا۔۔۔اس طرح پاکستان کا آغاز اچھا نہ ہوا۔۔۔

میچ نمبر ۲: 27 فروری کو پاکستان کا مقابلہ زمبابوے سے ہوا۔۔۔پاکستان نے

رنز مقررہ 50 اوورز میں بنائے۔۔۔پاکستانی اوپنر عامر سہیل نے 136 254 گیندوں کا سامنا کیا اور 114 رنز کی باری کھیلی۔۔۔جاوید میانداد نے 89 رنز بنا کر نمایاں کردار ادا کیا۔۔۔پاکستان یہ میچ 53 رنز سے جیتا اور عالمی کپ کی جانب پیش قدمی شروع کی۔۔۔

میچ نمبر ۳: یکم مارچ کو پاکستان کا سامنا انگلینڈ کی ٹیم سے ہوا۔۔۔پاکستان نے تاریخی کارنامہ انجام دیتے ہوئے 74 رنز کا قلیل ہدف اپنے حریف کیلئے متعین کیا۔۔۔مگر قدرت کی مہربانی، بارش نے میچ مکمل نہ ہونے دیا۔۔۔جسکی وجہ سے دونوں ٹیموں کو ایک، ایک پوائنٹس سے نوازا گیا۔۔۔اس میچ میں عمران خان ان فٹ ہونے کہ باعث شرکت نہیں کرسکے تھے۔۔۔اسی میچ کی بدولت پاکستان نے سیمی فائنل کے لئے کولیفائی کیا۔۔۔

میچ نمبر ۴: 4 مارچ کو پاکستان کا مقابلہ راویتی حریف بھارت سے ہوا۔۔۔پاکستان گزشتہ چار عالمی کپ کے مقابلوں میں کبھی بھی انڈیا کو شکست نہیں دے سکا تھا۔۔۔اب کی بار پاکستان کو جیتنے کیلئے 217 رنز کا ہدف ملا۔۔۔پاکستانی بلے باز سوائے عامر سہیل اور جاوید میانداد کہ جنہوں نے بلترتیب 62 اور 40 رنز اسکور کئے، جم کر بھارتی بولروں کا مقابلہ نہ کرسکے اور 173 رنز کہ مجموعے پر ڈھیر ہوگئے۔۔۔

میچ نمبر ۵: 8 مارچ کو پاکستان کا سامنا عالمی کرکٹ میں عرصہ دراز سے دور رہنے والی جنوبی افریقہ کی ٹیم سے ہوا۔۔۔جنوبی افریقہ نے 211 رنز کا حدف طے کیا۔۔۔جو بظاہر کوئی خاص نہیں دکھائی دیتا تھا۔۔۔مگر اس بار قدرت جنوبی افریقہ پر مہربان ہوئی اور مطلوبہ حدف دوبارہ طے کیا گیا۔۔۔جو پاکستانی بلے بازوں سے عبور نہ ہوسکا اور انہیں شکست کا سامنا دیکھنا پڑا۔۔۔اس میچ میں جاوید میانداد نہیں کھیل سکے تھے۔۔۔

میچ نمبر ۶: 11 مارچ پاکستان کا سامنا آسٹریلیا سے ہوا۔۔۔جو میزبان ہونے کہ ساتھ ساتھ ایک مضبوط ٹیم تھی۔۔۔پاکستان کی طرف سے ایک بار پھر عامر سہیل نے 76 اور جاوید میانداد نے 46 رنز کی باری کھیلی۔۔۔پاکستان نے آسٹریلیا جیسی ٹیم کیلیے 221 رنز کا حدف سیٹ کیا۔۔۔بظاہر مختصر نظر آنے والے ٹارگٹ کو پاکستانی بولرز نے جن میں عمران خان، وسیم اکرام، عاقب جاوید اور مشتاق احمد شامل تھے، کوہ ہمالیہ بنا دیا۔۔۔آسٹریلیا کی ٹیم 172 پر ڈھیر ہو گئی۔۔۔یہ پاکستان کی بڑی فتح تھی۔۔۔

میچ نمبر ۷: 15 مارچ اب ٹکراؤ تھا سری لنکا کی ٹیم سے۔۔۔سری لنکا نے 212 رنز کا حدف دیا۔۔۔جو پاکستان نے جاوید میانداد کے 57 اور سلیم ملک کے 51 رنز کی بدولت باآسانی عبور کر لیا۔۔۔

میچ نمبر ۸: 18 مارچ پاکستان کو سامنا تھا اس ٹیم کا جو ابھی تک اپنے راستے کی ہر دیوار گراتی جارہی تھی اور عالمی کپ کی جانب تیز اور یقینی پیش قدمی کر رہی تھی۔۔۔ پاکستانی شاہینوں نے کیویز (نیوزی لینڈ) کو دبوچ لیا۔۔۔ وسیم اکرم کی جادوگری سر چڑھ کر بولی انہوں نے دوسرے بولروں کے ساتھ مل کر صرف 166 پر نیوزی لینڈ کی پوری ٹیم کو ڈریسنگ روم کی راہ دیکھائی۔۔۔ رمیز راجہ ایک بار پھر 119 رنز کی باری کھیلی ان کے ساتھ جاوید میانداد 30 رنز کے ساتھ نمایاں رہے۔۔۔

تمام ٹیموں کے آپس مقابلے مکمل ہوئے۔۔۔ اس کے ساتھ ہی 1992 ء کہ عالمی کپ کی جانب پیشقدمی کرنے والی 9 ٹیموں میں سے 5 کو اپنے گھر جانے کی اجازت مل گئی جن میں بھارت، زمبابوے، سری لنکا، ویسٹ انڈیز اور میزبان آسٹریلیا۔۔۔ نیوزی لینڈ، انگلینڈ، جنوبی افریقہ اور پاکستان پوائنٹس ٹیبل کی بنیاد پر سیمی فائنل کیلیئے اہل قرار پائیں۔۔۔

مندرجہ بالا ٹیبل پورے عالمی کپ کے لیگ مقابلوں کا احوال پیش کر رہا ہے۔۔۔

RR	RD	T	NR	L	W	Pld	Pts	Team
4.76	0.59	0	0	1	7	8	14	New Zealand
4.36	0.47	0	1	2	5	8	11	England
4.36	0.14	0	0	3	5	8	10	South Africa
4.33	0.17	0	1	3	4	8	9	Pakistan
4.22	0.2	0	0	4	4	8	8	Australia
4.14	0.07	0	0	4	4	8	8	West Indies
4.95	0.14	0	1	5	2	8	5	India
4.21	?0.68	0	1	5	2	8	5	Sri Lanka
4.03	?1.14	0	0	7	1	8	2	Zimbabwe

مارچ عالمی کپ کا پہلا سیمی فائنل پاکستان کا مقابلہ زخم خوردہ کیویز ہونے جارہا تھا۔۔پاکستان لیگ میچ میں ہرانے 21 کہ بعد کافی پر اعتماد لگ رہا تھا۔۔نیوزی لینڈ نے پہلے بلے بازی کرتے ہوئے 262 رنز کا بھاری بھرکم بوجھ پاکستانی بلے بازوں کی آزمائش کے لئے دیا۔۔مارٹن کرو 91 اورر ادرفورڈ 50 رنز کے ساتھ نمایاں رہے۔۔پاکستان کی جانب سے پورے ٹورنامنٹ میں پہلی بارٹیم ورک نظر آیا۔۔رمیز راجہ اور کپتان عمران خان نے 44کا ہندسا اپنے نام کے ساتھ جوڑا۔۔جاوید میانداد 57 اور میچ وننگ باری کھیلنے والے انضمام الحق نے 60 رنز جوڑے۔۔معین خان کا آخری چھکا جو انہوں نے ہیرس کو جڑا۔۔پاکستان نے یہ مشکل نظر آنے والا حدف ایک بہترین ٹیم ورک کی بدولت باآسانی عبور کرلیااور میچ ایک اوور پہلے ہی ختم کردیا۔۔پاکستان نے عالمی کپ مقابلوں میں پہلی بار فائنل تک رسائی حاصل کی۔۔دوسرے سیمی فائنل میں

جنوبی افریقہ کو عجیب و غریب طریقے سے انگلینڈ کے کم دراصل موسم کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔

عالمی کپ 1992 کا فائنل 25 مارچ کو آسٹریلیا کہ شہر میلبورن میں کھیلا گیا۔۔۔ کرکٹ کہ میدانوں میں میلبورن کرکٹ اسٹیڈیم کا شمار اول درجے کہ میدانوں میں ہوتا ہے۔۔۔ پاکستان نے پہلے بلے بازی شروع کی۔۔۔ رمیز راجہ اور عامر سہیل نے جلد ہی ڈریسنگ روم کی راہ لی۔۔۔ عمران خان نے بھاری ذمہ داری اپنے کاندھوں پر سنبھالی اور انکا بھرپور ساتھ جاوید میانداد نے دیا۔۔۔ دونوں نے بلترتیب 72 اور 58 رنز کی باری کھیلی۔۔۔ انضمام جو سیمی فائنل کہ ہیرو بھی تھے وسیم اکرم کہ ساتھ مل کر برق رفتاری سے اسکور بڑھایا۔۔۔ دونوں بلترتیب 42 اور 33 رنز بنائے اور پاکستان کے حدف کو 249 تک پہنچایا۔۔۔ انگلینڈ کے باؤلروں نے پاکستانی بلے بازوں کا جو حشر لیگ میچ میں کیا تھا دوہرا نہ سکے۔۔۔ انگلینڈ نے بلے بازی شروع کی۔۔۔ پاکستانی باولر اپنی بھرپور فارم میں آچکے تھے۔۔۔ گاہے بگاہے انگلینڈ کی وکٹیں گرتی رہیں۔۔۔ مگر نیل فیبے ر برادر اور لیمب کی شراکت نے مزاحمت شروع کی۔۔۔ مگر وسیم اکرم کی دو معجزاتی گیندوں نے کھیل کا پانسہ پلٹ دیا۔۔۔ انگلینڈ کی گرتی ہی دیوار کو گرا دیا۔۔۔ آخری وکٹ: کپتان عمران خان نے گیند کرائی النگورتھ نے مڈ آف پر اونچا کھیلا رمیز راجہ نے اس گیند کو زمین پر نہیں گرنے دیا اور اپنے ہاتھوں میں

دبوچتے ہی سجدہ شکر ادا کیا۔۔۔پاکستان نے دنیائے کرکٹ کا سب سے بڑا ٹورنامنٹ جیت لیا۔۔۔پاکستان ورلڈ چیمپین بن گیا۔۔۔رنگین برنگے لباس، سفید گیند اور برقی قمقموں میں کھیلا جانے والا یہ پہلا عالمی کپ تھا۔۔۔ہرے کپڑوں میں ملبوس پاکستانی کھلاڑی ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔۔۔دنیا جہان میں بسنے والے پاکستانی، اس جشن میں انکے ساتھ تھے۔۔۔عمران خان کا خواب سچ ہوا۔۔۔

آج پھر پاکستان کم و بیش اسی طرح کی ٹیم ہے۔۔۔مشترک بھی کچھ کچھ جیسے۔۔۔عمران خان کی جگہ مصباح الحق ہے دونوں میانوالی سے تعلق رکھتے ہیں۔۔۔جاوید میانداد کی جگہ یونس خان ہے دونوں کو عالمی کپ کی ٹیم میں آخیر میں شامل کیا گیا۔۔۔وسیم اکرم کی جگہ عرفان ہے دونوں الٹے ہاتھ سے گیند کراتے ہیں اور دونوں خطرناک گیند باز ہیں۔۔۔مشتاق احمد اور اقبال سکندر کی جگہ شاہد آفریدی اور یاسر شاہ ہیں دو لیگ اسپنرز مشتاق احمد بطور کوچ ابھی بھی ٹیم کہ ساتھ ہیں جسکی بدولت یقینا پاکستانی کھلاڑیوں) کو کافی فائدہ پہنچے گا)۔۔۔انضمام الحق کی جگہ صہیب مقصود ہے دونوں کا تعلق ملتان سے ہے۔۔۔معین خان کی جگہ سرفراز ہے دونوں میں کراچی مشترک ہے دوسرے یہ کہ دونوں کا سوئپ شاٹ بہت مشہور ہے۔۔۔اب یہ اتفاق ہے یا جو کچھ بھی ہے ہم امید کرتے ہیں اور اپنے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہینگے کہ ایسے حالات میں جب پاکستان عموی

صورتحال ابتری کی جانب جا رہی ہے۔۔۔پاکستان ایک بار پھر عالمی کپ اپنے نام کر کہ تاریخ رقم کرے گا اور دنیا کو بتائے ہم کھیلوں اور امن سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔۔۔

پاکستان عالمی کپ جیتے (انشاءاللہ) اور بین الاقوامی کرکٹ کونسل سے یہ بھی منوائے کہ اب پاکستان میں بین الاقوامی مقابلے بحال کئے جائیں۔۔۔ تمام ٹیموں کو دعوت دے کہ آئیں اور دیکھیں پاکستان ویسا نہیں ہے۔۔۔ جیسا انہیں خبروں کہ ذریعے دکھایا جاتا ہے۔۔۔

خصوصی نوٹ: معلومات کا ذریعہ۔ وکی پیڈیا اور کرک انفو

تخلیقی صحافت کا فقدان

تاریخ کے اوراق پلٹنے پر واضح طور سے پتہ چلتا ہے کہ قلم نے قوموں کی قسمت بدلنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔۔۔اگر تلوار تخت یا تختے کیلئے برسرپیکار رہی ۔۔۔تو قلم سے بھی تخت اور تختے کی حفاظت کا کام لیا گیا۔۔۔ قلم کی مرہونِ منت دنیا میں کئی انقلاب برپا ہوئے۔۔۔ قلم سے بھی جنگیں لڑیں گئیں اور جیتی بھی گئیں۔۔۔ قلم نے جہاں معاشرے کو نکھارنے کا کام کیا وہیں بگاڑنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔۔۔آخر اس قلم کہ پیچھے کن لوگوں کا ہاتھ تھا۔۔۔جو گا بگا ہے اس کہ استعمال سے دنیا کو منور و تاریک کرتے رہے۔۔۔وہ عظیم لوگ تھے جنہوں نے قلم سے اپنی قوموں کی ذہنی نشونما کی۔۔۔وہ عظمتوں کہ مینار تھے جن کہ قلم سے متحرک الفاظ جنم لیتے تھے اوران کہ قلم سے روشنی پھوٹتی اور رہگزاروں کو راستہ دیکھاتی تھیں اورآسان کرتھیں۔۔۔ آج بھی دنیا میں قلمقاروں کی کثیر تعداد موجود ہے۔۔۔جو ادب کی دیگر اصناف میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔۔۔آج قلمقاروں کی ایک بڑی تعداد صحافت سے منسوب ہے۔۔۔ بہت معذرت کہ ساتھ صحافیوں کی توبھرمار ہے۔۔۔پاکستان میں میڈیا کی آزادی کہ طوفیل صحافت کہ شعبے میں انقلاب برپا ہوا۔۔۔آج صحافت ایک صنعت کی

سی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔۔۔ دنیا جہان کہ تعلیمی ادارے صحافت کی پیشہ ورانہ ڈگری پروگرام کروا رہے ہیں۔۔۔ صحافی فنی اور تکنیکی صلاحیتوں سے لیس ہو رہے ہیں ۔۔۔دنیا کہ دوسرے ممالک کی طرح پاکستان بھی اس دوڑ میں شامل ہے۔۔۔انگنت نیوز چینلز اخبارات اور رسائل اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔۔۔اب صحافت ایک پیشہ بن چکا ہے۔۔۔ کسی حد تک صحافت شعبہ جاتی ہو چکی ہے۔۔۔ جیسے کاروباری صحافت، شوبزنس کی صحافت، کھیلوں پر صحافت، ادبی صحافت وغیرہ وغیرہ۔۔۔

آج صحافت سے وابستہ لوگ اپنی زندگیاں داؤ پر لگا کر خبریں نکال رہے ہیں اور سچ اور جھوٹ میں فرق واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔کتنے ہی صحافی اپنی انمول زندگیاں ایک سچی خبر کہ حصول اور خبر دینے کہ پاداش میں گنوا چکے ہیں۔۔۔ لیکن ایک جنگی سپاہی کی طرح برسرپیکار ہیں۔۔۔ سچ کا علم بلند کئے ہوئے اپنے اپنے محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں جو ملک کہ داخلی محاظوں پر ملک و قوم کی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔۔۔ قلم کو اپنا اسلحہ بنائے ہوئے دشمن کہ سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے ڈٹے ہوئے ہیں۔۔۔

آج دنیا لکھنے والوں کو بڑے بڑے ایوارڈز سے نواز رہی ہے۔۔۔ لیکن کیا واقعی یہ لکھاری ان ایوارڈز کہ مستحق ہیں۔۔۔کیا ان کی وجہ سے دو ملکوں یا دو صوبوں یا دو شہروں یا دو گرہوں یا دو پڑوسیوں کہ درمیان صلح ہو سکی ۔۔۔کیا معاشرے

میں ادب وادبی محبت اپنی جگہ بنا سکی۔۔۔ایسا بہت کم کم نظر آتا ہے۔۔۔شائد تخلیقی صحافت یا ادب کا فقدان پیدا ہوا جا رہا ہے۔۔۔ کہیں صحافت تجارت تو نہیں بنتی جا رہی۔۔۔کہیں صحافت مافیا کی جگہ تو نہیں لے رہی۔۔۔آج ساری دنیا کہ پاس صرف ایک ہی موضوع ہے۔۔۔وہ ہے دہشت گردی۔۔۔ساری صحافت ساری دنیا انہیں افراد اور اسی موضوع پر طبع آزمائی کرتی نظر آتی ہے۔۔۔دنیا جہاں کی افواج دنیا میں امن کہ لئے سرگرداں ہیں۔۔۔مگر جب افواج بندوق اور گولہ بارود سے امن لانے نکلتی ہیں تو خون بہایا جاتا ہے۔۔۔لاشیں گرائی جاتی ہیں۔۔۔معذور افراد کی تعداد بڑھتی ہے۔۔۔امن تو ہو جاتا ہے۔۔۔مگر بہت بھیانک اور خوف ناک نا جانے آنے والی کتنی نسلیں اس خوف سے چھٹکارا حاصل نہیں پاتیں۔۔۔ناگاساکی و ہیروشیما ہمارے سامنے عملی مثال ہے۔۔۔

بندوق و بارود کہ برعکس یہی کام اگر قلم سے کیا جائے تو نہ ہی خون بہایا جاتا ہے۔۔۔نہ ہی لاشیں گرتی ہیں۔۔۔بلکہ امن و سلامتی محبت کہ ساتھ پھیلتی ہے۔۔۔حکومت وقت کو چاہئے کہ معاشرے میں موجود جہاں دیدہ لوگوں کو آگے لائیں۔۔۔ان کو یہ کام سونپے کہ ملک میں خوشحالی اور ترقی کیسے لائی جائے۔۔۔یہ باتیں قدرت سے محبت کرنے والے۔۔۔قدرت کی تخلیقات پر نظر رکھنے والے لوگ ہی بتا سکتے ہیں۔۔۔کسی بھی موضوع پر راگ الاپنا کوئی تخلیق نہیں۔۔۔معاشرے کو قلبی اطمینان و سکون چاہئے۔۔۔حکومت اگر مخلص ہو جائے تو

کوئی کام مشکل نہیں ۔۔۔ مشکل سے مشکل صورتحال سے آسانی سے نمٹا جا سکتا ہے
۔۔۔ معاشرے میں تبدیلی لانے کیلیئے قلمقاروں کو اپنا کردار بہت احسن اور فعل طریقے سے نبھانا ہوگا۔۔۔ معاشرے میں تبدیلی تب ہی آئے گی۔۔۔

زنجیر جو پہناؤ گے جھنکار تو ہو گی!

کراچی کا موسم عمومی طور پر معتدل رہتا ہے۔۔۔ گرمیاں ہوں یا سردیاں یہاں شامیں بہت دل فریب ہوتی ہیں۔۔۔ ہلکی ہلکی سی خنک ہوا بہت محسور کن تاثر دیتی ہے۔۔۔ کراچی کا رہائشی جب کہیں باہر جاتا ہے۔۔۔ تو یقیناً اسے کراچی کی شامیں ضرور ستاتی ہونگی۔۔۔ یا شائد اب زندگی اتنی بے ہنگم ہوچکی ہے کہ ان باتوں کا خیال ہی نہیں آتا ہوگا۔۔۔ ہم معمول کی باتوں کو کم ہی خاطر میں لاتے ہیں۔۔۔ اگر کوئی بات خاص ہو اور وہ بھی بہت زیادہ خاص تب کہیں جاکے توجہ حاصل کر پاتی ہے۔۔۔ پاکستان کی کل آبادی ۱۸ کروڑ سے بھی تجاوز کرتی نظر آرہی ہے۔۔۔ جس میں سے تقریباً دو یا پونے دو کروڑ کراچی کی آبادی ہے۔۔۔ کراچی پاکستان کا اہم ترین شہر ہے۔۔۔ بندرگاہ کراچی کو دوسرے شہروں سے منفرد کرتی ہے۔۔۔ کراچی کو غریب پرور شہر کہ نام سے بھی جانا جاتا ہے۔۔۔ جہاں رہنے کیلئے کھانے پینے کیلئے اوڑھنے پہننے کیلئے زیادہ تگ و دو نہیں کرنے پڑھتی۔۔۔

پاکستان لسانیت جیسے موذی مرض میں عرصہ دراز سے مبتلا ہے۔۔۔ اس کی وجہ سمجھنا یا سمجھانا ذرا مشکل سا کام لگتا ہے۔۔۔ الجھاؤ ہے اور تناؤ کی کیفیت

ہو جاتی ہے۔۔۔ مگر یہ ایسی کڑوی حقیقت ہے جسے نا چھپایا جاسکتا ہے اور نا کھلے لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔۔۔ یہ مرض اس قدر خطرناک نوعیت اختیار کر چکا ہے کہ دینی جماعتوں میں بھی اس کا تاثر ملنے لگا ہے۔۔۔ جو اقتدار میں ہوں یا جن کہ پاس
اختیارات ہوں یقینا وہی اکثریت میں بھی ہونگے۔۔۔ انہیں اس بات پر دھیان دینے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔۔۔ اب اگر آپ کو آپ کے گھر میں ہی محدود کر دیا جائے یا حدود کی بیڑیاں ڈال دی جائیں۔۔۔ نیوٹن کہ قانون کہ مطابق ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے۔۔۔ اسی طرح زنجیر جو پہناؤگے جھنکار تو ہوگی۔۔۔ سیاسیات کو ذاتیات سے دور رکھنا چاہئے۔۔۔ آپ کی ذمہ داری ملکی سطح کی ہے۔۔۔ تنقید برائے اصلاح کی
جائے۔۔۔ تخریبی سیاست سے اجتناب کیا جائے۔۔۔ ایسے عوامل سے سختی سے نمٹا جائے جو سیاسی جماعتوں کہ نام پر لوگوں کو دھمکاتے پھرتے ہیں۔۔۔
ہم آج تک کالا باغ ڈیم بنانے کیلئے ایک نہیں ہوسکے۔۔۔ جسکی وجہ سے ہر سال پانی کی کثیر تعداد ضائع ہو جاتی ہے۔۔۔ دوسری طرف جانی و مالی نقصان الگ ہوتا ہے۔۔۔ مگر کالا باغ ڈیم نہیں بننے دیا گیا یا جائے گا۔۔۔ یہ لسانیت نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔ ایک کو فائدہ ہوگا ایک کو نقصان۔۔۔ کوئی پاکستان اور پاکستانی عوام کا نہیں سوچتا۔۔۔ پاکستان میں اگر واقعی جمہوریت کو فروغ دینا ہے تو آنے والی نسلوں کے ذہن سے لسانیت جسے ناسور کو نکالنا ہوگا۔۔۔ جس کیلئے

آبادی کہ لحاظ سے خود مختار صوبے بنائیں جائیں۔۔۔ صدارتی نظام قائم کیا جائے۔۔۔بلدیاتی نظام بھرپور طریقے سے بحال کیا جائے۔۔۔سیاسی تنظیموں کا ایک باقاعدہ ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے۔۔۔جس پر سیاسی جماعتوں کا بھرپور اتفاق ہو۔۔۔جذباتیت سے گریز کیا جائے۔۔۔حقائق پر مبنی پالیسیاں مرتب کی جائیں۔۔۔ قانون اور عدالتوں کو خود مختار کیا جائے۔۔۔عام شہری کی عزت نفس کا احترام لازم و ملزوم قرار دیا جائے۔۔۔

سب سے پہلے ہمارے محترم سیاست دانوں کو اپنی اپنی انا کا بت توڑنا ہوگا۔۔۔ایک دوسرے کی اہمیت کو تسلیم کرنا ہوگا۔۔۔ملک کی مفاد پر ذاتی (زبانی اور علاقائی) رنجشیں ختم کرنی پڑینگی۔۔۔دشمن روز ہماری سرحدوں پر اپنے عزائم کا برملا اظہار کر رہا ہے۔۔۔مگر ہم لوگ اپنی ذاتی انا اور رنجشوں میں الجھے ہوئے ہیں۔۔۔وقت آچکا ہے کہ سیاست کو ملک کی ترقی اور خوشحالی کیلیئے کیا جائے۔۔۔اور ملک کی فلاح و بقاء کو سب سے مقدم رکھا جائے۔۔۔تاکہ ہمارے دشمن کی جرات نہ ہو کہ وہ ہمارے پاک وطن پر اپنی میلی نگاہ ڈال سکے۔۔۔اسے باور کرائیں کہ ہم ایک ہیں۔۔۔ دشمن کو اپنے عمل سے بتائیں کہ ہماری سیاست پاکستان کی بقا اور سالمیت کیلیئے ہے۔۔۔پاکستان سے بڑھ کر ہمارے نذدیک کچھ بھی اہم نہیں۔۔۔

ہمیں استحکام کی جانب گامزن ہونا پڑے گا۔۔۔ایک دوسرے کی رہنمائی کرنی پڑے گی۔۔۔ تنقید کو اصلاح کہ طور پر کیا جائے تو نتائج بہتر ہو سکتے ہیں۔۔۔ایک غزل کہ بول ہیں ۔۔۔ زنجیر جو پہناؤ گے جھنکار تو ہو گی۔۔۔اس مضمون کا عنوان اس پر ہی رکھ دیا ہے۔۔۔

بھٹکے ہوئے لوگ !

آپ کوئی راستہ بھٹک جائیں۔۔۔ کہیں کہ کہیں پہنچ جائیں۔۔۔بتانے والے بھی آپ کو غلط پر غلط راستہ بتاتے جائیں۔۔۔آپ تھک ہار کہ بیٹھ جاؤگے ۔۔۔اگر واپسی کا راستہ بھی بھول گئے تو راستے میں ہی کہیں پیوندِ خاک ہو جائینگے ۔۔۔پرانے وقتوں میں جب کوئی سفر پر روانہ ہوتا تھا تو سب سے مل ملا کر معافی تلافی کر کہ نکلتا تھا۔۔۔شائد اس کی وجہ کچھ یہ ہی ہوگی کہ واپسی ممکن ہو یا نہ ہو۔۔۔یوں تو قدرت کوئی نہ کوئی انتظام بھٹکے ہوئے لوگوں کیلئے کرکے رکھتی ہے۔۔۔ کبھی یہی بھٹکے ہوئے لوگ نیا راستہ دریافت کرلیتے ہیں۔۔۔

بھٹکے ہوئے لوگوں کی بظاہر دو قسمیں سمجھ آتی ہیں۔۔۔ایک تو وہ جنہیں راستے کا علم نا ہو اور وہ سفر شروع کردیں بغیر راستے کی جانکاری لئے ۔۔۔دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں راستہ تو معلوم ہوتا ہے مگر وہ منزل پر پہنچنے کیلئے کسی نئے راستے کی دریافت میں سرگردہ ہوجاتے ہیں یا الجھ جاتے ہیں۔۔۔یقیناہر دور میں ایسے لوگ رہے ہونگے ۔۔۔دورِ حاضر میں دوسری قسم کی تعداد پہلی قسم کہ بھٹکے ہوئے لوگوں سے زیادہ ہے۔۔۔ ہم معلومات کے سمندر کہ دور میں ہیں۔۔۔ہر طرف جانکاری ہی جانکاری ہے۔۔۔سب کو کم و بیش کچھ نہ کچھ

معلوم ہے یا سب کچھ معلوم ہے۔۔۔اگر کوئی پوری بات نہیں جانتا تو اس نے پڑھ یا سن ضرور رکھا ہوگا۔۔۔کیا یہ ہی وجہ ہے کہ تہذیب و تمدن کے نقوش بننے کی بجائے مٹتے جارہے ہیں۔۔۔ معلومات کہ اس لا محدود ذخیرے کی مرہون منت آج بچہ کسی بڑے کی کوئی بات آسانی سے رد کردیتا ہے۔۔۔یقینا وہ معلومات کہ دور کا بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہے۔۔۔ عموماً یہ بھی سننے کو ملتا ہے۔۔۔ ہمیں پتہ ہے۔۔۔ ہم جانتے ہیں۔۔۔ لیکن اتنی معلومات کہ باوجود معاملات روز بارروز بگڑتے جارہے ہے۔۔۔سب کچھ الٹ پلٹ ہوئے جارہا ہے۔۔۔پرانے وقت میں معلومات تو تھی مگر ذرائع محدود تھے۔۔۔ مخصوص افراد کی جاگیر جانی جاتی تھی۔۔۔آج معلومات کا کوئی دعویدار نہیں ہے۔۔۔آج ذرائع بہت ہوچکے ہیں۔۔۔پہلے کتابیں، اخبارات اور رسائل معلومات کے بنیادی ذرائع تھے۔۔۔یا بزرگوں کا علم نایاب تھا۔۔۔آج ذریعوں کی بہتات ہے۔۔۔کتابیں، اخبارات اور رسائل تو اب بھی ہیں بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں ہیں۔۔۔ مگر آج برقی دور ہے۔۔۔ ہر چیز ہر معلومات باآسانی میسر ہے۔۔۔

ہم رکتے ہی نہیں۔۔۔ دیکھتے اور سننے پر دھیان نہیں دیتے۔۔۔سب کچھ چلتے چلتے ہوتا جاتا ہے۔۔۔ کسی کی تعریف کسی کی برائی۔۔۔ کسی کی عیادت کسی کی تعزیت۔۔۔ کسی کی شادی کسی کی میت۔۔۔سب جگہ ہم چلتے رہتے ہیں۔۔۔حال احوال بھی اشاروں میں معلوم کرلیتے ہیں۔۔۔بظاہر اس جگہ کھڑے ہیں مگر ذہنی طور سے

کہیں اور آگے پہنچے ہوتے ہیں۔۔۔ ٹھہرنے سے اور دھیان سے عاری ہوئے جا رہے ہیں۔۔۔ جہاں بیٹھے ہوتے ہیں وہاں سے کہیں آگے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔۔۔ جہاں جانا ہوتا ہے وہاں سے آگے کیا ہے یہ سوچ رہے ہوتے ہیں۔۔۔ جیسے روح اور جسم آپس ناراض ہوئے ہوں۔۔۔ ایک کہیں تو دوسرا کہیں۔۔۔ سڑکوں پر آئے دن ٹریفک جام ملتا ہے۔۔۔ نکلتے کہیں جانے کیلئے ہیں مگر راستے میں خیال آیا وہاں سے ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔۔۔ اچانک راستہ بدل لیتے ہیں۔۔۔ اس طرح کا معاملہ کم و بیش سب کہ ساتھ ہے۔۔۔ ابھی بچہ بہت چھوٹا ہے۔۔۔ مگر اس سے توقعات ایسی وابستہ کر رکھی ہیں۔۔۔ جیسے ایک بہت باشعور اور بڑا فرد ہو۔۔۔ ہماری کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔۔۔ روز بروز الجھتے جا رہے ہیں۔۔۔

ہر روز انگنت لوگ اپنی زندگی کی لڑائی ہار جاتے ہیں۔۔۔ کچھ لوگ بیماریوں سے لڑتے ہوئے مارے جاتے ہیں۔۔۔ کچھ لوگوں سے ان کے جینے کا حق انہیں بتائے بغیر ہی چھین لیا جاتا ہے۔۔۔ دھماکے ہو رہے ہیں۔۔۔ نا معلوم افراد دندناتے پھر رہے ہیں۔۔۔ عمارتوں میں آگ لگ رہی ہے۔۔۔ عبادگاہیں محفوظ نہیں۔۔۔ تعلیمی ادارے محفوظ نہیں۔۔۔ ہمارے محافظ محفوظ نہیں۔۔۔ کون مار رہا ہے۔۔۔ کیوں مر رہا ہے۔۔۔ سگنلز پر کوئی رکنے کو تیار نہیں۔۔۔ قانون اور قانون کہ رکھوالوں کا خوف نہیں ہے۔۔۔ بس سب چل رہا ہیں بلکہ دوڑ رہے ہیں۔۔۔ دھرنے دیئے جا رہے ہیں۔۔۔ دھرنوں کی حفاظت ہو رہی ہے۔۔۔ ہمارے پیارے وطن پاکستان میں قانون کی

بالادستی نہیں۔۔۔ایسا لکھنے میں کوئی شرمندگی بھی نہیں۔۔۔اگر کسی کو کوئی ملک قومیت دینے کو تیار نہیں تو وہ پاکستان آ جائے۔۔۔یہاں شناختی کارڈ بن جاتا ہے اور پاکستانی کہلایا جانے لگتا ہے۔۔۔پاسپورٹ بھی بن جاتا ہے۔۔۔ڈرائیونگ لائسنس بھی بن جاتا ہے۔۔۔پاکستان کے ارباب اختیار ایسے لوگوں کو پناہ دے دیتے ہیں۔۔۔کیوں یہ ہم سب کو پتہ ہے۔۔۔اور پھر کسی حادثے کہ بعد اسے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔۔۔پہلے زخم دیتے ہیں۔۔۔پھر زخموں پر مرحم رکھنے پہنچ جاتے ہیں۔۔۔ہمارے سیاست دان اپنی حفاظت کیلئے پورے وطنِ عزیز سے محافظوں کے دستے منگوالیتے ہیں۔۔۔بلیٹ سے محفوظ رکھنے والی گاڑیاں مہنگے داموں منگوا لیتے ہیں۔۔۔عوام کی زندگی کوئی معنی و حیثیت نہیں رکھتی۔۔۔

پاکستان میں رشوت اور چور بازاری عام ہے۔۔۔یہاں ادارے روز بروز زبوں حالی کا شکار ہورہے ہیں۔۔۔پاکستانی عوام چاہے وہ کسی بھی صوبے یا زبان والی ہو۔۔۔چاہے اس کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو۔۔۔پانی نہیں، بجلی نہیں، گیس نہیں، ہسپتالوں میں دوائیں نہیں۔۔۔مگر ہمارے سیاست دانوں کی عیش و عشرت میں کوئی کمی نہیں۔۔۔اور انہیں کوئی شرمندگی بھی نہیں۔۔۔ہمارے ملک میں زبانی جمع خرچ اتنا ہے کہ کوئی اندازہ نہیں۔۔۔خبروں کی بھرمار ہے۔۔۔مگر کوئی سدِ باب نہیں۔۔۔دہشت گردی کی مذمت کی گونج ہر وقت ہماری سماعتوں سے ٹکراتی رہتی ہے۔۔۔دہشت گرد بھی خوش ہوتے ہونگے ہمارے کئے کو اتنا چرچا ملتا

ہے۔۔۔دہشت گرد اپنی دہشت گردی سے مخصوص علاقے کو دہشت زدہ کرتے ہیں۔۔۔مگر میڈیا کی گونج اسے گھر گھر پہنچا دیتی ہے۔۔۔پورے ملک کو دہشت زدہ کر دیتی ہے۔۔۔

پاکستان ہماری لگن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔۔۔آج ہم اپنی لگن کی بدولت ایٹمی طاقت ہیں۔۔۔ہم میں لگن کی کمی نہیں۔۔۔ہم بھٹکے ہوئے لوگ نہیں تھے۔۔۔ہمیں باقاعدہ بھٹکایا گیا ہے۔۔۔ہمیں ہماری منزل سے دور کیا گیا ہے۔۔۔کبھی ہماری سرحدوں پر گولہ بارود پھینک کر۔۔۔کبھی ہم پر الزامات کی بھرمار کر کے۔۔۔کبھی ہمارے اندر سیاسی غلط فہمیاں پیدا کرکے۔۔۔تو کبھی فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا کر۔۔۔ہماری حکومتوں کو عوامی مسائل کی طرف توجہ دینے کی مہلت ہی نہیں دی جاتی۔۔۔ہم سب آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔۔۔اپنے ہاتھوں سے اپنے وطن کی عزت و عصمت پامال کر رہے ہیں۔۔۔ہمارے اربابِ اختیار ان باتوں پر دھیان کیوں نہیں دیتے۔۔۔ملک کی سالمیت ملک کی عوام سے ہے۔۔۔عوام نے آپ پر اعتماد کرنا شروع کر دیا تو آپ کو الیکشن کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔۔۔آپ کچھ نہیں کر سکتے تو عوام کہ ساتھ روزانہ کی بنیادوں پر کچھ نہ کچھ وقت گزارئے۔۔۔عوام کی اور اپنی راہ پر چلنے کی کوشش کیجئے۔۔۔بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ مل جائے گا۔۔۔آپ دیکھیں ایسے مشکل حالات میں بھی پاکستان آئے دن کسی نہ کسی جگہ اپنا جھنڈا اونچا کئے جاتا ہے۔۔۔ایسے ہی حالات میں نیوکلئیر پاور بن

گئے۔۔۔اگر ہم بھٹکے ہوئے نہ ہوتے تو ذرا سوچئے کہاں ہوتے۔۔۔

ہمیں باقاعدہ طور پر اپنے راستے سے اپنی منزل کی جانب پیش قدمی کرنے سے روکا جا رہا ہے۔۔۔یہ تمام مسائل جو ہمیں درپیش ہیں۔۔۔یہ دراصل مسائل نہیں راستے کی رکاوٹیں ہیں۔۔۔اب ہمیں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ دشمن کی رکاوٹوں سے اپنا راستہ اپنی منزل بدل لیں۔۔۔یا پھر ان سے نبرد آزما ہونے کیلئے سدِ باب کریں۔۔۔

! قومی زبان کی اہمیت۔۔۔اقوامِ متحدہ

عنوان میں اقوامِ متحدہ کا نام شامل کرنے سے شائد اس مضمون کی اہمیت میں کچھ اضافہ ہو جائے ۔۔۔مگر افادیت کی ذمہ داری سراسر اربابِ اختیار کہ پاس ہے۔۔۔جن کہ کان پر جوں نہیں رینگتی جسکی وجہ مسائل کی بھرمار تو ایک طرف ہے مگر جوں کہ لئے تاج رکھنے کی جگہ پر زلفوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔۔۔دراصل آج اخبار پر معمول کہ مطابق نظر مارتے ہوئے ایک چھوٹی سی خبر پر ٹک گئ ۔۔۔نظر دو ہی جگہ ٹھہرا کرتی ہے ایک جہاں نظر کی تسکین ہو یا دوسرا روح تسکین ہو۔۔۔پہلا ٹھہرنا یا رکنا عارضی اور واجبی ہوتا ہے۔۔۔مگر دوسرا ٹھہرنا یا رکنا دائمی اور دیرپا ہوتا ہے۔۔۔بہر کیف بات ایک خبر کی تھی۔۔۔اور خبر کچھ یوں تھی کہ۔۔۔شرح تعلیم بڑھانا ہے تو مادری زبان میں تعلیم دیں۔۔۔۔اقوامِ متحدہ کہ منصوبے تعلیم سب کیلئے میں جو اہداف مقرر کئے گئے ہیں ان میں ایک بچوں کو تعلیم ان کی مادری زبان میں دینا لازمی بنانا ہے۔۔۔جی ہاں ! یہ وہ قدم ہے جو ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی پہلی کرن ہے۔۔۔

اس خبر کو اخبارات و رسائل میں شہ سرخی بننا چاہیئے۔۔۔ نیوز چینلز پر بطور

.بریکنگ نیوز نشر ہونا چاہئے ۔۔۔ ریڈیو پر خوب چرچا ہونا چاہئے ۔۔۔ سوشل میڈیا پر خوب شیئرز ہونی چاہئے۔۔۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اقوامِ متحدہ کہ اس عمل کہ پیچھے بہت تحقیق و مطالعہ ہوگا۔۔۔ جس کی بنیاد پر انہوں نے یہ بیان جاری کیا۔۔۔ بلکہ اس عمل کو اپنے منصوبے کا حصہ قرار دیا۔۔۔ بات صرف اردو زبان کی نہیں ہے۔۔۔ دنیا کہ ہر پسماندہ ملک کا یقینا ایک المیہ یہ ہوگا کہ وہ دوسری زبانوں پر چل کر ترقی کی راہیں ڈھونڈتے ہیں۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک کی زبانوں میں اپنی نسلوں کو تعلیم دے رہے ہیں۔۔۔ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جن کی زبان میں ہم اپنی نسل کو تعلیم دے رہے ہیں۔۔۔ انہوں نے اپنی قومی زبان میں اپنی نسل کو تعلیم دی اور ترقی کی منزلیں طے کیں۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپکی قومی زبان اردو ہو اور آپ تعلیم جاپانی زبان میں دیں اور یہ سمجھیں کہ ہم نے ترقی کا راز ڈھونڈ لیا یا راستہ اختیار کر لیا۔۔۔ اب بہت جلد جاپان کی طرح ترقی کر لیں گے۔۔۔

چین و جاپان کی ترقی وہاں بولی جانے والی زبانوں میں پوشیدہ تھی انہوں نے بر وقت اس بات کا اندازہ لگالیا۔۔۔ کسی صحافی نے ماؤزے تنگ سے پوچھا آپ بہت اچھی انگریزی جانتے ہیں مگر بولتے نہیں تو ماؤ نے جواب دیا تھا کہ میں دنیا کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ چین گونگا نہیں ہے۔۔۔ جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دوسری زبان میں بولنا۔۔۔ مطلب دوسرے کی زبان سے بولنا جو اسکے منہ میں

ہے۔۔۔آپ دنیا کہ تمام ترقی یافتہ ممالک پر نظر ڈالئے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے بنیادی تعلیم قومی زبانوں میں ہی دی جاتی ہے۔۔۔

مختصراً یہ کہ پاکستان کو اگر واقعی ترقی کرنی ہے تو سب سے پہلے قومی زبان کا نفاذ بھرپور طریقے سے کرنا ہوگا۔۔۔بنیادی تعلیم سے لیکر اعلی تعلیم تک کو اپنی قومی زبان میں منتقل کرنا پڑھے گا۔۔۔تدریسی نصاب ہی نہیں بلکہ کم و بیش تمام نصابی کتابیں صرف قومی زبان میں ہی نہیں بلکہ ہوسکے تو علاقائی زبانوں میں بھی تراجم کروائے جائیں۔۔۔بچوں میں شوق بیدار ہوگا تو علم تمام زبانوں پر عبور دلوادے گا۔۔۔اس کا یہ مطلب قطعی نہیں کہ آپ دوسری زبانیں نہ سیکھیں۔۔۔بلکل سیکھیں مگر اسے سیکھ کر اپنے اوپر طاری نہ کریں۔۔۔اپنی پہچان اپنی قومی زبان کو بنائیں۔۔۔اب شائد اس بات پر عمل ہوجائے کیونکہ اب یہ بات حرفِ خاص ہو گئی ہے۔۔۔خاص باتوں کو خاص لوگ بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔۔۔جس دن ہم نے اپنا قومی تشخص پا لیا۔۔۔ہم ایک قوم بھی بن جائینگے اور دنیا ہمارا احترام بھی کرنے لگے گی۔۔۔دیکھنا یہ ہے کہ اقوام متحدہ کہ اقدام بھی کشمیر کہ مسلئے والے نہ ہوں (خاکم بدہن)۔۔۔

اگر وقت اجازت دے تو دیئے ہوئے لنک پر اردو زبان پر لکھا گیا ایک مضمون ضرور ملاحظہ کیجئے

http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?
id=37895

! سراہا جانا چاہئے

جب آپ کچھ کم اچھا کریں مگر سامنے سے آپکی محنت کو آپکے حوصلے کو سرہایا جائے تو آپ کو کیسا لگے گا۔۔۔یقیناً آپ کو بہت اچھا لگے گا اور آپ کو احساس ہوگا کہ آپکو اس سے بھی بہتر کرکے دیکھانا ہے۔۔۔آپ کے اندر اور بہتر یا بہتر سے بہتر کرنے کا جذبہ سرہائے جانے سے اور حوصلہ افزائی سے بیدار ہوتا ہے۔۔۔ایک چھوٹے بچے کو جو ابھی نہیں جانتا کہ اچھا اور برا کیا ہے آپ اسکے اندر یہ فرق پیدا کرتے ہیں کہ اچھے پر شاباشی اور برے پر تنقید یا ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے۔۔۔ تحقیق اور تجربے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بے جا تنقید اور ڈانٹ ڈپٹ بچے کی شخصت کو متاثر کرتی
ہے۔۔۔ کیونکہ شائد ایک فیصد لوگ تنقید کو مثبت لیتے ہیں ۔۔۔ لیکن ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں اس میں تنقید کا ہونا عام سی بات ہے۔۔۔بڑے، بچوں پر اپنا رعب جمانے کہ درپے ہیں۔۔۔ڈرانے اور دھمکانے پر تلے ہوئے ہیں۔۔۔آج دنیا کہ معاملات بہت آگے نکل چکے ہیں۔۔۔میڈیا کی مرہونِ منت معاملات اساتذہ اور والدین کہ ہاتھوں نے نکلتے نظر آرہے ہیں۔۔۔یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نکل چکے ہیں۔۔۔اب تربیت کی یا بربادی کی ذمہ داری میڈیا نے لے لی ہے۔۔۔ خصوصی طور پر یہ کام سماجی میڈیا سرانجام دے رہا ہے۔۔۔ ٹیلی میڈیا اس کام کا روحِ رواں ہے۔۔۔

بات کرنی تھی سرہائے جانے کی اور نکل گئی بچوں کی تربیت کی طرف۔۔۔جہاں دیکھیں تنقید ہی تنقید ہے۔۔۔ ٹیلیوژن پر ہر وقت تنقید ۔۔۔ کمرشلز میں ایک پروڈکٹ والے دوسری پروڈکٹ پر تنقید۔۔۔حکومت مخالف ، صبح اٹھتے ہی حکومت پر تنقید شروع کر دیتے ہیں۔۔۔حکومت والے اپنے مخالفین پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔۔۔ کرکٹ پر تنقید ۔۔۔ہاکی پر تنقید۔۔۔ تعلیمی نظام پر تنقید ۔۔۔کیا معلوم کون سا ایسا موضوع یا معاملہ ہے جس پر تنقید نہ کی جارہی ہو۔۔۔اور تنقید بھی صرف برائے تنقید ہوتی ہے۔۔۔جس سے سوائے الفاظ اور وقت کہ ضائع ہونے کہ کچھ اور نہیں ہوتا۔۔۔شائد تنقید آنے والے وقت میں ہمارا قومی ایجنڈا بننے والی ہے۔۔۔بے جا تنقید کی مرہونِ منت ہماری نئی نسل آگے نہیں بڑھ پا رہی۔۔۔تو دوسری طرف بغاوت پر اتری ہوئی ہے ۔۔۔یہ کہنا بھی درست ہی ہے کہ ذہنی اذیت کا شکار ہو رہی ہے۔۔۔گھر میں تنقید سے باہر نکلیں۔۔۔ سڑکوں پر گڑھے روک لیتے ہیں ۔۔۔پولیس والے روک لیتے ہیں۔۔۔ٹریفک والے روک لیتے ہیں۔۔۔ سگنلز روک لیتے ہیں۔۔۔سب سے بڑھ کر لوٹنے والے روک لیتے ہیں۔۔۔

نظام کی تبدیلی کی بات ہوتی رہتی ہے۔۔۔ کوئی چہروں کی تبدیلی پر زور دے رہا ہے۔۔۔ کہیں قانون اور آئین پر بحث مباحثہ چل رہا ہے ۔۔۔ تبدیلی تبدیلی کا شور مچا ہوا ہے۔۔۔دراصل ہمیں تنقیدی مزاج میں تبدیلی لانی ہوگی ۔۔۔ کرکٹ کی ٹیم

ورلڈ کپ کھیلنے دیارِ غیر میں ہے (اللہ کرے آخری میچ تک میدان کی زینت بنی رہے، آمین)۔۔۔ان پر تنقید جاری ہے۔۔۔کیا آپ کی تنقید اب کچھ کر سکتی ہے؟؟؟نہیں! اب تنقید سے کچھ نہیں ہونے والا۔۔۔اب حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔۔۔سراہے جانے کی ضرورت ہے۔۔۔انکے ٹوٹتے ہوئے حوصلہ کو بڑھانے کی ضرورت

ہے۔۔۔ہماری افواج دنیا جہان کہ جھمیلوں میں پھنسی ہوئی ہے۔۔۔ہر طرف برسرِپیکار ہے۔۔۔انہیں حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔۔۔انکی خدمات کو سراہے جانے کی ضرورت ہے۔۔۔حکومت اور مخالفین ایک دوسرے کہ مثبت اقدامات کو

سراہئیں۔۔۔حوصلہ افزائی کریں۔۔۔بچے جو ہمارے کل کہ محافظ ہیں۔۔۔انہیں تنقید کی بجائے حوصلہ افزائی کی تربیت دیں۔۔۔شاباش کا لفظ اپنی روز مرہ کی زندگی کا حصہ بنالیں۔۔۔برے کاموں پر حوصلہ شکنی کریں مگر ایسے کہ کسی اچھے کام سے موازنا کرکہ جس پر آپ نے شاباش دی ہو یا سراہیہ ہو۔۔۔

سراہے جانے۔۔۔شاباش دینے۔۔۔اور حوصلہ افزائی کرنے سے معاشرے میں یقینا تبدیلی کے اشار نظر آنا شروع ہونگے۔۔۔آپ اگر ان الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کرنے میں اپنی شان میں گستاخی سمجھ رہے ہیں۔۔۔تو تھوڑا سے گردن جھکا کر قابلِ ستائش انداز سے بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے۔۔۔تنقید کی جائے مگر برائے تنقید نہیں۔۔۔آپ کی تنقید میں بھی مثبت پہلو ہونا چاہئے۔۔۔سامنے والے کو محسوس ہو کہ اس کے کام کو اہمیت دی گئی ہے۔۔۔اور تنقید سے ذریعے سے سراہا

گیا ہے۔۔۔ سراہئے جانے سے تخلیقی عمل بڑھتا ہے۔۔۔ خوب سے خوب تر کرنے کی خواہش بیدار ہوتی ہے۔۔۔

اپنی اپنی انا کہ بت توڑیئے اور ایک قدم آگے بڑھئے۔۔۔ آپ کہ اطراف میں کوئی بھی کچھ بھی اچھا کر رہا ہے اور سراہیئے اسکی حوصلہ افزائی کیجئے۔۔۔ اسکا عزم و حوصلہ تو بڑھے گا ہی آپکی عزت میں بھی اضافہ ہوگا۔۔۔

! ہماری ویب رائٹرز کلب سے آرٹس کونسل تک

نئے لکھنے والے اپنی تحریروں کی اشاعت کہ لئے کبھی اخبارات تو کبھی رسائل کے دفاتر کہ چکر لگاتے پھرتے ہیں اور اب ویب سائٹز پر جگہ ڈھونڈتے نظر آتے رہے ہیں۔۔۔انگنت لکھنے والے صرف تحریروں کی اشاعت نہ ہونے کہ باعث لکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔خیالات کی تشہیر ضروری ہے۔۔۔تاکہ ایک دوسرے کہ تجربے سے فائدہ اٹھایا جائے۔۔۔انگریزی لکھنے والوں کو اتنے مسائل کا سامنا نہیں۔۔۔جتنا قومی زبان میں لکھنے والوں کو مسائل درپیش ہیں۔۔۔ان مسائل میں صرف اشاعت ہی نہیں بلکہ تکنیکی مسائل بھی بہت اہم ہے۔۔۔کمپیوٹر کہ دور میں اردو کیسے لکھی جائے۔۔۔اردو کو قومی زبان تو قرار دے دیا گیا مگر سلوک یتیم بچوں والا ہو رہا ہے۔۔۔کیا معلوم کتنے سرکاری ادارے اردو کی ترقی و ترویج کہ کیلئے برسرپیکار ہیں۔۔۔کیونکہ ان اداروں تک رسائی کوئی آسان کام نہیں۔۔۔تاریخ کی ادھیڑبن سے کہیں بہتر ہے کہ آج اور آنے والے کل کیلئے کچھ تخلیقی کام کیا جائے۔۔۔جس کا ثمر عام لکھنے والے کو پہنچے۔۔۔

قلم اور کاغذ سے میرا تعلق تقریباً ایک دھائی پر مشتمل ہے۔۔اس میں وہ دور بھی شامل ہے جب تحریریں کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں رہی ہونگی۔۔مگر میرے پاس وہ محفوظ ہیں۔۔لکھنے کو بہت کچھ ہوتا ہے مگر قلم اور قلب کی خواہش کہ عین مطابق ذیادہ تر حب الوطنی ہی موضوع رہا ہے۔۔ اشاعت سے متعلق مسائل راقم کو بھی درپیش رہے مگرجذبے کی سچائی ، لگن اور ہارنا ماننے کی طبعیت نے قدرت کہ طفیل حالات سازگار ہوتے گئے۔۔نوکری کی وجہ سے اولیاؤں کہ شہر ملتان سے نکلنے والے جنگ میں ہفتہ وار مضامین شائع ہوتے رہے۔۔اپنے گھر کراچی آنے کہ بعد پھر وہی اشاعت کا مسلۂ درپیش تھا۔۔

اس دفعہ ہماری ویب سے واسطہ پڑااور ہماری ویب نے واقعی اپنے نام کی لاج رکھی اور ہماری نکلی ۔۔جہاں مضامین کی اشاعت کیلئے بہت دنوں تک انتظار

نہیں کرنا پڑتا تھااور نہ ہی کسی کے پیچھے بھاگنا پڑتا۔۔۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آج دنیا انٹرنیٹ میں سمٹ چکی ہے۔۔۔اخبارات و رسائل بھی اب انٹرنیٹ کہ ذریعے ہی پڑھے جاتے ہیں۔۔۔آہستہ آہستہ ہماری ویب کہ ساتھ سفر جاری رہا۔۔۔ہماری ویب نے ایک انقلابی قدم اٹھایا۔۔۔اپنے لکھنے والوں کو مجازی دنیا سے نکال کر حقیقی دنیا میں ایک دوسرے کے سامنے بٹھانے کا فیصلہ کیا۔۔۔ہماری ویب رائٹرز کلب کی داغ بیل ڈال دی۔۔۔آپکے لئے انتہائی حیرانی کی بات ہوگی کہ یہ اپنی نوعیت کا (ساری دنیا کا کہنا میرے لئے مشکل ہوگا) پاکستان میں انٹرنیٹ پر واحد آن لائن لکھنے والوں کا کلب ہے۔۔۔اس کا سہرا ہماری ویب کہ بانی جناب ابرار احمد صاحب کے سر سجتا ہے ۔۔۔جنہوں نے اپنی کاروبار پر مبنی ویب سائٹ کو اردو کی تشہیر کا اہم ستون بنادیااور اردو سے محبت کرنے والوں کا مرکز بنا دیا۔۔۔آپ کے ساتھ اس عزم میں ہماری ویب کی پوری ٹیم کی وابستگی انتہائی قابلِ ستائش اور قابل داد ہے۔۔۔نومولود رائٹرز کلب کا سفر جنوری ۲۰۱۵ سے شروع ہوا۔۔۔باقاعدہ رائٹرز کلب کہ ذمہ دار نامزد کئے گئے۔۔۔کلب کہ اغراض و مقاصد مرتب کئے گئے۔۔۔ہماری ویب رائٹرز کلب ایک وجود کی حیثیت سے منظرِ عام پر آگیا۔۔۔

ہماری ویب رائٹرز کلب کے چیئرمین ابرار احمد صاحب نے ایک اور اچھوتا قدم اٹھایا اور کلب کہ ذمہ داروں کی برقی کتابیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔۔تکنیکی لحاظ سے یہ بہت کٹھن اور پیچیدہ فیصلہ تھا۔۔ہماری ویب کی ٹیم نے کر دکھایا اور کتابیں تشکیل پا گئیں۔۔طے یہ پایا کہ اب ہماری ویب رائٹرز کلب کو منظرِ عام پر آجانا چاہئے۔۔۔ برقی کتابوں کی رونمائی کیلئے آرٹس کونسل کو چنا گیا اورتقریب کو رونق بخشنے کیلئے مہمانِ خصوصی جناب پروفیسر سحر انصاری صاحب کا انتخاب ہوا۔۔۔

بفضلِ خداتقریب کے انعقاد کیلئے ۴ اپریل بروز ہفتہ کا دن متعین ہوا۔۔ہماری ویب نے تمام انتظام انتہائی منظم اور پیشہ ورانہ طریقے سے سرانجام دیا۔۔مہمانوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت فرما کر اس تقریب کو حقیقی معنوں میں چار چاند لگادئے ۔۔جس سے ہماری ویب کی مقبولیت کا تو پتہ چلتا ہی ہے

مگر لکھنے والوں کو ہماری ویب رائٹرز کلب کے بننے سے کتنی تقویت ملی اس کا اندازہ بھی خوب لگایا جا سکتا تھا۔۔۔نظامت کے فرائض جناب عطاء محمد تبسم صاحب (جنرل سیکرٹیری رائٹرز کلب) نے بخوبی انجام دئے اور حاضرینِ مجلس کو اپنے لفظوں کے سحر میں دبوچے رکھا۔۔۔انتہائی پروقار محفل کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا اور نعتِ رسولِ مقبول ﷺ پڑھی گئی۔۔۔چیئیر مین جناب ابرار احمد صاحب اور صدر ڈاکٹر رائس احمد صمدانی صاحب نے بھی اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کیا۔۔۔اردو کو درپیش مسائل سے آگاہ کیا۔۔۔ابرار صاحب نے عزم کیا کہ جہاں تک ممکن ہوسکے گا اردو کو انٹر نیٹ پر آسان بنانے کیلیئے کوشاں رہیں گے۔۔۔رائٹرز کلب کے تمام ممبران بشمول راقم نے ہماری ویب اور اسکی پوری ٹیم کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔۔۔مہمانِ خصوصی جناب پروفیسر سحر انصاری صاحب نے اپنی اور آرٹس کونسل کی جانب سے ہماری ویب رائٹرز کلب کی تشکیل کو سراہا اور مکمل تعاون کا یقین دلایا۔۔۔پروفیسر صاحب نے اسی جذبے اور لگن سے اردو کی ترقی کیلیئے کام کرنے کی ترغیب دی۔۔۔مہمانِ خصوصی نے تمام رائٹرز کلب کے ممبران میں یادگاری شیلڈ تقسیم کیں۔۔۔باقاعدہ تعارف کہ ساتھ تمام مصنفین کی برقی کتابوں کی رونمائی کی۔۔۔تمام مصنفین نے گاہے بگاہے ابرار صاحب اور انکی ٹیم کا خصوصی طور سے شکریہ ادا کیا۔۔۔تقریب کہ اختتام پرپر تکلف چائے کا انتظام کیا گیا تھا۔۔۔

یہ تقریب احسن طریقے سے اپنے اختتام پر پہنچی ۔۔شام ڈھل چکی تھی ۔۔مگر ہماری ویب رائٹرز کلب کی صبح کا پہلا تارا جگمگا رہا تھا۔۔اور آنے والے وقت میں رائٹرز کلب کی اڑان کا پتہ دے رہا تھا ۔۔اب یہ اڑان ہماری ویب رائٹرز کلب ابرار احمد صاحب اور انکی ٹیم اس سفر میں لکھنے والوں کو کہاں تک لے کے جاتے ہیں ۔۔یہ اب انکے ہاتھ میں ، ہے۔۔میری خواہش ہے اسی طرح کی ایک ایک تقریب پاکستان کہ دیگر شہروں میں منعقد کی جانی چاہئیں ۔۔امیرِ کارواں اب اس سفر کو رکنا نہیں چاہئے۔۔۔

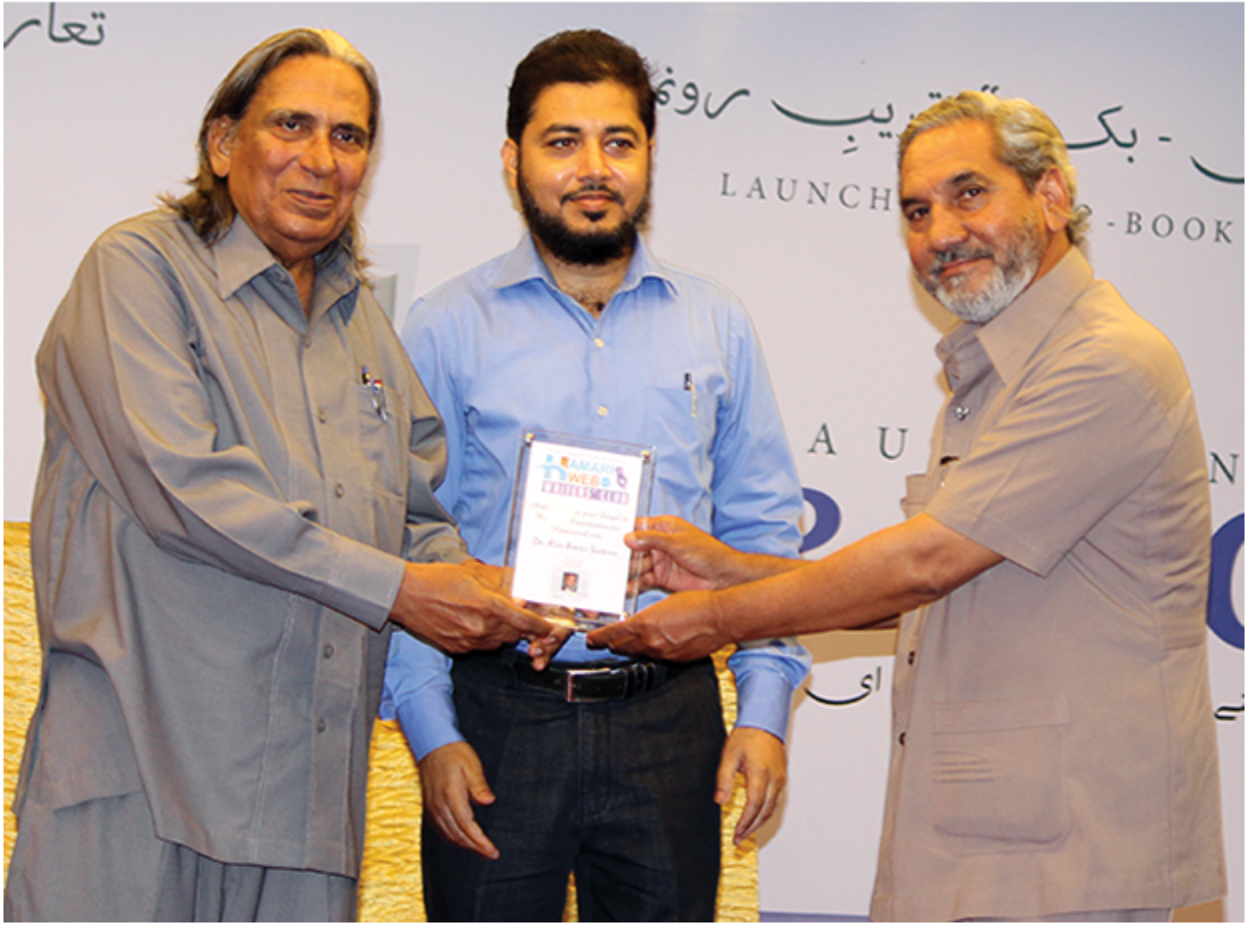
LAUNCH
-BOOK

!میڈم شمیم آرا

ایک جگہ پڑھا کہ۔۔۔ انسان دنیا میں اس طرح رہتا ہے جیسے اسے مرنا ہی نہیں ۔۔۔ مر ایسے جاتا ہے جیسے کبھی زندہ تھا ہی نہیں۔۔۔ کیا کوئی انسان ہمیشہ اس دنیا کا ہو کر رہ سکتا ہے۔۔۔یقینا نہیں۔۔۔ قرآن نے تو واضح کر دیا کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔۔۔ ہم بات کر رہے ہیں حضرتِ انسان کی ۔۔۔ جسے قدرت نے تمام مخلوقات میں افضل ترین منصب پر فائز کیا۔۔۔اور اشرف المخلوقات کہہ کر مخاطب کیا۔۔۔جب کسی کو کوئی عہدہ سونپا جاتا ہے ۔۔۔ چاہے کسی بھی درجے کا ہو۔۔۔ تو اس شخص میں تھوڑا بہت اختیار واقتدار کا نشہ ضرور سرایت کرتا ہے۔۔۔ہاں فرق اتنا ہوتا ہے کہ کچھ اس نشے میں بدمست ہو جاتے ہیں۔۔۔کچھ اس نشے کہ خوف سے اپنے عہدے و منصب کہ ساتھ خوب انصاف کرتے ہیں۔۔۔ وقت دونوں ہی پورا کرتے ہیں۔۔۔ مگر اطمینانِ قلب ایک کو ہی نصیب ہوتا ہے۔۔۔

یہ عہدہ یہ منصب ہم پیدائشی طور پر لے کر پیدا ہوتے ہیں۔۔۔ قدرت جب دنیا کی رونق میں ہمارے وجود کو شامل کرتی ہے۔۔۔ تو اہل وعیال ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔۔۔ وہ وقت جس کا ہمیں علم ہی نہیں ہوتا۔۔۔ ہم اپنی زندگی کہ اہم ترین منصب پر فائز ہوتے ہیں۔۔۔ ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔۔۔ کبھی مسکرانے کی

واہ واہ ہوتی ہے۔۔۔تو کبھی رخسار پر ڈمپل پر انگلیاں چٹخائی جاتی ہیں۔۔۔ہر ایک آنکھ ہر نئی ادا پر واہ واہ کئے جاتی ہے۔۔۔مگر افسوس وہ وقت تعریف و توصیف سے بے نیاز گزرتا جاتا ہے۔۔۔بہت کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی اس خاص عہدے کو برقرار رکھ پاتا ہے۔۔۔مگر کچھ خاص ہوتے ہیں جو اپنی اہمیت کو برقرار رکھتے ہیں۔۔۔ کسی کو وقت جھیل لیتا ہے۔۔۔کوئی وقت کو نہیں جھیل پاتا۔۔۔لوگوں کی کثیر تعداد بہت کچھ سوچتی ہے۔۔۔ عملی طور پر ہاتھ پیر مارتی ہے۔۔۔مگر حصول توقعات سے بہت کم ہوتا ہے۔۔۔

فلم، ڈرامہ، فیشن، سیاست بشمول میڈیا سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی زندگی بڑی بناوٹی ہوتی ہے۔۔۔خصوصاً وہ لوگ جو اسکرین پر نمایاں دیکھے جا سکتے ہیں (جیسے ہیرو، ہیروئن، ولن وغیرہ)۔۔۔انکے چاہنے والوں کی لمبی قطاریں۔۔۔انکی ایک جھلک دیکھنے کیلئے بے قرار و بے مہار رہتے ہیں۔۔۔یہ لوگ جب تک اپنی آب و تاب برقرار رکھتے ہیں۔۔۔لوگ انہیں یاد رکھتے ہیں اور انہیں دیکھنے کہ متمنی رہتے ہیں۔۔۔سورج کو ڈھلنا ہوتا ہے۔۔۔شام نے آنا ہوتا ہے۔۔۔ رات ہوتی ہے ایک نیا دن نئی توانائیوں کے ساتھ جلواہ گر ہونے کو تیار ہوتا ہے۔۔۔یہ تمام لوگ بھی (سوائے سیاست سے وابسطہ لوگوں کہ کیونکہ انکا ڈرامہ و فلم تا دم مرگ نشر ہوتا رہتا ہے یہ کسی نا کسی بہانے وہیل چئیر پر بھی محفلوں اور مجلسوں میں اپنی جگہ قائم رکھتے ہیں)۔۔۔

ایک طویل فہرست ہمارے فنکاروں اداکاروں گلوکاروں اور ہدایتکاروں پر مشتمل ہے ۔۔۔جو صرف پاکستان سے وابسطہ ہیں ۔۔۔اگر ہم دنیا کے گرد گھومنے لگے تو اس فہرست کو سمیٹنا مشکل ہو جائے گا ۔۔۔ان شخصیات کا نام آنے پر ان کہ فن کے حوالے سے لوگ تعریفی کلمات ادا کرنا شروع کر دیتے ۔۔۔ کیا اداکاری تھی کیا آواز تھی کیا ترنم تھا۔۔۔ طبعی خوبصورتی کہ دلدادہ الفاظ سے زیادہ ایک آہ پر اکتفا کرکے رہ جاتے۔۔۔ گزشتہ دنوں اخبار کی ورک گردانی کرتے ہوئے اپنے وقت کی نامور اداکارہ جنھیں لوگ نائلہ کہ نام سے بھی جانتے ہیں ۔۔۔نائلہ پاکستان کی پہلی رنگین فلم تھی جو اکتوبر میں ریلیز ہوئی ۔۔۔فلم نائلہ میں جس ہیروئن نے اس کردار کو یادگار بنایا انہیں ۱۹۶۵ ہم سب شمیم آراء کہ نام سے جانتے ہیں ۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں جن کی پذیرائی کیلئے ان کی تصاویر کہ طویل القامت بینرز بنتے ۔۔۔اشتہارات انکے ۔۔۔جگہ جگہ ان کی فلموں ڈرامو کی تشہیر۔۔۔ غرض یہ کہ ان کہ سوا دنیا میں رکھا کیا ہے۔۔۔ شمیم آراء نے فلمی دنیا پر دو دہائیوں تک اپنی خوبصورت اداکاری سے راج کیا۔۔۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ یہ لوگ کیمرے سے دور نہیں رہ سکتے۔۔۔۱۹۶۸ میں ایک فلم صاعقہ بطور پروڈیوسر کہ پاکستانی فلمی صنعت کہ نام کی ۔۔۔ بطور ہدایت کار بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔۔۔ تقریباً سن

تک فلمی دنیا سے وابستہ رہیں۔۔۔آخر ایک دن عمر کی شام ہوتی ہی ہے۔۔۔مگر ۲۰۰۰ یہ شام اسوقت بہت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے جب اس شام میں کوئی ساتھ نہ ہو۔۔۔یہ شام ان پر ہنگم شاموں کا شور لئے ہوتی ہے جب یہ لوگ ان شاموں میں اہم ترین ہوا کرتے تھے۔۔۔لیکن جسے اب اکیلے جھیلنا ہوتا ہے۔۔۔خالی گھر کی کھڑکیاں دروازے سونی آنکھوں سے ٹٹولتا رہ جاتا ہے۔۔۔ کبھی کبھی گھر میں نصب.برقی قمقمے آنکھوں کو بہت.برے لگنے لگتے ہیں۔۔۔ کبھی یہی آنکھیں.بڑی.بڑی روشنی پھیلاتی سرچ لایٹ سے بھی نہیں جھپکتی تھیں۔۔۔

شمیم آراء گزشتہ سات سالوں سے بستر پر زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہیں۔۔۔یہ لوگ کبھی آخباروں کی شہ سرخیوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔۔۔آخبار اور رسائل کی آمدنی انہی کی وجہ سے ہوا کرتی ہے۔۔۔اور پھر یوں ہوتا ہے کہ کسی اخبار کہ کسی کونے میں بہت چھوٹی سی خبر پر نظر پڑتی ہے۔۔۔جس میں تاریخ کو اپنی انگلیوں پر نچانے والوں کی ابتری کی خبر چسپاں ہوتی ہے۔۔۔ایک دن پھر.بڑی خبر لگتی ہے ۔۔۔جب فلاں کہ خالقِ حقیقی سے جاملنے کا اعلان ہوتا ہے۔۔۔دنیا جہان اکھٹا ہونا چاہتا ہے۔۔۔اسی گھر میں ایک رونق لگتی ہے نامی گرامی لوگوں کا میلہ لگتا ہے۔۔۔مگر اسے دیکھنے والا نہیں ہوتا۔۔۔میلے میں آئے سب لوگوں کہ دلوں میں ایک لمحے کیلئے یہ ضرور آتا ہوگا کہ کچھ یا بہت وقت کہ بعد مجھے بھی اس جگہ پہنچنا ہے۔۔۔مگر اگلے ہی لمحے میں کیمرے مائک

سب کچھ بھلا دیتے ہیں۔۔۔

یہ فنکار، گلوکار، مصور، مصنف، شاعر، موسیقار، ہدایتکار غرض یہ کہ فنونِ لطیفہ یا ادب کی کسی بھی صنف سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی تمام زندگی لوگوں کیلئے وقف کردیتے ہیں۔۔۔ مگر ان لوگوں کی نجی زندگی اتنی متاثر کن نہیں ہوتی۔۔۔ یہ لوگ تمام زندگی لوگوں کو تفریح کا سامان مہیہ کرنے صرف کردیتے ہیں۔۔۔ ہم بہت بے قدرے لوگ ہیں۔۔۔ قبروں اور مردوں کو پوجنے والے۔۔۔ ان کے ناموں پر سڑکے تعمیر کرادی جاتی ہیں۔۔۔ بڑی بڑی عمارتیں انکے ناموں سے منصوب کردی جاتی ہیں۔۔۔ جو جیتے جی سر چھپانے کیلئے کسی کال کوٹھری میں بسر کرتے ہیں۔۔۔ جن کہ ناموں پر بڑی بڑی پرتقلف وپر تعیش محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔۔۔ مگر زندگی میں ان عظیم لوگوں کو اہمیت کہ سب سے آخری خانے میں رکھا جاتا ہے۔۔۔ جو بیماری میں لوگوں سے مدد کی اپیل کرتے ہیں۔۔۔

اپنے اس مضمون کہ توسط سے محکمہ ثقافت سے درخواست کرونگا کہ وہ تمام ایسے لوگوں کی فہرست مرتب کرے۔۔۔ جو کسی نہ کسی طرح ادب کی کسی بھی صنف سے وابسطہ ہیں۔۔۔ اس فہرست کی بنیاد پر سب سے پرانے لوگوں کا احوال لے۔۔۔ اور ان لوگوں کو میڈیا کہ ذریعہ منظرِ عام پر لائے۔۔۔ اور میڈیا اپنا کردار نبھاتے ہوئے ان لوگوں کہ حالاتِ حاضرہ سے لوگوں اور اربابِ اختیار کو آگاہ کرے۔۔۔ حکومتِ

وقت سے مطالبہ کرے کہ جس کسی کو کسی بھی قسم کی ضرورت ہے اسے مہیہ کی جائے۔۔۔ تاکہ ہمارا یہ ورثہ اتنی بری طرح متاثر و ضائع نہ ہو۔۔۔اور نئی نسل کو پتہ چلے کہ وہ آج جن میدانوں میں دندناتے پھر رہے ہیں وہ کن لوگوں کی مرہونِ منت ہیں۔۔۔وہ کن لوگوں نے اور کس کس طرح بنایا۔۔۔ تمام شہروں میں موجود آرٹس کونسل کو اس بات کو پابند بنایا جائے کہ وہ اپنے اپنے شہر کہ مذکورہ لوگوں سے رابطہ رکھے اور انہیں ہر طرح کی رہنمائی فراہم کرے۔۔۔آج کا کیا یہ کام کل آپکے کام بھی آئے گا۔۔۔

آخر میں دعا کیجئے۔۔۔ جتنے بھی بیمار ہیں اللہ انہیں اپنی خصوصی رحمت سے شفائے کاملہ و اجلہ نصیب فرمائے۔۔۔اور ہم سب کہ لئے آسانیاں پیدا فرمائے۔۔۔ (آمین)

!اکیسویں صدی اور ہمارا تعلیمی نظام

ہم اکیسویں صدی میں زندگی گزار رہے ہیں۔۔۔ہمارے لئے اس صدی میں اسمارٹ موبائل فونز انتہائی اہم ترین جدت ہے۔۔۔آدھے سے زیادہ پاکستان اس ایجاد سے بھرپور طرح سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔۔۔عمر کی قید سے آزاد یہ ایجاد ہر ہاتھ کی زینت بنی ہوئی ہے۔۔۔مذکر مونث کی قید سے بھی آزاد ہے۔۔۔ سونے پر سوہاگہ تھری جی اور فور جی کنکشن ۔۔۔ سماجی میڈیا کی بھرمار۔۔۔ فیس بک، ٹوئٹر، گوگل پلس وغیرہ وغیرہ۔۔۔ کسی بھی عمل میں قلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔۔۔ تعلیم کاروبار کہ درجے میں داخل ہو چکا ہے۔۔۔ جتنی زیادہ فیس اتنا اسکول میں بھرمار۔۔۔ تعلیم شائد مل جائے مگر تربیت سے عاری۔۔۔یوں سمجھئے روبوٹ تیار کئے جارہے ہیں۔۔۔جو جذبات سے عاری ہوں۔۔۔ جن میں مرنے پر آنکھ مین آنسو نہ ہو اور پیدائش پر کوئی خوشی نہیں۔۔۔

کراچی میٹرک بورڈ کے زیرِ انتظام نویں اور دسویں کہ امتحانات بڑے زور و شور سے جاری ہیں۔۔۔ نقل اور عقل کا معرکہ برسرپیکار ہے۔۔۔بچے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کمرہ امتحان کی جانب رواں دواں ہیں۔۔۔اب وہاں بیٹھ کر کیا کرتے ہیں۔۔۔ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے ہیں۔۔۔یا ایک دوسرے کی امتحانی کاپیاں۔۔۔کچھ کھڑکی سے آنے والی مدد کا انتظار سپاری چباتے

یا کھاتے ہوئے کر رہے ہیں۔۔۔کچھ کاپی پر لائن کھینچتے ہوئے وقت کو آگے کی طرف دھکیل رہے ہیں۔۔۔کچھ دروازے کی جانب دھیان لگائے بیٹھے ہیں کہ پانی پلانے والا وہی آدمی ہے جس نے باہر پان سگریٹ کا خرچہ مانگا تھااور اسے اس شرط پر کچھ دیا تھا کہ کمرہ امتحان میں کچھ مدد فراہم کروگے۔۔۔کچھ بچوں کی نظریں کمرہ امتحان میں موجود ٹیچر پر لگی ہیں اور یہ ٹٹولنے میں مصروف ہیں کہ ٹیچر سخت ہے یا پھر کچھ آسرا ہو جائے گا۔۔۔ایسا نہیں کہ سب بچے بچیاں انہیں کاموں میں مصروف ہیں۔۔۔کچھ نقل کی عقل رکھتے ہوئے پرچہ حل کرنا شروع کر چکے ہیں۔۔۔اور چند پڑھاکو بچے فقط اپنی عقل وتیاری سے اپنی کاپی کو تختہ مشق بنائے ہوئے ہیں۔۔۔یہ تو ان بچوں کا احوال ہے جنہیں کمرہ امتحان تک رسائی مل گئی ہے۔۔۔یعنی جو بچے دسویں کہ پرچے دے رہے ہیں انکی نویں جماعت کی مارکس شیٹ مل چکی تھی جس کی بنیاد پر انہوں نے دسویں کہ امتحان تک رسائی پائی۔۔۔

آپ کو یہ جان کر شائد حیرانی ہو کہ ان امتحانوں میں ایک قلیل یا کسیر تعداد ایسے بچوں کی بھی ہے جنہیں آج تک نویں جماعت کی مارکس شیٹ ہی نہیں ملی ۔۔۔اور جب اسکول ہٰذا سے رابطہ کیا گیا توانہوں نے بورڈ کی راہ دیکھائی ۔۔۔بورڈ رابطہ کرنے پر اسکول کا ذکرِ خیر کیا گیا۔۔۔یعنی اس مسلئے کو دیگر سرکاری مسائل کی طرح فٹبال بنایا گیا۔۔۔اس سلسلے نے اتنی طول پکڑی کہ کچھ

بچے اگلے امتحان سے محروم رہ گئے ہیں۔۔۔ان بچوں کا سال ضائع ہوگیا۔۔۔اس سال کی اہمیت اربابِ اختیار کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی ۔۔۔ایسے تھری جی اور فور جی سے کیا فائدہ ۔۔۔جہاں سرکاری ریکارڈ آج بھی بڑے۔بڑے رجسٹرز میں درج کئے جاتے ہیں۔۔۔جس میں اندارج اور پھر اس میں سے ریکارڈ ڈھونڈنا ایک انتہائی تھکا دینے والا کام ہے۔۔۔پھر سب سے۔بڑھ کر کاموں کی اہمیت کا کوئی تعین نہیں ہے۔۔۔ذرا غور کریں جن بچوں کے سال ضائع ہوئے ہیں ان پر انکے والدین پر کیا بیتی ہوگی۔۔۔یہ ایک سال انہیں زندگی میں کتنا پیچھے دھکیل دے گا۔۔۔یہ انکا ذاتی سال نہیں یہ ملک کو بھی ایک سال پیچھے دھکیل دے گا۔۔۔ملک کی فکر کسے ہے۔۔۔ کسی کو نہیں۔۔۔

اکیسویں صدی یا ترقی اسمارٹ فون ہاتھ میں لے کر گھومنے کو کہتے ہیں۔۔۔یا سماجی میڈیا پر سب سے زیادہ پسند ہونے کو کہتے ہیں۔۔۔اکیسویں صدی سے مراد ہر فرد تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو۔۔۔اپنے حقوق کا علم رکھتا ہو۔۔۔ان حقوق پر کسی کو قدغن کی اجازت نہ ہو۔۔۔اپنے حقوق کی جنگ بغیر کسی خوف کہ لڑنا جانتا ہو۔۔۔مگر ہمارے اربابِ اختیار ناجانے کب علم کی اہمیت و وقعت سے اشنا ہونگے۔۔۔ایک سال کیلئے سارا بجٹ تعلیم پر صرف کردیں اور ان اداروں میں مخلص اور محنتی لوگوں کو بھرتی کیا جائے۔۔۔جو حقیقت میں تعلیم کی اہمیت اور افادیت سے باخبر ہوں ۔۔۔جو ملک کو روشن مستقبل دینا چاہتے ہوں۔۔۔یہ ہے

اکیسویں صدی اور ہمارا تعلیمی نظام۔۔۔

حلقہ NA-246 !

پاکستان کو ہر روز نئے نئے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔۔۔پاکستان کو مسائل کی آماجگاہ کہا جائے تو یقینا کسی کو اعتراز نہیں ہوگا۔۔۔دنیا کہ کسی کونے میں کسی قسم کا کوئی مسلۂ رونما ہوتا ہے۔۔۔اسے پاکستان سے کسی نہ کسی طور وابسطہ کر دیا جاتا ہے۔۔۔یا پاکستان کی کوئی نہ کوئی سیاسی جماعت اس مسلئے کو لے کر سیاست شروع کر دیتی ہے۔۔۔یہ مسائل یقینا ہمیشہ سے ہی ہوتے رہے ہونگے۔۔۔آج ہم میڈیا کہ دور میں زندہ ہیں۔۔۔میڈیا کی ہر قسم انتہائی آزادی اور بے باکی سے اپنا کام سرانجام دے رہی ہے۔۔۔مسلۂ کسی کی آبرو ریزی کا ہو یا کسی معصوم کہ قتل کا۔۔۔آج لوگ میڈیا کو ہی اپنا اصل مسیحا قرار دیتے ہیں۔۔۔کوئی بیمار ہے اسکے پاس پیسے نہیں ہیں تو وہ میڈیا سے رجوع کر رہا ہے۔۔۔ کسی نے کچھ خاص کام سرانجام دیا ہے تو وہ میڈیا سے رابطہ کرنے کیلیئے بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔۔۔

پاکستان میں پہلے بھی انگنت ضمنی انتخابات ہو چکے ہیں ۔۔۔ مگر اتنی گہما گہمی شائد ہی کسی ضمنی الیکشن کو نصیب ہوئی ہو۔۔۔ قومی اسمبلی کے حلقہ نمبر ۲۴۶ ۔۔۔آج ہر طرف اسی حلقے میں ہونے والے ضمنی انتخاب کا شور و غل سنائی دیتا ہے۔۔۔اتنا شور جتنا پورے ملک کہ الیکشن میں بھی نہیں سنا گیا

ہوگا۔۔۔لگ یہ رہا ہے کہ یہ ضمنی الیکشن کراچی کی سیاست میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور لانے والا ہے۔۔۔اس تبدیلی کہ اثرات کس سیاسی جماعت کہ توسط سے ہونگے ۔۔۔تبدیلی صرف عوام کی خدمت کی سیاست سے آسکتی ہے۔۔۔یہ آنے والا وقت بتائے گا۔۔۔کراچی کہ شہری ابتک متحدہ قومی مومنٹ کو اپنا مسیحا سمجھتے رہے ہیں۔۔۔یہ وہ جماعت ہے جو کراچی میں پچھلے تیس سالوں سے حکومت کر رہی ہے۔۔۔ان کی بد قسمتی یہ رہی ہے کہ انہیں حکومت مکمل اختیارات کہ ساتھ کبھی نہیں ملی۔۔۔یہ ہمیشہ شراکتی حکومت کرتے آئے ہیں۔۔۔جسے یوں کہا جائے کہ نام کی حکومت ملتی رہی ہے۔۔۔جس کی وجہ سے انکی کافی بدنامی بھی ہوئی۔۔۔متحدہ قومی مومنٹ یقینا ایک سیاسی پارٹی کی الائے کار بن کر چلتی رہی۔۔۔متحدہ قومی مومنٹ اپنے بنیادی منشور سے منحرف نظر آنے لگی۔۔۔پاکستان کی سیاست میں بھوچال لانے والی متحدہ قومی مومنٹ خود بھوچال کا شکار ہوگئی۔۔۔اپنے نظریات سے اپنے منشور سے چوک گئی۔۔۔آہستہ آہستہ نظریاتی متحدہ قومی مومنٹ کا نظریہ، نظریہ ضرورت میں تبدیل ہوتا گیا۔۔۔انہیں باقاعدہ انکے راستے سے بھٹکایا گیا۔۔۔جو منشور وہ لے کر چلے تھے اس سے دور کر دیا گیا۔۔۔اب اسے اسٹیبلشمنٹ کہ سر تھونپے یا کسی اور کہ۔۔۔ان تمام عوامل کی وجہ سے متحدہ قومی مومنٹ کی ساکھ کو بہت نقصان پہنچا۔۔۔اکثریتی پارٹی ہونے کی وجہ سے تمام تر جرائم ان کہ سر مسلط ہوئے۔۔۔جو ذمہ دار ہوتا ہے وہی جوابدہ بھی ہوتا ہے۔۔۔

متحدہ قومی مومنٹ کو اگر اپنی سیاست کو جاری و ساری رکھنا ہے تو اسے واپس عوام میں آنا پڑے گا۔۔۔پھر سے لوگوں کہ ساتھ کھڑے ہو کر گلی محلوں کی صفائی مہم شروع کرنی ہو گی۔۔۔ جیسی متحدہ قومی مومنٹ اپنے نمو کہ دور میں تھی۔۔۔ صرف دریوں پر بیٹھنے سے بات نہیں بنے گی۔۔۔اب عوام کو ان کہ مسائل حل کرواکہ دینا ہونگے۔۔۔اب انکے مسائل پر ایوانوں میں آواز اٹھانا ہو گی ۔۔۔آج کراچی کی گلیوں اور محلوں میں نکاسی آب کا پانی جھوڑوں کی شکل میں کھڑا ہے۔۔۔ کھیل کہ میدان کچرا کنڈی بنتے جارہے ہیں۔۔۔لائبریریاں تو پہلے ہی نہیں تھیں ۔۔۔ ڈسپنسریوں کہ مسائل ہیں۔۔۔سب سے بڑھ کر فراہمی آب کا مسلۂ تو زندگی اور موت کا مسلۂ بن چکا ہے۔۔۔آپ کہ پاس بجٹ نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں۔۔۔آپ اہلِ محلّہ سے آکر ملیں انہیں حقیقت سے آگاہ کریں۔۔۔ سٹریٹ کرائم سے نجات دلائیں۔۔۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو جرائم پیشہ افراد کو پکڑنے میں انکے دستے راست بنیں۔۔۔ایسے تمام لوگوں کو جو داداگیری کی سیاست کرنا چاہتے ہیں انہیں یا تو خارج کریں یا پھر انکی ایک سیاسی کارکن کی طرح تربیت کریں۔۔۔آگاہی نشستیں علاقوں اور محلوں میں منعقد کریں۔۔۔ ممران پارلیمنٹ کا پروٹوکول ختم کرایئے۔۔۔ متحدہ قومی مومنٹ کی قربانیاں لازوال ہیں۔۔۔کیا آپ کہ لوگ قربانیاں دیتے رہینگے ۔۔۔جو لوگ آپ سے نفرت کرتے ہیں انہیں بتائیں کہ آپ ان سے محبت کرتے ہیں ۔۔۔لوگوں کہ دلوں میں جو خو ف و حراس آپکی وجہ

سے یہ آپکے نام لیواؤں کی وجہ سے بیٹھا ہوا ہے۔۔۔اس ڈر اور خوف کو محبت اور پیار سے ختم کیا جاسکتا۔۔۔ مکھی کی فطرت ہے کہ وہ سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر زخم خوردہ جگہ پر بیٹھے گی۔۔۔ متحدہ قومی مومنٹ کو اپنے وہ زخم جو جگت ہنسائی کا سبب بن رہے ہیں۔۔۔ان کی باقاعدہ علاج معالجہ کریں۔۔۔

میڈیا کے اس دور میں اب آپ کسی کو ڈرا دھمکا نہیں سکتے ۔۔۔ تحریکِ انصاف کہ سر یہ سہرا تو سجتا ہے کہ انہوں نے مصلوب آزادیِ اظہار کو آزادی دلوائی۔۔۔ سماجی میڈیا کا استعمال کرنے کا درس بھی دھرنے کی بدولت عوام کو ملا۔۔۔ تحریکِ انصاف کے دھرنے نے جہاں سیاسی افق پر نئی سوچ اور فکر کو جنم دیا۔۔۔وہی تمام سیاست دانوں کو اپنا قبلہ درست کرنے کا بھی اندیاء دیا۔۔۔ دھرنے کی بدولت ذہنوں کو کشادگی ملی۔۔۔یہ دھرنوں کی بدولت ہی ہوا کہ تمام سیاست دان سر جوڑ کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔۔۔ عمران خان صاحب نے سیاست کو کرکٹ کا میچ سمجھ لیا اور وہ بھی ٹونٹی 20 ۔۔۔خان صاحب یہ کیوں بھول گئے کہ میاں صاحب پہلی یا دوسری نہیں بلکہ تیسری دفعہ وزارتِ اعظمی کی نشست پر براجمان ہوئے ہیں۔۔۔یقیناً میاں صاحب کی سیاسی بصیرت کو خان صاحب کا پہنچنا اتنا آسان نہیں۔۔۔ پھر میاں صاحب کہ ساتھ انتہائی منجھے ہوئے لوگوں کا ٹولا بھی موجود ہے۔۔۔ میاں صاحب نے کال کوٹھری میں بھی وقت گذارا ہے ۔۔۔وہ جلا وطنی بھی کاٹ چکے ہیں ۔۔۔انکی پشت پر ہمارے وطنِ عزیز کہ انتہائی ذہین سیاست دان کا بھی

ہاتھ ہے۔۔۔جو مشکل سے مشکل حالات سے بھی مسکراتے ہوئے نکلنے کا ہنر جانتے ہیں۔۔۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اس تاریخی ضمنی الیکشن کا فاتح کون بنتا ہے۔۔۔اور کراچی کی سیاست اپریل کی ۲۳تاریخ کہ بعد کس رخ پر جاتی ہے۔۔۔ کراچی کہ رہاشیوں کو اپنا پاکستانی ہونے کا ثبوت اپنے ساتھ رکھنا بھی لازمی قرار طے پایا۔۔۔اللہ پاکستان کو تا قیامت قائم و دائم رکھے۔۔۔ہمیں وہ ہمت و حوصلہ عطا ہو کہ ہر وہ آنکھ پھوڑدیں جو میلے عزائم سے اس ملکِ خداد کی جانب دیکھے۔۔۔ہر وہ ہاتھ توڑدیں جو اس وطنِ عزیز کو توڑنے کو بڑھیں۔۔۔اللہ ہم سب کیلیئے آسانیاں فرمائے (آمین یا رب العالمین)۔۔۔ بقول سید اکبر حسین المعروف اکبر الہ آبادی کہ اس شعر پر اپنے مضمون کا اختتام کرنا چاہونگا۔۔۔ ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

!اردو سوشل میڈیا سمٹ 2015

۸ مئی بروز جمعہ جامعہ کراچی کہ شعبہ ابلاغ عامہ نے اردو سوشل میڈیا سمٹ کے عنوان سے ایک پروگرام تشکیل دیا۔۔۔جس کا انعقاد جامعہ کراچی میں واقع ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی آڈیٹوریم میں کیا گیا۔۔۔نوکری پیشہ ہونے کے ناطے ہم وہاں دن کے دوسرے حصے میں پہنچ سکے۔۔۔ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ ہم پہلے حصہ میں ہونے والی جس کاروائی سے محروم رہ گئے ہیں اس کوتاہی کا اندازہ دوسرے مرحلے میں ہونے والے معاملات دیکھ کر بخوبی ہوا۔۔۔یہاں ظہرانے کا بھی بندوبست تھا۔۔۔مگر ہم (راقم اور مصدق صاحب) اس ظہرانے سے محروم رہے۔۔۔اس پروگرام میں ملک کے نامور لکھاری (خصوصی طور پر صحافت سے وابستہ)اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ایک بڑی تعداد میں شرکت کی۔۔۔یہ پروگرام انتظامی لحاظ سے کافی منظم تھا۔۔۔انتظامیہ اپنی کارکردگی کا ثبوت دینے کیلئے سر بکف تیار تھی۔۔۔یقیناً اس کا سہرا شعبہ ابلاغِ عامہ کہ سر سجتا ہے۔۔۔پروگرام کہ دیگر شراکت داروں میں ایکسپریس میڈیا گروپ اور اردو سورس شامل تھے۔۔۔اس کے علاوہ میڈیا سے تعلق رکھنے والے افراد بھی وہاں کثیر تعداد میں موجود تھے۔۔۔

یہ اپنی نوعیت کی انوکھی سمٹ تھی۔۔جہاں سوشل میڈیا کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔۔مقررین نے عنوان اور عنوان سے مطابقت رکھتے موضوعات پر بہت سحر انگیز گفتگو کی۔۔جس میں ہم جیسے لکھنے والوں کیلئے بہت کچھ تھا۔۔آخر میں ایک مذاکرہ پیش کیا گیا جس میں ملک کے نامور شرکاء جناب وسعت اللہ خان(بی بی سی اردو) پروفیسر ڈاکٹر محمود غزنوی (چئیرپرسن شعبہ ابلاغِ عامہ)، فیض اللہ خان(صحافی)، اور جناب فیصل کریم (نیوز، اینکرسماء ٹی وی) ۔۔تمام افراد نے اپنے اپنے اظہار کا خیال بھرپور طریقے سے کیا۔۔دورِ حاضر میں سوشل میڈیا کی اہمیت پر بھرپور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔۔پروفیسر ڈاکٹر محمود غزنوی صاحب کی گفتگو انتہائی مدلل اور موضوع کا صحیح احاطہ کئے ہوئے تھی۔۔سوشل میڈیا کی طاقت پر بھرپور اعتماد کیا گیا۔۔یہ باور کرایا گیاکہ

رائج میڈیا آپ کو اپنی صلاحیتیں استعمال کرنے سے روک سکتا ہے مگر سوشل میڈیا پر آپ اپنی تمام تر صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کر سکتے ہیں۔۔۔ان کا کہنا تھا کہ کوئی قوم اس وقت نہیں کر سکتی جب تک اکی قومی زبان بھرپور طریقے سے رائج نہ ہو۔۔۔زبان کی بقا میں ہی قوم اور ثقافت کی بقا ہے۔۔۔زبان ایک تہذیب کی ترجمانی کرتی ہے۔۔۔

یہ پروگرام یقیناً بہت بڑے پیمانے پر کیا جاسکتا تھا۔۔مگر مجھے اداروں میں باہمی رابطے کی کمی محسوس ہوئی ۔۔یہ ایک ایسا معاملہ تھا جہاں تمام یا

زیادہ سے زیادہ انٹرنیٹ پر اردو کی ترویج کیلیے جو لوگ برسرپیکار ہیں انہیں مدعو کرنا چاہیۓ تھا۔۔۔تاکہ دنیا کو یہ پیغام بھرپور طریقہ سے پہنچتا کہ ہم سب اپنی قومی زبان کی بقا کیلیے متفق و منظم ہیں ۔۔۔اس امید کیساتھ بہت جلد ایسا ہی کارنامہ کوئی سرانجام دیگا مگر اس سے بڑے پیمانے پر۔۔۔پانی کا ایک قطرہ پتھر جیسی چیز میں سوراخ کردیتا ہے۔۔۔ہم بھی اردو کیلیے اپنی آواز کو بلند کرتے رہینگے ۔۔۔ایک دن پاکستان کی قومی زبان کو اسکی حقیقی حیثیت مل جاۓ گی۔۔۔

پاکستان کی تضحیک کا سبب - ایکزیکٹ کمپنی یا سیاستدان !

ہمارا پیارا وطن پاکستان ۔۔۔جسے بچارہ پاکستان بھی کہا جائے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں۔۔۔اندوہناک واقعات کی ایک طویل فہرست ہے۔۔۔اس فہرست میں انتہائی المناک واقع آرمی پبلک اسکول پشاور کا ہے۔۔۔دوسرے نمبر پر کراچی میں اسماعیلی برادری کی بس پر فائرنگ کر کہ چھیالیس لوگوں کی جان لے لی گئی ۔۔۔یہ ایسے واقعات تھے جو ہمارے پیارے وطنِ عزیز کہ ماتھے پر بد نما داغ کی صورت لگے ہیں۔۔۔دراصل یہ وہ داغ ہیں جس میں ہمارے لوگوں کا خون بہایا گیا۔۔۔انسانی جانوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔۔۔ان واقعات کے پیچھے کون لوگ ہیں کن کا ہاتھ ہے ۔۔۔یہ جاننے کیلیۓ اور ان سے نمٹنے کیلیۓ ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے رات دن ایک کئے ہوئے ہیں۔۔۔یہ وہ واقعات ہیں جن میں عالمی.برادری ہمارے شانہ بہ شانہ کھڑی ہے۔۔۔

اب دوسری طرف آجائیں ۔۔۔اس طرف جرم کی وہ داستانیں ہیں جو نام ونشان تک نہیں چھوڑتیں۔۔۔یہ داستانیں ہمارے ملک کہ نامور سیاستدانوں سے منسوب ہیں۔۔۔ جن کی انگنت دولت کا راز آج تک کوئی نہیں جان سکا۔۔۔انہوں نے یہ دولت کہاں سے کمائی کوئی نہیں جانتا۔۔۔ کسی میں جاننے کی ہمت بھی نہیں اور کوئی ہمت پیدا بھی نہیں کرتا۔۔۔اس ملک میں جو جتنا بڑا لٹیرا ہے وہ اتنا ہی.بڑا معزز

ہے۔۔۔جاننے کو تو ساری دنیا جانتی ہے کہ کن صاحب نے کیا کیا ہے۔۔۔مگر قانون اندھا ہونے کہ ساتھ ساتھ گونگا، بہرا اور اپاہج بھی ہوگیا ہے۔۔۔نا جانے یہ کیسے لوگ ہیں جو عوام کہ سامنے ایسے جھوٹ بولتے ہیں جیسے انہوں نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔۔۔آفرین ہے انکی غیرت پر انکے غیرت مند اقدامات پر۔۔۔یہاں کسی ایک کا نام لینا مقصود نہیں۔۔۔اس حمام میں سب ننگے ہیں۔۔۔کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کی پشت پناہی میں لگے رہتے ہیں۔۔۔عوام کہ سامنے ایک دوسرے کو گالیاں دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔۔۔درپردہ گلے ملتے رہتے ہیں۔۔۔ان پر اگر قانونی چارہ جوئی ہوئی بھی تو وہ ٹامک ٹوئیاں کا شکار ہو کر کسی منتقی انجام کو نہ پہنچ سکی۔۔۔ہر روز اخبارات میں کوئی نہ کوئی رپورٹ کسی نہ کسی سیاستدان کہ کالے کارنامے چھاپتا ہی ہے۔۔۔مگر کیا فرق پڑتا ہے؟؟؟

پاکستان میں تیزی سے تنزلی کی جانب جانے والی کمپنیوں کی ایک طویل فہرست ہے۔۔۔مگر تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کرنے والی گنی چنی کمپنیاں ہیں۔۔۔ترقی کی منزلیں طے کرنے والی ایک کمپنی ایکزیکٹ ہے۔۔۔یہ ایک انفارمیشن ٹیکنالوجی کمپنی ہے جو پاکستان میں پچھلے دس سالوں سے کام کر رہی ہے۔۔۔اس کمپنی کہ سائے پاکستان کا ایک بہت بڑا میڈیا نیٹ ورک وجود میں آچکا ہے۔۔۔اس گروپ نے آن ائیر ہوئے بغیر ہی پاکستانی ٹیلی اور پرنٹ میڈیا میں بھوچال

پیدا کردیا۔۔۔اس میڈیا گروپ نے ہمارے ملک کہ تمام نامور تجزیہ نگار، صحافی اور یہاں تک کہ خبریں پڑھنے والے اور والیوں کی بھی خدمات حاصل کر لی ہیں۔۔۔ اس گروپ کی باقاعدہ نشریات کا آغاز ہونے میں کچھ کم ہی وقت رہ گیا۔۔۔

ایگزیکٹ کمپنی گزشتہ تین دن سے ہمارے ملک کی ٹیلی اور پرنٹ میڈیا کی زینت بنی ہوئی ہے۔۔۔اب تک تو سب ہی اس بات سے واقف ہو گئے ہونگے کہ ایگزیکٹ پر کیا کیا الزامات لگائے گئے ہیں۔۔۔آمریکی جریدے نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کہ مطابق ایگزیکٹ کمپنی جعلی ڈگریاں بیچنے کہ کاروبار میں ملوث ہے۔۔۔اس کے علاوہ اور کیا کیا ہے وہ ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے معلوم کرہی لینگے۔۔۔

اس مضمون کو یقیناً آپ نے بہت غور سے پڑھا ہوگا۔۔۔یہ بات بھی آپ پر ظاہر کردوں میرا کسی ادارے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی میں کسی کہ مفاد کیلئے سرکردہ ہوں۔۔۔کیا اس کمپنی کا جرم ثابت ہوگیا ہے۔۔۔اور اگر ہوگیا ہے تو کیا یہ جرم ان جرائم سے بہت بڑا ہے جو ہمارے سیاستدانوں سے منسوب ہیں۔۔۔اگر اس جرم کی وجہ سے پاکستان کی تحضیک ساری دنیا میں ہوئی ہے۔۔۔تو کیا ہمارے سیاستدان تو یہ کام اپنے ہر غیر ملکی دورے پر کرتے ہیں۔۔۔پاکستان کی جگ

ہنسائی درحقیقت ہمارے ملک کہ سیاستدانوں سے زیادہ اور کوئی نہیں کرواسکتا۔۔۔سب اس موضوع پر اپنے تاثرات کا اظہار ضرور کریں۔۔۔اللہ پاکستان کا حامی و ناصر ہو۔۔۔

کتابوں سے کیا ملتا ہے!

ہر انسان کی زندگی میں کتاب کی بڑی اہمیت ہے۔۔۔کچھ لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔۔۔اکثریت مادی ضروریات کی تکمیل میں سرگرداں ہیں۔۔۔ کسی سے کوئی بات سن لی یا کہیں کسی اشتہاری بورڈ پر پڑھ لی۔۔۔تو وہ یاد رہ جاتی ہے۔۔۔آج کل اشتہارات کی بھرمار ہے۔۔۔اور ہم لوگ اشتہارات کی زبان بولنے لگے ہیں۔۔۔ جیسے کہ داغ تو اچھے ہوتے ہیں۔۔۔ کیوں کہ اپنا ہے۔۔۔نام ہی کافی ہے۔۔۔ماں خوب جانتی ہے۔۔۔ طرح طرح کہ اشتہارات اپنی زندگیوں میں بھرپور رنگ جما رہے ہیں۔۔۔

اگر آپ کتابوں کی دکان پر کسی مخصوص کتاب کی خریداری کیلیے گئے ہیں تو بہت اچھی بات ہے۔۔۔اگر آپ کسی نامور مصنف، شاعر یا افسانہ نگار کہ نام سے کتاب کہ متمنی ہیں تو بھی ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن آپ صرف کتاب خریدنے چلے گئے ہیں۔۔۔تو آپکو کم و بیش پندرہ یا تیں کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑے گی۔۔۔ پھر شائد آپ کسی کتاب کی خریداری پر اطمنان کا سانس لے سکیں۔۔۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کتاب کا سرورق ٹائٹل یا نام آپ کو متاثر کئے بنا رہے پاتا۔۔۔آپ بغیر کسی ورق گردانی کہ اس کتاب کو خرید لیتے ہیں۔۔ اکثر کتابیں اپنے نام کی بدولت بہت مشہور ہوئیں۔۔۔۔فرحت عباس شاہ صاحب کی آ آگا

جنگل در و دیوار سے اور شام کہ بعد۔۔۔جناب منیر نیازی صاحب کی سفید دن کی ہوا۔۔۔ مستنصر حسین تارڑ صاحب کی قربتِ مرگ میں محبت، حاصل گھاٹ۔۔۔ مظہر السلام صاحب کی مردہ پھولوں کی سمنفنی۔۔۔پروین شاکر صاحبہ کی خوشبو۔۔۔رحیم گل صاحب کی جنت کی تلاش۔۔۔ (ایک طویل فہرست مرتب دی جا سکتی ہے ایسی کتابوں کی) ۔۔۔اس طرح سے بے تحاشہ کتابیں ہیں جو اپنے نام سے ہی پڑھنے والے کی توجہ حاصل کر لیتی ہیں۔۔۔یقیناپڑھنے والے میں بھی کوئی خصوصی صلاحیت قدرت نے رکھی ہوتی ہے۔۔۔جس سے وہ اپنی من چاہی تحریر تک پہنچ جاتا ہے۔۔۔آج کہ اس سماجی ذرائع ابلاغ (سوشل میڈیا) کہ اس دور میں بھی مطالعے کا شوق رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔۔۔جو آخبار کی شہہ سرخیاں تو انٹرنیٹ پر پڑھ سکتے ہیں مگر تفصیلات یا اداریوں کیلئے اخبار ہی اٹھاتے ہیں۔۔۔اس طرح کتابوں سے محبت کرنے والے آج بھی ویسے ہی ہیں۔۔۔جس طرح اچھے لوگوں کی صحبت سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے ۔۔۔اسی طرح کتابوں کہ لمس سے بھی بہت کچھ ملتا ہے۔۔۔

آج کتابیں بہت ہیں ۔۔۔بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔۔۔ہر موضوع کو زیرِ بحث لایا جا رہا ہے۔۔۔مگر بہتری کہ بجائے بگاڑ پیدا ہوا جا رہا ہے۔۔۔معاشرے نے اپنی روش بدل لی ہے۔۔۔جہاں سے تبدیلی آیا کرتی تھی ۔۔۔وہ کھڑکیاں وہ دروازے اب نہیں بنتے۔۔۔ان کھڑکیوں اور دروازوں سے چھن چھن کر آنے والی تبدیلی اب بغیر کسی روک ٹوک کہ چلی آ رہی ہے۔۔۔ہم لوگ ہمارا معاشرہ شرم و حیاء سے عاری ہوا

جارہا۔۔۔جس سے جیسے چاہو بات کرو۔۔۔ چھوٹا اب چھوٹا رہنے کو تیار ہی نہیں
ہے۔۔۔بڑے کی کیا بات کریں۔۔۔کتابیں آج بھی پڑھی جا رہی ہیں۔۔۔ مگر کتابوں
سے بہت پیشہ وارانہ صلاحیتوں سے آراستہ ولیس لوگ تو تیار ہو رہے ہیں۔۔۔ معیشت
دنیا کا سب سے گھمبیر مسلۂ ہے سب اسے سدھارنے پر جتے ہیں۔۔۔ معاشرہ اس معیشت
کہ چکر میں چکرا رہا ہے۔۔۔ بھوکا فاقے کر رہا ہے اور فاقہ زدہ لقمہ اجل بن رہا
ہے۔۔۔اس معیشت کی بھینٹ نہ جانے کتنے ماں باپ اپنے معصوم بچوں کو ابدی نیند سلا
چکے اور اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دوھنا پڑے۔۔۔ بھوک و فاقہ ہمیشہ سے ہے مگر بے
حسی ایسی نہیں تھی۔۔۔روز بہ روز انسانیت اپنی قدر و منزلت کھوتی جا رہی
ہے۔۔۔لوگوں کا حجوم ہے۔۔۔جو صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی بولی سمجھی جائے
۔۔۔اور اسی کی بولی بولی جائے۔۔۔کتابوں سے محبت کیجئے۔۔۔ کم سے کم اپنے آس
پاس جو کتابیں ہیں ان پر گاہے بگاہے کپڑے سے گرد جھاڑئے۔۔۔یہ آپ کو دعائیں
دینگیی۔۔۔کتابیں زندہ ہوتی ہیں۔۔۔ کبھی تنہائی میں ان سے باتیں کیجئے۔۔۔ان میں جو
راز پوشیدہ ہیں۔۔۔لکھنے والے کہ جو راز پوشیدہ ہیں۔۔۔وہ کھول کھول کر بتائینگی۔۔۔
نیشنل بک فاؤنڈیشن ایسا ادارہ ہے جو یوں سمجھ لیجئے کہ وہ کتابیں مفت بانٹ رہا
ہے۔۔۔سال کہ آخر میں ایک بہت بڑا بین الاقوامی سطح کا کتابوں کا میلہ کراچی میں
منعقد ہوتا ہے۔۔۔اس کہ علاوہ کتابوں کہ چھوٹے چھوٹے بازار لگائے

جاتے ہیں۔۔۔ معاشرے میں بہتری لانی ہے تو کتابوں سے جڑنا ہو گا۔۔۔ ہمیں تب ہی پتہ چل سکے گا کہ کتابوں سے ہمیں کیا ملا۔۔۔

! (نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹ (ناپا

ہمارے معاشرے میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد دوسروں کی کردار کشی کرنا اپنا اہم فریضہ سمجھتے ہیں۔۔۔بہت کم لوگ ہیں جو دوسروں کی مخفی اور ظاہری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں سرکردہ نظر آتے ہیں۔۔۔ صلاحیتیں اپنی ہوں یا پھر دوسروں کی انہیں گاہے بگاہے سنوارنے کی ضرورت رہتی ہے۔۔۔پیشہ ورانہ زندگی بھی اسی ڈھنگ سے چلتی ہے کہ آپکو اپنے میدان میں ہونے والی تبدیلیوں سے ہم آہنگ رہنا پڑتا ہے۔۔۔پاکستانی سنوارنے کہ لفظ سے تو بخوبی واقف ہیں مگر اس لفظ کی روحانی حیثیت سے دور دور تک کا کوئی واسطہ نہیں۔۔۔بیوٹی پارلر اور بیوٹی سیلون پاکستان میں بہترین کاروبار ہیں۔۔۔یعنی ہر فرد (بلا تفریق صنف) اپنے آپ کو خوبصورت دکھنا چاہتا ہے تاکہ دوسروں کو۔۔۔جس طرح معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے اسی طرح کسی بھی ملک کی ترقی بھی اسکے افراد کی ترقی سے مشروط ہے۔۔۔دنیا کہ جن ممالک نے ترقی کی انہوں نے معاشی ، معاشرتی ، قانونی ، علمی اور فنون کہ فروغ پر یکساں توجہ دی ۔۔۔یوں سمجھئے زندگی کیلیئے ضروری اقدار کی اہمیت کو بھرپور طریقے سے اجاگر کیا۔۔۔جاپانی فلموں کو دیکھ کر آپ کو جاپان کی ثقافت و اقدار کا علم ہوتا ہے۔۔۔وہ کس طرح اپنی زندگیاں گزارتے ہیں کیسے گھر بناتے ہیں۔۔۔ کس طرح تعلقات نبھاتے ہیں ۔۔۔ہالی وڈ کی موویز کو دیکھ لیں وہ اپنی ثقافت کی بھر

پور ترجمانی کرتے ہیں۔۔۔ان کا معاشرہ جس ڈھب سے چلتا ہے وہ اس کی ترویج کرتے ہیں۔۔۔بالی وڈ کو دیکھ لیں۔۔۔اپنی ثقافت اور مذہب کا بھرپور طریقے سے چرچا کرتے ہیں۔۔۔میڈیا وہ ذریعہ ہے جس کہ زریعے آپ کو گھر بیٹھے کسی بھی ملک کی ثقافت، معاشرت پتہ دے دیتا ہے۔۔۔

تہذیب و تمدن کہ اعتبار سے یونانیوں نے دنیا کو بہت کچھ دیا۔۔۔ سقراط اور ارسطو کا تعلق بھی یونان سے تھا اور اسی طرح سکندرِ اعظم کا تعلق بھی یونان کہ نواح سے تھا۔۔۔لگتا یوں ہے کہ یونانی انسانی اقدار کی نئی جہتوں پر کام کرنا چاہتے تھے یا کیا کرتے تھے۔۔۔ تھیٹر لگانے کا خیال بھی اسی خیال سے مماثلت رکھتا ہے کہ انسان ایک کردار ہے اور دنیا تھیٹر۔۔۔اب انسان میں موجود کردار کو نکالنا یا انسان کو اس کردار سے روشناس کرانا۔۔۔یہ کام بھی یونانیوں نے سرانجام دیا۔۔۔ ہمیں پتہ یہ چلا کہ تھیٹر اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے لوگوں تک کسی خاص پیغام کو پہنچانے کا سب سے پہلا ذریعہ بنا۔۔۔ تھیٹر وہ جگہ تھی جہاں رسوم و رواجوں کی ترویج کو عملی طور پر دیکھایا جاتا تھا۔۔۔ تھیٹر آج نئے زمانے کی ایجادات سے آراستہ و پیراستہ موجود ہے۔۔۔مگر کس حال اور چال میں ہے ہم اس پر پھر کبھی بحث کرینگے۔۔۔ تھیٹر کو افراد میں موجود کرداروں کی تشخیص کی جگہ کہوں تو یقینا غلط نہ ہوگا۔۔۔ فلم اور ڈرامہ، تھیٹر کی جدید اور تبدیل شدہ شکلیں ہیں۔۔۔دنیا میں

جہاں کہیں بھی انقلاب آیا تھیٹر نے انقلاب میں قلیدی کردار ادا کیا۔۔۔جہاں لوگوں میں جذبہ حب الوطنی اور آزادی سے محبت کے درس دیتے تھے۔۔۔ تھیٹر کا بھی تعلق ادب کہ گھرانے سے رہا ہے۔۔۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ پاکستان میں بھی ایک ایسا ادارہ موجود ہے۔۔۔جو افراد میں سے فن کی کشید کر رہا ہے۔۔۔جو عام کو خاص بنانے میں کار فرما ہے۔۔۔یقیناً آپ لوگ اس ادارے سے بخوبی واقف ہونگے جس کا نام نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹ ناپا) ہے۔۔۔یہ ادارہ ۲۰۰۵ میں قائم ہوا۔۔۔ذرا غور طلب مقام ہے کہ یہ ادارہ) ۲۰۰۵ میں قائم ہوا یعنی اس سے پیشتر لوگ باقاعدہ تربیت یافتہ نہیں تھے یا بین الاقوامی اداروں سے سیکھ کر آرہے تھے۔۔۔یا پھر ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر سیکھ رہے تھے۔۔۔اس ادارے میں اداکاری، صداکاری، ہدایت کاری، گلوکاری ، ڈرامہ نگاری اور رقص کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔۔۔یہاں تجربا کار اور نامور اساتذہ جو اپنے اپنے فن کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دے چکے ہیں۔۔۔اس ادارے کہ بانی و صدر بین الاقوامی شہرت کہ حامل محترم جناب ضیاء محی الدین ہیں۔۔۔جو یقیناً اپنی ذات میں ایک ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔آپ لندن کی اکیڈمی آف ڈرامیٹک آرٹ سے فارغ التحصیل ہیں۔۔۔

۲۵ مئی ۲۰۱۵ بروز پیر، تقریبا ۱۲۰۰ بجے دوپہر ہم نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹ (ناپا) پہنچے ۔۔۔جہاں ہماری ملاقات اس ادارے کہ بانی و صدر جناب ضیاء محی الدین صاحب سے طے تھی ۔۔۔ گو کہ ہماری اس ملاقات کا مقصد اردو پر ہماری تحقیق کے حوالے سے تھا۔۔۔ہم سب کی ہی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ضیاء صاحب بولتے جائیں اور ہم سب سنتے جائیں۔۔۔خدا تعالیٰ نے آپ کو جو خوش الحانی دی ہے اور اس پر اندازِ تکلم ۔۔۔آپ جب بات کرتے ہیں تو ایک ایک لفظ کا صحیح معنوں میں حق ادا کرتے ہیں۔۔۔بہت مختصر سی اس ملاقات میں آپ نے اردو کی زبوں حالی کا ذمہ دار اربابِ اختیار کو ٹھہرایا۔۔۔ان کا کہنا تھا کہ ہم جس سطح پر اردو کی خدمت کر سکتے ہیں ۔۔۔ہم کر رہے ہیں۔۔۔ان کا کہنا تھا کہ اپنے لوگوں کی اردو گوش گزار کر کہ بہت دکھ ہوتا ہے۔۔۔چاہے وہ ہمارے خبریں پڑھنے والے بول رہے ہوں یا پھر ڈرامے میں بطور ڈائلاگ استعمال ہو رہے ہیں ۔۔۔انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کے ادارے (ناپا) میں اس بات کا بھرپور خیال رکھا جاتا ہے کہ لفظوں کا استعمال انکے صحیح تلفظ کہ ساتھ کیا جائے۔۔۔

میں اس امید کہ ساتھ وہاں سے روانہ ہوا کہ ناپا میں تعلیم حاصل کرنے والے طالبعلم اپنے پیشے سے اپنے فن سے محبت کرنا بھی سیکھ کر نکلینگے۔۔۔اور اس پیشے کہ تقدس کو بحال کرائینگے۔۔۔یقینا خوش نصیب ہیں وہ طالبِ علم جنھیں ضیاء محی الدین صاحب جیسے استاد ملے اور ان صحبت میں وقت گزارتے ہیں

۔۔۔جنھوں نے اپنی زندگی اس پیشے سے وابستہ گزاردی اور آج بھی اس پیشے کو اور بہتر سے بہتر کرنے پر کمر کسے ہوئے ہیں۔۔۔اس ادارے کی شاخیں دوسرے صوبوں کہ بڑے۔بڑے شہروں میں قائم ہونی چاہیے۔۔۔تاکہ ہمارے ڈرامے اور تھیٹر سے آنے والی نسلوں کو ادب کا درس مل سکے۔۔۔اور ایک اچھا معاشرہ تشکیل پائے۔۔۔پاکستان کی ترقی اور خوشحالی میں اپنا کردار نبھائے۔۔۔امید ہے کہ ناپا پر ایک تفصیلی مضمون آپ لوگوں کی خدمت میں جلد پیش کرونگا۔۔۔

ایک چھوٹی سی خبر!

اخبارات و رسائل اٹھالیں یا کوئی بھی برقی نشریات لگالیں۔۔۔ایک ہی طرح کی خبریں آپ کی سماع خراشی کرتی سنائی دینگی۔۔۔ ملک کے بڑے بڑے نامور لوگوں کی بد عنوانیوں اور کالے کارناموں کے قصے ۔۔۔جو محض قصے اور کہانیاں ہی ہوتے ہیں۔۔۔ کیوں کہ ہمارے ملک کا قانون کمزور، شریف اور لاچار و نادار لوگوں کیلئے بنایا گیا ہے ۔۔۔جو جتنا کمزور ہوگا قانون اتنا جلدی حرکت میں آئے گا۔۔۔ ہمارے ملکِ خداداد کے صحافی صاحبان کسی خفیہ ایجنسی سے کم نہیں ۔۔۔ہمارے لئے ایسی ایسی خبریں نکال کرلاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔۔۔یقین سے تو نہیں مگر گمان سے کہہ سکتا ہوں کہ ان خبروں پر ہمارے خفیہ ادارے حیران و پریشان ضرور ہوتے ہونگے۔۔۔ یہاں جو جتنا برا ہے وہ اتنا معتبر ہے ۔۔۔جو کوئی کسی جرم میں جیل جاتا ہے وہ معتززن کی فہرست میں شامل ہوجاتا ہے ۔۔۔اب تو نامور صحافی کسی بڑے سیاست دان سے کم نہیں رہے۔۔۔ان سے بھی ڈرا جاتا ہے بلکہ بچا جاتا ہے ۔۔۔اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نہ تو کوئی اسلامی قانون نافذ ہے اور نہ ہی جمہوریت کا اتا پتہ ہے ۔۔۔ہمارے ملک میں معززین اور غیر معززین کی سند ان ہی صحافیوں سے ملا کرتی ہے ۔۔۔ہمارے ملک میں کسی بدعنوان و ملک دشمنی میں ملوث ہونے والوں کو عدالت کے کٹھہرے

میں نہیں دیکھا گیا۔۔۔مگر یہ افراد ملک کے معزز ترین لوگ ہیں۔۔۔ملک کی باگ دوڑ ان کے ہاتھ میں ۔۔۔یہی وہ لوگ ہیں جو بھتہ خوروں ، اغواء برائے تاوان وصول کرنے والوں اور نا معلوم افراد کی پشت پناہی کرتے ہیں ۔۔۔اپنے اقتدار اور نام نہاد اختیار کیلیئے۔۔۔یہی لوگ ہمارے ملک کے اخبارات کی رونق ہیں۔۔۔یہی معززین ٹیلی میڈیا کی شان بڑھاتے جلوہ گر رہتے ہیں۔۔۔

مندرجہ بالا سطور سے قارئین شائد ہی اختلاف کریں۔۔۔مگر اس مضمون کا مقصد یا ایک چھوٹی سی خبر یہ ہے کہ اردو زبان کو آہستہ آہستہ سرکاری زبان میں تبدیل کرنا شروع کر دیا گیا ہے۔۔۔یا اسے اس کی حیثیت دینا شروع کی جا رہی ہے ۔۔۔اس میں سپریم کورٹ نے کلیدی کردار ادا کیا ہے ۔۔۔حکومت نے بھی اپنا دل بڑا کیا اس کارِ خیر میں بھرپور خیر سگالی دکھائی۔۔۔یہ خبر اردو زبان سے محبت کرنے والوں کے لئے یقینا بہت بڑی خوش خبری ہے ۔۔۔قومی زبان کی افادیت اس کہ بھرپور اطلاق کہ بعد نظر آنا شروع ہو جائے گی۔۔۔ثقافتی سطح پر ، سیاہتی سطح پر اور سفارتی سطح پر اس کہ مثبت نتائج آنا شروع ہو جائینگے۔۔۔تعلیم کو عام کرنے میں بہت مدد ملے گی ۔۔۔۔ہم یقینا ایک بہت بڑا پاٹ عبور کر لینگے۔۔۔رائے عامہ ہموار کرنے میں مدد ملے ہی۔۔۔تعصب کو کم سے کم سطح پر آنے میں مدد ملے گی۔۔۔قومی زبان وہ بنیادی اکائی ہے جو ہمیں ایک قوم بننے میں یقینا مددگار ثابت ہوگی۔۔۔ایکسپریس اخبار نے اردو پر ہونے والی عدالتی کاروائی سے بھرپور

طرح سے آگاہ رکھا۔۔۔ہم نے ٦٨ سال لگائے قومی زبان کو قومی زبان کہنے میں اور اس حقیقت کو ماننے میں۔۔۔

اب قومی زبان کہ انقلاب کو معاشرتی (سوشل) میڈیا پر بھرپور طریقے سے نافذ کرنا ہماری قومی ذمہ داری ہے۔۔۔قومی زبان کو حقیقی معنوں میں ملک کہ وقار کو بحال کرنے کیلیے استعمال کرنا ہے۔۔۔یہ وہ وقت ہے کہ تعلیم کی بھرپور نمو کی جائے۔۔۔تعلیمی نظام کی تقسیم ختم کی جائے۔۔۔بنیادی تعلیم کو آسان ترین بنایا جائے جس میں معاشرتی واخلاقی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے۔۔۔اداروں میں انگریزی اور اردو کو یکساں اہمیت دی جائے۔۔۔حکومت کا یہ اقدام کتنا فعل ہے یہ آنے والا وقت بتائے گا۔۔۔مگر یہ قدم فعل ہوگیا تو ملک کو امن وترقی کی راہ پر گامزن کردے گا ۔۔۔معاشرے میں توازن پیدا کردیگا۔۔۔ایسا ہوگیا تو پاکستان گونگا نہیں رہے گا۔۔۔ہمارے وہ لوگ جو انگریزی کو اردو کی طرح بولتے ہیں ان کی مشکل آسان ہوجائیگی۔۔۔

جو افراد دنیا میں جہاں کہیں اردو کی ترویج کیلیے بر سرپیکار ہیں۔۔۔ان کی محنت رنگ لاتی دیکھائی دے رہی ہے۔۔۔اردو زبان کے نیم مردہ لاشے کو پھر سے تنفس فراہم کیا جارہاہے۔۔۔خدارا ہم دعا گو ہیں کہ اس ملک میں قومی زبان کی طرح دیگر قومی اصلاحات نافذ کی جائیں جن سے عام آدمی کو پاکستانی کہلانے

میں فخر محسوس کر سکیں۔۔۔

امید، ہمت اور خود اعتمادی!

ہماری ہزار سال کی حکمرانی سو سالہ غلامی نگل گئی۔۔۔ہم بھول گئے ہم نے اس برِ صغیر میں ہزار سال حکمرانی کی ہے۔۔۔ہمارے حکم کی تعمیل کرنے والوں نے ہمیں دھوکہ دہی سے اور اغیار کی مدد سے ہمیں محکوم بنا دیا۔۔۔ہم حکمرانی کا دور بھول گئے۔۔۔ایک بھرپور سازش کہ تحت وہ دور ہمیں بھلا دیا گیا۔۔۔تاکہ ہماری آنے والی نسلیں ان کے حکم کی بجاآوری کرتی رہیں۔۔۔اس سازش میں جہاں دنیا جہان کہ مورخین شامل ہیں وہیں ہمارے اپنے اسلاف بھی اس کا حصہ ہیں۔۔۔

شائد اس کی وجہ وہ ظلم و ستم تو نہیں جو مسلمانانِ ہند نے دورانِ غلامی سہے۔۔۔کہ وہ سب بھول گئے کہ اس سرزمین پر ہماری حکمرانی تھی۔۔۔معاشرتی، معاشی، تعلیمی غرض یہ کہ ہر میدان میں ہمیں دیوار سے لگادیا گیا۔۔۔ہمیں جسمانی اور ذہنی اذیتوں سے کرچی کرچی کردیا گیا۔۔۔اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ایک سوچی سمجھی سازش کہ تحت ہماری بربادی کا سامان کیا گیا۔۔۔ تعلیم سے ہمیں دور رکھا گیا۔۔۔سر سید احمد خان نے بہت کوششیں کیں اس دور کہ مسلمانوں کو یہ احساس دلانے کی کہ تعلیم ہو گی تو سب پھر سے حاصل کیا

جاسکے گا۔۔۔مگر جہالت اور دشمن کے ہتھ کنڈے کارگر ثابت ہوتے رہے۔۔۔جہالت کا اندھیرہ بڑھتا گیا۔۔۔محمد علی جناح امیرِ کارواں کے روپ میں مسلمانوں کی ڈوبتی ناؤ کو پار لگانے کا تنِ تنہا بیڑہ اٹھایا۔۔۔سوچنے اور سمجھنے والی بات تو یہ ہے کہ گنتی کے علم سے وابستہ و روشناس لوگوں نے پاکستان جیسی مملکت کی داغ بیل ڈالی۔۔۔اگر سرسید احمد خان کی بات مان کر اس وقت کے مسلمان تعلیم کی اہمیت کو سمجھ جاتے اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑتے۔۔۔تو کوئی شق و شبے والی بات نہ تھی کہ حکمرانی پھر ہماری ہوتی۔۔۔کوئی ہمارے خلاف سازش نہیں کرسکتا تھا۔۔۔کوئی ہمارے تشخص کو گرہن نہیں لگا سکتا تھا۔۔۔مگر ہم جہالت کے اندھیروں میں ڈوبتے چلے گئے۔۔۔

قائدِ اعظم پہلے پہل ہندوستان کو آزاد کروانا چاہتے تھے۔۔۔وہ چاہتے تھے کہ انگریزوں سے نجات حاصل کی جائے وہ ایک محبِ وطن ہندوستانی تھے۔۔۔مگر وقت نے ان پر یہ راز افشاں کیا کہ ہندو انگریزوں کے ساتھ مل کر ان پر زیادتیوں کے پہاڑ گرا رہے ہیں۔۔۔ہندو قائدِ اعظم سے مخلص نہ تھے۔۔۔قائدِ اعظم کو اس بات کا ملال بھی تھا کہ ہندو انہیں دھوکا دے رہے ہیں۔۔۔قائدِ اعظم نے نیا جنم لیا اور مسلمانوں کی جدوجہد کو یکجا کرنے پر جت گئے۔۔۔یہ انکا ہی کمال تھا کہ برِ صغیر کے مسلمان سبز ہلالی پرچم تلے ایک ہوگئے۔۔۔مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ بن گئی۔۔۔

سیاسی بصیرت اور معاملہ فہمی قائدِ اعظم کا طبیعت کا خاصہ تھی ۔۔۔آپ کبھی مشکلوں سے نہ گھبرائے نہ کسی کہ رعب و دبدبے سے متاثر ہوئے ۔۔۔یہ تمام خصوصیات ان کو تعلیم کی بدولت میسر آئیں۔۔۔وہ امید، ہمت اور خود اعتمادی کا پہاڑ تھے۔۔۔انہیں بخوبی علم تھا کہ پاکستان کی تحریک میں شامل ہر نوجوان ان خوبیوں سے مالا مال ہے مگر بد قسمتی سے اسے اپنی ان صلاحیتوں کا علم نہیں ہے۔۔۔

قائدِ اعظم کی امید، ہمت اور خود اعتمادی کی بدولت پاکستان تو وجود میں آگیا۔۔۔ابھی ان نوجوانوں کی تربیت کا کام باقی تھا۔۔۔ابھی ان نوجوانوں کو انکی ان خصوصیات سے شناسا وآگاہ کرنا تھا۔۔۔مگر قدرت نے محمد علی جناح کو یہ موقع نہیں دیااور اپنے پاس واپس بلالیا۔۔۔وہ نوجوان بکھر گئے۔۔۔قومیتوں اور مسلکوں میں بٹ گئے۔۔۔اپنی خدا داد صلاحیتیں نوزائیدہ مملکت کی تعمیر وترقی میں نہ لگا سکے۔۔۔کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں رہا۔۔۔ہیروں کی پہچان کرنے والا جوہری نہیں رہا۔۔۔ہم محمد علی جناح اور انکے ساتھیوں کی کوششوں سے آزاد تو ہوگئے۔۔۔مگر افسوس آ ٦٨ سال گزر جانے کہ بعد بھی ہم اپنے پیروں پر نہ کھڑے ہو سکے۔۔۔ہم غلامی کا طوق اپنی گردنوں سے نہیں اتار سکے۔۔۔ہم قائد کہ خوابوں کی تعبیر نہیں کر سکے۔۔۔ہم کلمے کی بالادستی نہیں کر سکے۔۔۔ہم

چادر اور چار دیواری کا درس عام نہیں کر سکے۔۔۔ہم اور ہمارے نام نہاد لیڈران دشمن کہ الاکار بن کہ رہ گئے ہیں۔۔۔آج پاکستانیوں کو اپنی پاکستانیت ثابت کرنی پڑھ رہی ہے۔۔۔کیسا بھی وقت ہو ہمیں قائدِ اعظم کی امید، ہمت اور خود اعتمادی کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔۔۔اور اپنے سب سے بڑے دشمن ۔۔۔جہالت۔۔۔ کو علم کی روشنی سے شکست دینے کا تہیہ کرنا چاہیے۔۔۔اللہ پاکستان کو تا قیامت قائم و دائم رکھے اور ہمیں اس کی عظمت روز بروز بڑھانے کی ہمت و طاقت نصیب فرما (آمین)

۔۔۔پاکستان پائندہ باد۔۔۔

!محبت جسم کی صورت

(شیخ خالد زاہد)

مجھے نہیں معلوم تھا کہ محبت کہ بھی پیمانے ہوتے ہیں۔۔۔ محبت پیمانوں میں تولی جاتی ہے۔۔۔ محبت کی درجہ بندی ہوتی ہے۔۔۔ محبت رشتوں کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔۔۔ماں سے الگ اور باپ سے محبت الگ طرح کی ہوتی ہے۔۔۔ بہن بھائی کی محبت کہ تکازے کچھ اور ہوتے ہیں۔۔۔ اولاد سے محبت کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔۔۔ بیوی کی محبت کیا کہا جائے۔۔۔یعنی محبت کو رنگوں سے ماخوذ کیا جاسکتا ہے۔۔۔ نیلی ، پیلی ، لال ، ہری ، گلابی ، عنابی۔۔۔ پیمانوں سے تول کر محبت کہ نام رکھدینے چاہئیں۔۔

محبت کا تعلق کسی تہذیب و تمدن سے نہیں ہوسکتا۔۔۔ محبت کا تعلق کسی دین و مذہب سے نہیں ہوسکتا۔۔ محبت کا تعلق کسی ملک یا علاقے سے نہیں ہوسکتا۔۔۔ محبت ایسا جذبہ ہے جو دنیا کی ہر تہذیب و تمدن ، دین و مذہب اور ملک و علاقے میں موجود ہے ۔۔۔اور روزِازل سے ہے کائنات کہ وجود سے ہے۔۔۔اگر یہ کہاجائے کہ اس کائنات کے وجود میں آنے کی وجہ بھی محبت ہے تو شائد یہ

غلط نہیں ۔۔۔ محبت جہاں زمان و مکاں سے آزاد ہے وہیں اسے زبان کی بھی کوئی ضرورت نہیں ۔۔۔ یہ جذبہ خدائے بزرگ و برتر نے ہر انسان کو بخشا ہے ۔۔۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد معلوم سے پہلے ہی نامعلوم وادیوں میں کھو جاتے ہیں ۔۔۔ محبت انگنت روپ لئے ہوئے ہے ۔۔۔ کائنات کا وجود خوبصورتی سے وابستہ ہے ۔۔۔ یہ خوبصورتی کا تعلق روح سے ہے ۔۔۔ کوئی بھی چیز اپنی طبعی ساخت کی بنیاد پر خوبصورت ہی ہے ۔۔۔ یہ من کی آنکھ پر منحصر ہے کہ وہ اس چیز کو کن تناظر میں دیکھتی ہے ۔۔۔ کائنات کی ہر چیز کہ ہونے کا قدرت کہ پاس ایک فلسفہ موجود ہے ۔۔۔ شاذو نادر ہی اس فلسفے تک کوئی رسائی پا سکتا ہے ۔۔۔

محبت جو کائنات کہ وجود میں آنے کا بھی ذریعہ ہے ۔۔۔ کہا یہ جانے لگا ہے کہ اب صرف قصوں اور کہانیوں میں ہی ملا کرتی ہیں ۔۔۔ جیسے پھولوں سے خوشبو کا غذی پھولوں میں منتقل ہو چکی ہے ۔۔۔ اب باغ پھولوں سے بھرے ہوتے ہیں لیکن خوشبو کا کہیں نام و نشان نہیں ہوتا ۔۔۔ نہ ہی الفاظ کچھ بیان کر پاتے ہیں ۔۔۔ محبت مزاج سے ہٹ کر کوئی چیز ہوتی ہے ۔۔۔ نہ یہ پارسائی کی دعویدار ہے ۔۔۔

غزل کا ایک شعر ہے

ڈھونڈتے ہو تم خوشبو کاغذی گلابوں میں
پیار صرف ملتا ہے آجکل کتابوں میں

محبت کو نہ تو دلائل سے ثابت کیا جا سکتا۔۔۔نہ ہی جتا کہ ۔۔۔ محبت ہے تو بس ہے۔۔۔بقول امجد اسلام امجد

محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے تو
پانی کم نہیں ہوتا۔

جب لوگ کسی سے محبت کرتے ہیں تو اسکی تمام برائیاں بھول جاتے ہیں ۔۔۔اور جب کسی سے نفرت ہو جائے تو اسکی تمام اچھائیاں بھول جاتے ہیں۔۔۔ کہا یہ جاتا ہے جہاں روشنی کم ہو جائے وہاں اندھیرہ آ جاتا ہے ۔۔۔تو زمانے میں محبت کم ہو گئی ہے جبھی تو نفرت کی زیادتی ہوئے جا رہی ہے۔۔۔ہمارے قلم سے محبت کی شان میں کچھ اسطرح سے گستاخی ہوئی کہ (غزل کا ایک شعر ہے)

محبت جسم کی صورت لئے پھرتی ہے بازاروں میں
مل جاتی ہے چند روپیوں اور دیناروں میں

الفاظ بے روح سے لگنے لگے ہیں۔۔۔رشتوں سے نا جانے کیوں گھن سی آنے لگی ہے۔۔۔ کون کس سے کس سبب میل ملاپ بڑھا رہا ہے نہیں معلوم۔۔۔کیا محبت وہ ہے جو چھپ چھپ کہ کی جائے یا پھر وہ ہے جو سرِ عام کی جائے۔۔۔ محبت برباد نہیں ہونے دیتی ۔۔۔ محبت برباد بھی نہیں کرتی۔۔۔ محبت ہی محبت بھی نہیں کرنے

دیتی۔۔۔ مگر کوئی تو برباد ہوتا ہوگا۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تخلیق ہو اور کوئی تخریب نہ ہو۔۔۔ تخریب سے مراد ٹوٹ پھوٹ ہے۔۔۔ دل کا ٹوٹنا بھی تو تخریب کہ ذمرے میں ہی آتا ہے۔۔۔ دل ٹوٹتا ہے تو کتنی تباہی لاتا ہے۔۔۔ تخریب کاری محبت میں ناکامی یا دل کہ ٹوٹنے کہ سبب ہی وجود میں آتی ہوگی۔۔۔ دوسری طرف یہ ہی دل کا ٹوٹنا حقیقی خالق سے قریب بھی کر دیتا ہے۔۔۔ محبت سپردگی کا بھی ایک نام ہے۔۔۔ اگر محبت ہے تو میرا سب کچھ تیرا ہے۔۔۔ تن من دھن سب کہ سب۔۔۔ تیرے لئے ہو یا نا ہو۔۔۔ میرے لئے اہمیت تیری ہی۔۔۔ یو لگنے لگا ہے کہ جیسے اگر کوئی رشتہ نبھانا چاہتا ہے تو وہ رشتہ کی لاش لئے در بدر گھومتا رہے۔۔۔ ایک اپنے وجود کا بوجھ سنبھالے اور دوسری طرف رشتوں کہ لاشے۔۔۔ تھکان ہی تھکان۔۔۔

شائد۔۔۔ محبت صرف خدا سے کی جانی چاہئے۔۔۔ آپ خدا کہ بنائے ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرتے رہیں۔۔۔ اِدھر ادھر سجدے کرتے رہیں۔۔۔ تعویز گنڈوں اور منتوں دھاگوں میں الجھے رہیں۔۔۔ یا کسی زمینی خدا سے الفت میں لتھڑے رہیں۔۔۔ مگر پھر بھی خدا آپ سے محبت کرتا رہیگا۔۔۔ وہ آپ کیلئے مہیہ کی گئیآ کسیجن بند نہیں کرے گا۔۔۔ نہ ہی وہ زمین کی زرخیزی کو بنجر پن میں بدلے گا۔۔۔ وہ اجناس پیدا کرنا بند نہیں کرے گا۔۔۔ وہ اپنی محبت کے دلائل دیتا رہے گا۔۔۔ اور اپنی رغبت پر اکساتا رہیگا۔۔۔ پچکارتا رہے گا۔۔۔ اب آپ کی مرضی اس سے یکتا محبت

کرو یا پھر بٹی ہوئی۔۔۔وہ آپ سے ویسی ہی محبت کرتا رہے گا۔۔۔ جیسی وہ کرتا ہے یعنی ستر ماؤں سے زیادہ۔۔۔

کراچی ادارہ امراضِ قلب

(Karachi Institutue of Heart Diesease)

پاکستان وہ ملک ہے جہاں ہر پاکستانی جشنِ آزادی ، یومِ پاکستان ، دفاعِ پاکستان اور ایسے تمام دن بڑے پرجوش اور والہانہ انداز میں مناتے ہیں۔۔۔دل اور جیب دونوں کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔۔۔ہمارا یہ جوش اور جذبہ اس بات کی گواہی سمجھی جاتی ہے کہ ہم پاک سرزمین سے کتنی محبت کرتے ہیں۔۔۔مگر کیا یہ جوش جذبہ ان چند مخصوص دنوں کہ منانے کیلیئے رہ گیا ہے ؟۔۔۔عرضِ پاک سے اصل محبت یا حب الوطنی کہتے ہیں ملک کی ترقی اور خوشحالی میں اپنا حصہ ڈالنا۔۔۔سب سے پہلے نمبر پر قانون کا احترام آتا ہے جس کی پاسداری ہر پاکستانی پر فرض ہے ۔۔۔دوسرے یہ کہ عوام کی فلاح و بہبود کیلیئے جو ادارے کام کر رہے ہیں انکا ہر حال میں خیال رکھنا۔۔۔ہوائی اڈے ، ریلوے اسٹیشن، بس ویگن اسٹینڈ، ہسپتال اور دیگر عوامی سہولیات کا خیال رکھنا اولین ترجیح ہونی چاہیئے۔۔۔ترجیحات میں آپ جس ادارے میں ہیں وہاں پر گندگی نہ پھیلایئے اور آپکی خدمت پر معمور عملے کہ ساتھ تعاون کیجیئے۔۔۔اشتعال انگیزی اور شور شرابے سے پرہیز کریں۔۔۔یہ ادارے اور ان میں اپنی خدمات سرانجام دینے والے افراد ہم میں سے ہی ہوتے ہیں۔۔۔مگر وہ بہت محدود وسائل کہ باوجود ہمارے

لئے بہتر سے بہتر کرنے کی جستجو کرتے نظر آتے ہیں۔۔۔

دنیا کہ ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ممالک کا جائزہ لیجئے۔۔۔لوگ اپنے ملک کو حقیقی معنوں میں اپنے گھر کی طرح سمجھتے ہوئے۔۔۔اسے صاف ستھرا رکھنے میں اپنا بھرپور حصہ ڈالتے ہیں۔۔۔قوانین کا احترام کرتے ہیں۔۔۔سب سے بڑھ کر ایک دوسرے کا خیال کرتے ہیں۔۔۔عمر رسیدہ افراد کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔۔۔یہ معاشرتی عوامل انکی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔۔۔ حقیقی معنوں میں اپنے ملک سے محبت کرتے ہیں۔۔۔

انتظامیہ کی نااہلی اور عملے کی عدم دلچسپی ادارے کی یا مملکت کی تباہی کہ بنیادی عناصر ہیں۔۔۔پاکستان کہ چند اہم ترین ادارے جو تباہی کہ دھانے پر کھڑے ہیں یا تقریباً تباہ ہو چکے ہیں۔۔۔جن میں پاکستان اسٹیل، پاکستان انٹرنیشنل ائر لائنزاور پاکستان ریلویزانتہائی قابلِ ذکر ہیں۔۔۔چھوٹے موٹے اداروں کی تباہی و بربادی کی تو ایک طویل فہرست ہے۔۔۔

اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو ۲۰۰۵ء سے دل کہ امراض کیلئے کراچی شہر کہ ضلع وسطی میں ایک ادارہ جسے کراچی ادارہ امراض قلب (Karachi Institute of Heart Deasieases) کہ نام سے جانا جاتا ہے۔۔۔عموماً لوگ اسے چھوٹا کارڈیو بھی (NICVD)

کہتے ہیں۔۔۔ہمارے والد صاحب ۱۹۸۷ء سے دل کے عارضے میں مبتلا ہیں۔۔۔علاج کی شروعات کارڈیو سے ہوئی اور عرصہ دراز تک وہیں سے ہوتی رہی۔۔۔ہم اپنے بڑوں کہ منہ سے وہاں کی تعریفیں ہی تعریفیں سنا کرتے تھے۔۔۔وقت گزرتا گیا۔۔۔والد صاحب کے معالج بدلتے رہے۔۔۔کراچی کہ حالات بدلتے گئے۔۔۔افراد اور ٹریفک کی بہتات ہوتی گئی۔۔۔مختصر فاصلے طویل تر ہوتے گئے۔۔۔کارڈیو کہیں گم ہو گیا۔۔۔پچھلے چار پانچ سالوں سے والد صاحب کی طبعیت نے تواتر سے خراب ہونا شروع کیااور ہمیں ایمرجنسی کی ضرورت پڑی۔۔۔ایسے میں کراچی ادارہ امراض قلب (Karachi Institute of Heart Deasieases) جو کہ ہماری پہنچ میں ہے جانا پڑا۔۔۔اس ادارے اور اسکے پیشہ ورانہ اسٹاف (ڈاکٹرز اور پیرامیڈیکل) نے اپنی خدمت سے ہمارا دل موہ لیا۔۔۔پھر تو ہمارا آنا جانا لگا رہا۔۔۔

۲۱ اگست کی رات ہمارے والد صاحب کی طبعیت کچھ بگڑی تو ہم انہیں لے کر سیدھے کراچی ادارہ امراض قلب (Karachi Institute of Heart Deasieases) پہنچے ۔۔۔ پہنچتے ہی فرسٹ ایڈ ٹریٹمنٹ شروع ہوئی ۔۔۔ طبعیت نہیں سنبھلی مگر ڈاکٹر اور پیرامیڈیکل اسٹاف نے بھی ہمت نہیں ہاری اور نہ ہی کہیں اور لے جانے کا مشورہ دیا۔۔۔طبعیت اور بگڑی ایمرجنسی سے والد صاحب کو Cardiac Care Unit (CCU) میں شفٹ کرنا پڑا۔۔۔وہاں کا اسٹاف ایسی صورتحال سے نمٹنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔۔۔طبعیت یہاں تک بگڑ گئی کہ والد صاحب کو Ventilator یعنی

مصنوعی سانس دینے والی مشین پر منتقل کرنا پڑا۔۔۔عملے نے ہماری ہمت بندھا کہ رکھی کہ اللہ کہ حکم سے جلد اپنی سانس پر آ جائینگے۔۔۔وقت گزرتا گیا چوبیں گھنٹے گزر چکے تھے ۔۔۔اڑتالیس گھنٹوں کہ بعد Ventilator نکالا گیا۔۔۔اب آکسیجن پر منتقل کیا گیا۔۔۔اللہ کہ حکم اور کراچی ادارہ امراض قلب (Karachi Institute of Heart Deasieases) کہ عملے کی محنت وخدمت نے ہمارے لئے اعلی مثال قائم کی ہے۔۔۔معاملات کی سنگینی جھیلی ۔۔۔مگر کمربستہ رہے اور ہمیں بھی ٹوٹنے نہیں دیا۔۔۔اللہ کہ حکم سے اور عملے کی صیح سمت میں کوششوں سے ہمارے والد صاحب بہت تیزی سے روبا صحت ہو رہے ہیں۔۔۔اب آپ قارئین کی دعا بھی ملے گی تو اور تیزی سے ٹھیک ہوتے جائینگے۔۔۔انشاء اللہ

پہلے یہاں نمازپڑھنے کی جگہ کا خصوصی بندوبست نہیں تھا۔۔۔اب یہاں ایک چھوٹی سی باقاعدہ مسجد نما نمازپڑھنے کی جگہ بنادی گئی ہے۔۔۔نماز باجماعت کرانے کیلئے باقاعدہ امام کا بندوبست بھی کیا گیا ہے ۔۔۔لیکن ٹوائلٹ کی صفائی کا قطعی خیال نہیں رکھا جارہا ۔۔۔جس کہ باعث ناپاکی کا بہت زیادہ خطرہ رہتا ہے۔۔۔

اپنے اس مضمون کہ توسط سے میں اس ادارے کہ سربراہ اور دیگر منتظمین سے درخواست کرنا چاہونگا کہ اس ادارے کو بچالیں ۔۔۔اس ادارے کی ہم لوگوں کو بہت

ضرورت ہے۔۔۔اس کی اہمیت ہم سے زیادہ بہتر اور کوئی نہیں جان سکتا۔۔اس ادارے کی خدمت اپنی دنیا اور آخرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیجئے۔۔۔آپ لوگ یقینا بہت انہماک سے اس ادارے کو پروان چڑھانے کیلئے کوشاں ہیں۔۔۔مگر انتظامی لحاظ سے کچھ خامیاں باقی ہیں جن کی نشاندہی کرنا میں اپنا فرض سمجھ رہا ہوں۔۔۔سب سے پہلے اس امر کو لازمی قرار دیا جائے کہ عملہ دارانِ ڈیوٹی کوئی نشہ آور (جیسے پان، گٹکا، نسوار اور سگریٹ) چیز استعمال نہیں کرے گا۔۔۔اگر ایسا کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اسے خاطر خواہ سزاوار ٹھہرایا جائے گا۔۔۔اسی طرح ہسپتال کی اہمیت و نوعیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جتنا بھی ممکن ہو سکے صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں۔۔۔ایک سپروائزر صرف صفائی ستھرائی کی دیکھ بھال پر معمور ہونا چاہیئے۔۔۔ہسپتال کہ ٹوائلیٹ اور واش رومز کی حالت انتہائی خراب ہے۔۔۔اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔۔۔عملے کہ ریفریشر کورسس کروائے جائیں۔۔۔عملے میں انسانیت کی خدمت کا جذبہ اور اجاگر کیا جائے۔۔۔اس بات سے کوئی اختلاف نہیں کہ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں بہت محدود وسائل میں کر رہے ہیں۔۔۔مگر آپ ان ہی چیزوں کو صحیح سمت میں لے کر چل پڑینگے۔۔۔انشاء اللہ آپ کا یہ ادارہ بہت جلد شہر کہ بلکہ ملک کہ چیدہ چیدہ اداروں میں شمار کیا جائے گا۔۔۔

آپ لوگ مسیحائی کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔۔۔کوئی آپکو دعا دے یا نہ دے اللہ

دیکھ رہا ہے۔۔۔وہ آپ کی محنت کو رائگاں نہیں جانے دیگا۔۔۔ محترم منتظم صاحب آپ اورآپ کا ایک ایک اعلی کارخراج تحسین کا مستحق ہے۔۔۔جو اتنے محدود وسائل میں اتنا بڑا ادارہ چلا رہے ہیں۔۔۔

آخر میں ایک دفعہ پھر یہی التجا ہے کہ خدارا اس ادارے میں نظم و ضبط بھرپور طریقے سے نافذ کیجئے اور اسے تباہی کی طرف جانے سے بچا لیجئے۔۔۔ہماری دعا ہے کہ یہ ادارہ اپنی اعلی خدمت کی بدولت دنیا میں جانا پہچانا جائے۔۔۔ کراچی بلکہ پاکستان کیلئے ایک تابندہ ستارہ بن کر چمکے (آمین)۔۔۔

! پاکستان میں تہلکہ

روزانہ اخبارات خبروں سے لبریز ہوتے ہیں۔۔۔خبروں کی نوعیت کے مطابق طرح طرح کہ منہ بنا کر ان اخبارات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔۔۔کچھ لوگوں کی تو شکلیں اخبارات و رسائل پڑھ پڑھ کر بگڑ چکی ہیں۔۔۔یوں تو آجکل بہت اچھی اچھی خبریں پڑھنے کو مل رہی ہیں۔۔۔ایک طرف ملک کو دہشت گردی سے پاک کئے جانے کیلئے ہر ممکن اقدامات کئے جارہے ہیں۔۔۔جس کی بدولت اب دہشت گرد اور دہشت گردی آخری سانسیں لیتی نظر آرہی ہے اور اپنے انجام کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔۔۔دوسری طرف ایک اور محاذ کھولا گیا ہے۔۔۔جو اگر پہلے کھول دیا جاتا تو شائد دہشت گردی اس درجے پر نہ پہنچتی۔۔۔جی ہاں ! کرپشن کے خلاف جو محاذ شروع ہوا ہے۔۔۔اگر جنگی بنیادوں پر اس کرپشن کہ محاذ پر کام کیا جائے تو دہشت گردی کہ ساتھ ساتھ اور بہت سے ملکی مسائل خود بہ خود حل ہوجائینگے۔۔۔تاریخ کی ورق گردانی کریں تو شاذو نادر ہی ایسے واقعات ملتے ہیں۔۔۔جن میں ملک کہ کسی بڑے سیاست دان یا سیاست دان سے تعلق رکھنے والے شخص کو صحیح سلامت گرفتار کیا ہو اور اسے عدالت میں پیش کیا گیا۔۔۔اگر ایسے واقعات اوراق کی زینت بنے بھی ہوں تو ان کی وقعت کہانیوں اور داستانوں سے زیادہ نہیں رہی۔۔۔ کبھی تفتیشی افسر غائب ہوگیا تو کبھی ریکارڈ غائب ہوگیا۔۔۔ غلطی سے بات آگے بڑھی بھی تو اے کلاس جیل کی

سہولیات نے اسے برباد کردیا۔۔۔آج کل کرپشن کرنے والوں کا جو پنڈورا بکس کھولا گیا ہے۔۔۔اول یہ کہ وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔۔۔دوئم یہ کہ ہر رات کی صبح ہوتی ہے اور ہر فرعون کیلئے موسیٰ ہیں۔۔۔

سال ۲۰۱۵ میں ۱۴ اگست اور ۶ ستمبر اتنی بھرپور طریقوں سے منائی گئیں کہ اگر کوئی پاکستان کے کیخیلاف کسی بھی قسم کی کوئی غلط فہمی لئے بیٹھا تھا تو وہ سرے سے دور ہو گئی ہوگی۔۔۔ہم پاکستانیوں نے دنیا کو باور کرادیا ہے کہ ہمارے داخلی حالات کیسے بھی ہوں۔۔۔ہمارے سیاستدان کتنے ہی نااہل کیوں نہ ہوں۔۔۔کتنے ہی کرپٹ اور پیسے کہ پجاری کیوں نہ ہوں۔۔۔کتنے ہی خون کہ پیاسے کیوں نہ ہوں۔۔۔پاکستانی عوام اور افواج پاکستان اپنے وطن عزیز کی جانب اٹھنے والی آواز اور آنکھ دونوں کا بھرپور جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔ہمارا ازلی دشمن جس سے ہمارے سیاستدان اپنے ذاتی مفادات کی خاطر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے کتراتے ہیں۔۔۔اس خوش فہمی میں مبتلا بیٹھا ہے کہ ہم داخلی معاملات میں الجھے ہوئے ہیں۔۔۔مگر اسے ہمارے سپاہ سالار کا شائد اب علم ہوگیا ہوگا کہ داخلی معاملات کیسے بھی ہوں سرحدی معاملات جس کہ حوالے ہیں وہاں کوئی ابہام کی کیفیت نہیں۔۔۔وہ صرف اور صرف اس ملک کی بقاء کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔۔۔

ہم پاکستان کہ آرمی چیف جناب عزت ماآب جنرل راحیل شریف صاحب کو تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اس قوم میں اپنے تاریخی فیصلوں اور کارناموں سے قوم میں ایک نئیں روح پھونک دی ہے۔۔۔ہم اللہ رب العزت سے دعا گو ہیں کہ اللہ آپکے اختیارات اورحیات کو دوام دے۔۔۔آپ اسی جانفشانی سے پاکستان کی خدمت سرانجام دیتے رہیں۔۔۔اس ملک میں نام نہاد جمہوریت چل رہی ہے۔۔۔حقیقت میں یہ ملک جب کبھی جمہوریت کی ڈگر پر چلنا شروع ہوتی ہے تو۔۔۔اقتدار گدھوں کہ پاس چلا جاتا ہے۔۔۔گدھ وہ جانور ہے جو مردار کھاتاہے۔۔۔ہر طرح سے ہم عوام کو مار کر روز و شب کی چکی میں پیس کر مار کر ہم پر حکومت کرتے ہیں۔۔۔

آج پاکستان میں تحلکہ مچا ہوا ہے۔۔۔نا نظر آنے والی بھاگ دوڑ لگی ہوئی ہے۔۔۔کوئی کچھ چھپانے کی تگودو میں لگا ہوا ہے تو کوئی چھپنے کی کوشش میں سرگرداں ہے۔۔۔ملک کہ اداروں میں ایک نا نظر آنے والی بھاگ دوڑ لگی ہوئی ہے۔۔۔اس حمام میں سب ننگے ہیں۔۔۔

یہ پاک سرزنہ تو دہشت گروں کو کوئی جگہ دے رہی اور اب نہ دے گی۔۔۔ان دہشت گردوں کی طرح اب ان کرپٹ ذدہ لوگوں کو بھی یہ پاک سرزمین چھپنے کی جگہ نہیں دے گی (انشاءاللہ)۔۔۔پاکستان، پاک ہونے جا رہا ہے۔۔۔اللہ ان تمام آلہ کار کی

حفاظت کرے جو اپنے فرائض پاکستان کی بقاء کیلئے سرانجام دے رہے ہیں۔۔۔ہم ایک پاکستانی ہونے کا ثبوت دیں اور ان تمام خبروں اور باتوں کو نظر انداز کردیں جو ان اداروں کہ خلاف ہوں جو پاکستان کو پاک کرنے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔۔۔ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارا پیارا ملک پاکستان بہت جلد لسانیت اور فرقہ واریت سے پاک ہوجائے گا (آمین)۔۔۔

!وطنِ عزیز۔ایک ادارہ۔ اور اسکے وزیر مشیر

کوئی بھی ادارہ اس وقت تک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا جب تک اس ادارے کی انتظامیہ ادارے اور ادارے کہ ورکروں سے مخلص نہ ہو۔۔۔اپنا خلوص اور اس کا احساس کروانہ انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔۔۔اس کہ ساتھ ساتھ پیشہ ور مہارین کی معاونت سے ادارے کو درپیش مسائل سے نکالنااور دوبارہ ان مسائل سے پیشتر نمٹنے کیلیئے تیاری کرنا۔۔۔ادارے کی انتظامیہ ہمہ جہت طریقے سے ادارے کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔۔۔ادارے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ورکروں کو ذہنی اور عصابی اسودگی کیلیئے ہر ممکن سہولیات فراہم کرے۔۔۔اداروں کی کامیابی میں ادنہ سے ادنہ ورکر کا بھی حصہ ہوتا ہے۔۔۔اور اس حصے کا انتظامیہ برملا اظہار بھی کرتی ہے۔۔۔جہاں پیشہ ورانہ ماحول کسی ادارے کا ضامن ہے وہیں ادارے کی ترقی میں اس کہ ورکرز کی دعائیں اور نیک نیتی بھی برابری کی شراکت رکھتی ہیں۔۔۔
مندرجہ بالا سطور کو اب اسطرح دیکھئے کہ پاکستان ایک ادارہ ہے اور اس کہ وزیر مشیر انتظامیہ ہے۔۔۔اداروں میں مختلف محکمے ہوتے ہیں۔۔۔ان محکموں پر انتظامیہ کی جانب سے تعینات کردہ افسران اپنی ذمہ داریاں اداکرتے

ہیں۔۔۔محکمے چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی ۔۔۔جیسے پیداواری محکمہ بڑا ہوتا ہے ۔۔۔اسی طرح انسانی وسائل کا ادارہ قدرے چھوٹا ہوتا ہے۔۔۔مگر ہر محکمہ کی عمل داری ادارے کی ترقی میں برابری کی اہمیت رکھتی ہے ۔۔۔اب ملکی معاملات چلانے کیلئے جب حکومت تشکیل پاتی ہے تو وہ مختلف محکموں کہ وزیر بناتی ہے ۔۔۔وزیر ان محکموں کی کارگردگی اور بہتر بنانے کا حلف لیتے ہیں ۔۔۔کیونکہ ملک کی ترقی ان اداروں کی مرہونِ منت ہوتی ہے ۔۔۔بہت افسوس اور شرمندگی کہ ساتھ یہ لکھناپڑھ رہاہے کہ یہ محکمے اور تباہی کی جانب پیش قدمی شروع کردیتے ہیں ہیں۔۔۔

آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ نئے ادارے لگانے سے پہلے حکمران موجود تباہ حال اداروں پرتوجہ کیوں نہیں دیتے۔۔۔نئے سرے سے کسی کام کو کرنا وقت طلب اور مشکل ہوتا ہے جبکہ پہلے سے موجود کام کو صحیح کرنا شائد اتنا دشوار نہیں ہوتا۔۔۔پہلے ان اداروں کو واپس منافع بخش بنانے کیلئے سر جوڑ کر بیٹھاجائے ۔۔۔وہاں ان عوامل کو نکال باہر کیا جائے جو ادارے کی تباہی کہ ذمہ دار ہیں۔۔۔یہ کیسے مسائل حل کرنے والے لوگ ہیں جو ہمارے ملک کہ سربراہ ہونے کا دعوی کرتے پھرتے ہیں ۔۔۔کہ اداروں کو بیچ کر قومی خزانہ اپنے اخراجات پورے کرنے کیلئے بھرلیا جاتاہے۔۔۔

عوام کا کیا قصور ہے کہ وہ ایسے نمائندے کیوں چنتے ہیں جو نااہل ہوتے ہیں۔۔۔یا چلے ہوئے کارتوس سے کیوں شکار کرنے کی سوچتے ہیں۔۔۔ لیکن اس حکمران طبقے نے عوام کو تعلیم اور دیگر بنیادی ضرورتوں سے اتنا دور رکھا ہوا ہے۔۔۔۔ وہ صبح ان بنیادی ضرورتوں کہ حصول کی تگ و دو میں نکلتے ہیں تو رات گئے تھکے ماندے اپنے ٹھکانوں پر واپس آتے ہیں۔۔۔کچھ کہ پاس گھر میں موجود سوالیہ نظروں کا جواب ہوتا ہے اور کچھ کی نظریں ہی خالی ہوتی ہیں۔۔۔دنیا بہت تیزی سے آگے کی جانب بڑھ رہی ہے۔۔۔ ہم اس سے کہیں زیادہ تیزی سے تنزلی میں دھنسے جارہے ہیں۔۔۔ کرپشن کینسر نما ناسور کی طرح ہمارے وطن کو دیمک کی طرح چاٹے جارہا ہے۔۔۔ کوئی صدارتی محل میں بیٹھ کر کرپشن کررہا ہے تو کوئی آپس لوٹ مار میں لگا ہوا ہے۔۔۔

زبانی جمع خرچ کرنے سے ترقی نہیں ہوتی۔۔۔ عوام پر ٹیکس کا بوجھ ڈالنے سے بھی ترقی نہیں ہوتی۔۔۔ترقی کرنے والے ممالک کی روش انقلابی ہوتی ہے۔۔۔ ملک میں موجود وسائل کو ترقی کیلیئے بروئے کار لاتے ہیں۔۔۔وہ ملک کی ترقی میں حائل ہر رکاوٹ کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں۔۔۔ کسی قسم کا کوئی دباؤ ملک سے غداری کہ مترادف ٹھہرتا ہے۔۔۔اور غداروں کو تو نشانِ عبرت بنانا چاہئے۔۔۔

ہمارے وزیروں کو صرف اس بات پر زور دینا چاہئے۔۔۔کہ وہ اپنے علاقوں میں جہاں کہ لوگوں نے انہیں ووٹوں کی صورت میں اعتماد دیا ہے زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ بتائیں ۔۔۔علاقے کی ترقیاتی کاموں کہ لئے بجٹ لائیں اور اپنی زیرِ نگرانی ان کاموں کی تکمیل کروائیں۔۔۔وزیروں کہ مابین یہ مقابلہ ہو کہ کس کہ علاقے نے یا محکمہ نے ان کہ دور میں کتنی ترقی کی کتنے فیصد شرح خواندگی بڑھی ۔۔۔لوگوں کو کتنے فیصد صحت کی سہولیات مہیہ کی گئیں ۔۔۔پانی کہ مسائل کس حد تک حل کروائے ۔۔۔چوری و رہزنی پر کتنے فیصد قابو پایا ۔۔۔کوئی ایک دورِ حکومت ان بنیادی چیزوں پر کام کرلے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔۔۔پاکستان کسی سوئٹزلینڈ سے کم نہیں۔۔۔ہم پاکستانی محنت و مشقت و جفاکشی کہ لئے تو ساری دنیا میں مشہور ہیں۔۔۔ہمیں ہمارے وطن کیلیئے کوئی استعمال ہی نہیں کرتا۔۔۔حضرتِ اقبال کہ اس شعر پر اپنا کچھ ادھورا کچھ پورا سا مضمون ختم کرونگا۔۔۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
زرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

!تعلیمی نظام اور محکمہ تعلیم

تعلیم وہ شعبہ ہے جس میں اقوام کی ترقی کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔۔۔اس شعبہ کی ذمہ داری ان افراد کہ حوالے ہی کرنی چاہیۓ جو نا صرف خود اعلی تعلیم یافتہ ہوں۔۔۔ بلکہ تعلیم کی اہمیت و افادیت سے بخوبی واقف ہوں۔۔۔ کوئی ذمہ داری بغیر احساسِ کہ اپنی حقیقت کو تسلیم نہیں کرواسکتی۔۔۔اگر احساس ہوگا تو نتیجہ بھی اچھا نکلے گا۔۔۔ تعلیم نہ صرف ملکوں کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے بلکہ معاشرے کی روش کا تعین بھی صحیح اور مثبت سمت میں رکھتی ہے۔۔۔ہم دہرے مزاج کے ملک میں رہتے ہیں۔۔۔ قانون ساز قانون سے بالاتر۔۔۔امراء غرباء سے بالاتر۔۔۔جس کہ پاس پیسہ ہے اسکے پاس سب ہے۔۔۔سب سے۔بڑھ کر ہم دوہرا تعلیمی نظام بھی رکھتے ہیں۔۔۔ معاشرتی تقسیم تعلیم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔۔۔دوہرا نظام تعلیم طالبِ علموں میں احساسِ محرومی کو جنم دیتا ہے۔۔۔یہ اثر اس حد تک بڑھتا ہے کہ اسی تعلیم کی بدولت چور، ڈاکو، لٹیرے اور دہشت گرد بنتے ہیں۔۔۔آپ دنیا میں ہونے والے بڑے بڑے دہشت گردوں کی فہرست پر نظر ڈالیں آپ کو ایک سے۔بڑھ کر ایک ذہین افراد ملینگے۔۔۔اور یہی احساسِ محرومی معاشرے سے اچھائی کے خاتمے کا بیج بنتا جارہا ہے۔۔۔پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں اسکولوں کی بہتات ہے۔۔۔ایک طرف تو ہر محلے کی تیسری یا چوتھی گلی میں ایک اسکول کھلا ہوا ہے

۔۔۔ بلکل کسی پرچون کی دکان کی طرح۔۔۔ دوسری طرف ایک ایسا نظامِ تعلیم ہے جو لگتا ہے خلائی علم کی تعلیم دے رہا ہے۔۔۔ تیسری طرف مدارس ہیں جہاں طالبِ علموں کو دنیاوی تعلیم کہ ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی بھرپور طرح سے دی جاتی
ہے۔۔۔ ہمارے ملک میں موجود مدارس حکومت کے کرنے کا اہم ترین کام سرانجام دے رہے ہیں۔۔۔ اس قوم کے بچوں کو بغیر کسی معاوضے کہ تعلیم کہ ساتھ ساتھ پال رہے ہیں۔۔۔ تعلیم بغیر تربیت کہ ڈاکٹرز انجینئرز وغیرہ تو بنا دیتی ہے۔۔۔ اونچے عہدے بھی مل جاتے ہیں۔۔۔ مگر انسانیت کہیں گم ہو جاتی ہے انسانیت گم ہو جائے تو احساس مٹ جاتا ہے۔۔۔

پاکستان میں تعلیم کی کمی ہے نا طالبعلموں کی۔۔۔ یہاں کمی ہے تو ضابطہ اخلاق کی۔۔۔ ہم ہمیشہ معاملات سے نمٹنے کیلئے وقتی طور پر کوئی عبوری ضابطہ اخلاق بنا دتے ہیں۔۔۔ بلکل ایسے ہی ہے کہ دہشت گردی کے مقدمات سے نمٹنے کیلئے دہشت گردی کی عدالتیں بنا دی گئیں ہیں۔۔۔ ہم لوگ روز بروز بے حس اور سست ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔ اس کا تعلق ہمارے ارد گرد کہ ماحول سے ہے۔۔۔ محدود وسائل اور لامحدود مسائل۔۔۔ اور ان مسائل کا کوئی حل کرنے والا نہیں۔۔۔ اگر آپکی گلی کا گٹر بہہ رہا ہے تو بہتا رہے۔۔۔ آپ کو تکلیف ہے تو آپ جمعدار ڈھونڈ کر لے آئیں اور وہ صاحب بھی اپنی من مانی رقم وصول کئے بغیر نہیں جائیگے۔۔۔ ایک طرف حکومت کو اپنی رٹ کی پڑی رہتی ہے ۔۔۔ کہیں کوئی حکومتی رٹ چیلنج کر رہا

ہوتا ہے اور کوئی نہیں۔۔۔حکومت قانون نافذ کرنے والے اداروں کو آگے کر دیتی ہے اور بیٹھ کر تماشا دیکھتی رہتی۔۔۔

آج تعلیم باقاعدہ کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔۔۔جس طرح مہنگائی کہ خلاف عوام سڑکوں پر نکل آتی ہے بلکل اسی طرح اسکولوں کی بڑھتی ہوئی فیسوں کہ خلاف بھی والدین سڑکوں پر نکلنے کیلیۓ مجبور ہو گۓ۔۔۔وزیر اعظم صاحب نے اپنے اختیارات کا استعمال کیا اور والدین کہ مطالبے کو تسلیم کروایا۔۔۔بات دراصل یہ ہے کہ انگنت تعلیمی نظام کیوں کیا یہ حکومت کی رٹ کو چیلنج نہیں۔۔۔جی بلکل یہ بھی حکومت کی رٹ کو چیلنج ہے۔۔۔اس مضمون کہ توسط سے محکمہ تعلیم کو کچھ تجاویز درج ذیل ہیں۔۔۔

منفی سوچ اور لسانیت کہ خاتمے کیلئے دوہرا نظامِ تعلیم ختم کر دیا جاۓ۔۔۔

حکومت تعلیمی اداروں کا ضابطہ اخلاق مرتب دے۔۔۔

اسکولوں کی تعداد علاقے کی آبادی سے مشروط ہو۔۔۔

باضابطہ تعلیم کا محکمہ کسی بھی اسکول کی بنیادی ضروریات کا تعین کرے اور باقاعدہ سند جاری کرے۔۔۔

محکمہ تعلیم اساتذہ کے تعین میں نجی اسکولوں کو معاونت فراہم کرے۔۔۔

ضلعی انتظامیہ میں بھی ایک نشست تعلیم کہ لئے معاونِ خصوصی تعین کیا جائے۔۔۔
جو کونسل کی سطح پر اسکولوں کی جانچ پڑتال کرے اور اسکولوں کو ضابطہ اخلاق پر عمل (
پیرا ہونے میں مدد گار ثابت ہو

ہر شہری کو یکساں تعلیم اور قابلیت کی بنیاد پر طالبِ علموں کو اعلی تعلیم کہ لئے یکساں
مواقع فراہم کئے جائیں۔۔۔

اساتذہ کی تنخواہیں اتنی بڑھائی جائیں کہ وہ تدریس کو حقیقی معنوں میں عبادت سمجھ کر
کرنے لگیں۔۔۔

تعلیم ہی حقیقی معنوں میں معاشرے میں انقلاب لا سکتی ہے۔۔۔ یہ سیاست دان اپنی
ایڑی چوٹی کا زور لگالیں۔۔۔ پاکستان کی تقدیر صرف تعلیم سے بدلی جا سکتی ہے۔۔۔ تعلیم
کو جیسے چاہیں پروان چڑھائیں۔۔۔ لوگوں کو کتابوں تک آسان رسائی دیں۔۔۔ کتابوں
کہ سستے بازار لگائے جائیں۔۔۔ لوگوں کو کتابوں سے قریب کرنے کی ہر ممکن کوشش
کی جائے۔۔۔ اسکولوں کی انتظامیہ اور اساتذہ تعلیم کی خدمت بطور عبادت سمجھ کر کرنا
شروع کر دیں۔۔۔

خصوصی طور سے تمام سیاسی جماعتوں سے ہمدردانہ اپیل کرتا ہوں کہ اپنی جماعتوں کہ
اراکین و ذمہ داران کو یہ مشن سونپ دیں کہ اپنی جماعت کا کوئی

رکن کوئی ذمہ دار جاہل نا رہ پائے۔۔۔آنے والی نسلوں کو تعلیم کی اہمیت روشناس کروایئے۔۔۔آپ اپنی سیاست کو زندہ رکھنے کیلئے بڑے بڑے جلسے کرتے ہیں۔۔۔تمام پارٹی کہ سربراہوں سے درخواست کرتا ہوں۔۔۔ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر ایک اسٹیج پر کھڑے ہوکر پاکستان کی عوام کو تعلیم کی اہمیت سے روشناس کرادو۔۔۔حکومتیں گرانے کیلئے عوام کا جسطرح ساتھ مانگتے ہو۔۔۔آپ تمام لوگ تعلیم کو لازم و ملزوم بنانے میں آپ ان کہ ساتھ ہوجائیں۔۔۔میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔۔۔اگر تعلیم و شعور کی شمع ہر پاکستانی کہ گھر میں جل گئی۔۔۔اگر تعلیم کی اہمیت سب کو پتہ چل گئی۔۔۔تو ملک سے انتہا پسندی، عسکریت پسندی، لسانیت، علاقائیت، تعصب جیسے ناسوروں سے ہمارا ساتھ چھوٹ جائے گا۔۔۔پھر سب پاکستان کیلئے کام کرینگے۔۔۔پھر بجلی کا بحران نہیں رہے گا۔۔۔پھر سیلاب ہماری سرزمین کو برباد نہیں سیراب کرینگے۔۔۔پھر نوکریوں کیلئے ہمیں ملک چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔۔۔ڈاکٹر عبدالقدیر، ڈاکٹر ثمر مبارک مند، ڈاکٹر عطاء الرحمٰن اور ان جیسے قابل اور محبِ وطن پاکستانیوں کی ایک فوج ہوگی۔۔۔

حکومتِ وقت نے جس طرح دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے ضربِ عضب نامی آپریشن جاری کیا ہوا ہے۔۔۔اور وطنِ عزیز کا ہر فرد حکومت کہ اس اقدام کو بھرپور طریقے سے سراہا رہا ہے۔۔۔بلکل اسی نوعیت سے بھرپور اور مکمل یکسوئی کہ ساتھ تعلیم

کی ترویج کا پروگرام بنائے۔۔۔اس پروگرام کو ہنگامی بنیادوں پر آگے کی جانب بڑھایا جائے۔۔۔پورے ملک سے والنٹیرز بلائے جائیں جو تعلیم کی ترویج کیلئے اپنی جو صلاحیت چاہیں آنے والی نسلوں کو منتقل کرے۔۔۔

جی ہاں !آپ کو یہ باتیں جذباتی لگ رہی ہونگی لیکن آپ غور کیجئے جذبات ہوشمندی کہ شانہ بشانہ ہیں۔۔ یہ سب ممکن ہے۔۔۔بس سارے اختلافات ساری سیاست پس پشت رکھ کر یکساں تعلیم کی ترویج پر بھرپور کام کیا جائے۔۔۔پاکستان تعلیم یافتہ ہوگیا۔۔۔تو سمجھو پاکستان ترقی یافتہ ہوگیا۔۔۔انشاء اللہ پاکستان ترقی یافتہ ہو کر رہے گا۔۔۔

(آمین)

! بھارتی گیتا اور پاکستانی صبا

اپنے مضمون کا آغاز ایک شعر سے کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام۔۔۔ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا۔۔۔ ہم پاکستانی بین الاقوامی قوانین کا بھی بھرپور احترام کرتے ہیں اور انسانیت پر مبنی قوانین بھی ہماری پرورش کا حصہ ہوتے ہیں۔۔۔

یہ کوئی نئی بات نہیں کہ پاکستان اور پاکستانیوں نے انسانیت کی ایک اور اعلی ترین مثال قائم کردی۔۔۔ یہ جانتے بوجھتے کہ گیتا نامی لڑکی کا تعلق پاکستان کہ ازلی دشمن بھارت سے ہے۔۔۔اسے خیریت و عافیت کہ ساتھ سال ہا سال سنبھالے رکھا اور پھر اسے اس کہ ملک چھوڑ کر آئے۔۔۔ گیتا تقریباً بارہ سال قبل سمجھوتا ایکسپریس (پاکستان اور بھارت کہ درمیان چلنے والی ٹرین) کہ اسٹیشن لاہور سے پاکستان رینجرز کو ملی تھی۔۔۔ اس وقت گیتا کی عمر نو یا دس سال ہوگی۔۔۔۔ گیتا نے ایک دھائی سے زیادہ عرصہ پاکستان میں ایدھی ہوم میں گزارا۔۔۔ گیتا کی واپسی بھارتی فلم بجرنگی بھائی کہ مرہونِ منت ہوئی یا بجرنگی بھائی جان گیتا کی مرہونِ منت بنی۔۔۔ دونوں میں کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے۔۔۔ گیتا کی واپسی میں حسبِ معمول ہمارے میڈیا نے بھرپور کردار

ادا کیا (میڈیا اپنا کردار پاکستان آرمی کی طرح ادا کر رہا ہے)۔۔۔ایدھی فاؤنڈیشن ایک ایسا ادارہ ہے جو انسانیت کی خدمت سرحدوں کی قید سے آزاد ہو کر کر رہا ہے۔۔۔ایدھی صاحب کہ نام سے کی ساری دنیا معترف ہے۔۔۔ اس ادارے میں خدمت بلا تفریق مذہب و نسل و قومیت کی جاتی ہے۔۔۔جسے کہیں جگہ نا ملے وہ ایدھی ہوم پہنچ جائے ۔۔۔پاکستان ایسے لوگوں سے مالا مال ہے جو دکھی انسانیت کی خدمت کا درد اپنا درد سمجھتے ہیں ۔۔۔جو انسان کی بھوک کی تکلیف سے واقف ہیں۔۔۔ عبدالستار ایدھی صاحب کسی تعارف اور تعریف کہ محتاج نہیں ہیں۔۔۔گیتا اور نا جانے کن کن مذاہب سے تعلق رکھنے والے ایدھی ہوم میں دنیا و مافیا سے دور اپنی زندگیاں گزار رہے ہونگے۔۔۔ایدھی صاحب زندہ لوگوں کی خدمت کا کام تو سرانجام دے ہی رہے ہیں مگر دوسری طرف کوئی نامعلوم لاش ہو کوئی جلی مسخ شدہ لاش ہو کہا یہ جاتا ہے جسے نہلانے سے سب منا کر دیتے ایدھی صاحب اسے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا کرتے ۔۔۔ میرا یہ مضمون ایدھی فاؤنڈیشن یا عبدالستار ایدھی صاحب کہ خاندان پر نہیں ہے۔۔۔ایدھی صاحب بہت علیل ہیں ان کی صحتیابی کیلئے خصوصی دعا فرمایئے۔۔۔اللہ تعالی کو بتائیں کہ ہمیں زمین پر ان کی کتنی ضرورت ہے۔۔۔

گیتا کی واپسی پر پاکستان میں موجود کسی مذہبی یا جہادی تنظیم یا طالبان نے کوئی رخنہ نہیں ڈالا اور نا گیتا کو واپس بھیجنے پر کوئی واویلا کیا۔۔۔ گیتا

تو بھارت پہنچ گئیں۔۔۔ سرکاری سطح پر انکا استقبال کیا گیا۔۔۔ گیتا کی واپسی کہ سارے عمل سے پاکستان نے اپنے پر امن اور صلہ رحمی کا پیغام نہ صرف بھارت بلکہ ساری دنیا کو پہنچا دیا۔۔۔ دوسری طرف بھارتی فوج نے اسی دن ورکنگ باؤنڈری شکر گڑھ نارووال سیکٹر زپر تابڑ توڑ گولہ باری کر دی جس کہ نتیجے میں صبا نامی خاتوں شہید ہوئیں۔۔۔ صبا بی بی سمیت کئی اور نہتے لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔۔۔ زخمیوں کا کوئی اندازہ نہیں۔۔۔ کیا یہ بھارت کی طرف سے شکریہ کا جواب تھا بھارت کی عزت کو بھارت بخیر و عافیت پہنچانے کا۔۔۔ گیتا تو اپنے گھر والوں کہ نزدیک پہنچ گئی مگر صبا بی بی اپنے گھر والوں سے ہمیشہ کیلئے بہت دور چلی گئی۔۔۔ صبا کہ گھر والے ہر سال جب اسکے بچھڑنے کا برس منائینگے تو انہیں یہ بھی یاد آئے گا کہ آج پاکستان نے بھارت کی ایک بیٹی کو اس کہ گھر پہنچایا تھا اور بھارت نے ہماری بیٹی کو ہم سے ہمیشہ کیلئے دور کر دیا تھا۔۔۔ صبا کہ گھر والے پاکستانی فوجیوں اور حکومتی اداروں سے کیا سوال کرینگے۔۔۔

پچھلے دنوں پاکستان کرکٹ بورڈ کہ چئیر مین شہریار خان، بھارتی کرکٹ بورڈ کے صدر شاشنک منوہر سے طے شدہ ملاقات کیلئے بھارت پہنچے تو وہاں انکی ملاقات کو کس خوبصورتی سے تہہ نہس کیا گیا۔۔۔ بھارت کی ایک پارٹی شیو سینا نے وہ ادھم مچایا کہ شہریان خان صاحب کو یوں سمجھئے اپنی جان بچا کر وہاں سے نکلنا

پڑا۔۔۔گو کہ پاکستان کرکٹ بورڈ نے بھرپور کوشش کی کہ طے شدہ ملاقات کسی طرح ہو جائے۔۔۔مگر شیو سینا نے ایسا نا ہونے دیا۔۔۔کیا شیو سینا کو نکیل ڈالنے کیلئے بھارت کہ حفاظتی حکام و ادارے ناکام ہو گئے۔۔۔معلوم نہیں۔۔۔یا پھر بھارت کرکٹ بورڈ یا حکومت کی خواہش کہ عین مطابق اس ملاقات کو منسوخ کروایا گیا۔۔۔یہ سب کیا ہے ۔۔۔ہم کیوں بھارت کہ ساتھ غیر رسمی تعلقات کو فروغ دینے کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔۔۔جبکہ بھارت اپنی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کا ثبوت انگنت موقعوں پر دے چکا ہے۔۔۔پاکستانی کھلاڑیوں کو حفاظت کی وجہ سے انڈین پریمئر لیگ (آئی پی ایل) میں شریک نہیں کرتے۔۔۔ہمارے بورڈ کو چاہئے نا صرف آنے والے بین الاقوامی ٹونٹی ٹونٹی ورلڈ کپ جو انڈیا میں منعقد ہونا ہے اس کا بائیکاٹ کرے اور یہ شرط رکھے کہ آئندہ آئی پی ایل میں پاکستانی کھلاڑیوں کی نیلامی کو یقینی بنائیں۔۔۔اب تو سرکاری سطح پر بھارت میں موجود پاکستانی مشہور شخصیات (سیلیبریٹی) جن میں کرکٹرز اور شوبز سے تعلق رکھنے والوں کو جلد سے جلد ملک چھوڑنے کا نوٹس دے دیا ہے۔۔۔

عبدالستار ایدھی کہ صاحب زادے فیصل ایدھی نے پاکستانیوں کا سر فخر سے اور اونچا کردیا جب انہوں نے بھارتی وزیرِ اعظم نریندر مودی کی چندے میں دی ہوئی خطیر رقم لینے سے انکار کردیا۔۔۔پاکستان اور پاکستانی عبدالستار ایدھی اور ان کہ خاندان پر ہمیشہ فخر کرتے رہینگے۔۔۔ہم پاکستانی امن پسند

ہیں اور ہمیشہ امن کہ خواہاں رہے ہیں۔۔۔
مذکورہ بالا تمام معاملات پر بین الاقوامی میڈیا اور بین الاقوامی طاقتوں نے اپنا کیا ردِ عمل ظاہر کیا۔۔۔آئے دن کی بھارتی افواج کی گولہ باری پر بین الاقوامی میڈیا اور بین الاقوامی طاقتوں نے کیا ردِ عمل ظاہر کیا۔۔۔ہم ہر معاملے میں اپنی گردن سب سے پہلے پیش کرتے ہیں ۔۔۔ہم باہمی تعلقات بڑھانے میں سب سے بازی لے جانے کیلیے کوشاں رہتے ہیں۔۔۔مگر ہم پاکستانی بین الاقوامی سطح پر اتنے تنہا کیوں ہیں۔۔۔کوئی ہے جو ہمارے دشمن کا بھی دشمن ہو۔۔۔یا سب ہی ہمارے دشمن کہ دوست ہیں۔۔۔کوئی بات نہیں ہم تو خود بھارتی فلموں اور گانوں کہ بہت شوقین ہیں ۔۔۔پاکستانیوں ہوسکے توگیتا کہ ساتھ صبا کو بھی یادرکھنا۔۔۔

!ماڈل سٹی یا مثالی شہر

نیو یارک، ٹوکیو، ویانا، سیول ، پیرس، استنبول، اوسلو، شنگھائی، ایتھنز، اسٹوک ہوم، ٹورنٹو،زیورخ، لندن، ریاض، ڈبلن وغیرہ۔۔۔ان شہروں کہ نام سے کیا چیز آپ کہ ذہن میں آئی۔۔۔یقینا ان کہ نام پڑھ کر ذہن میں ایک مثالی شہر کی سی تازگی کا احساس ہوا ہوگا۔۔۔ان شہروں کی اور ان جیسے لاتعداد شہروں کی کوئی نہ کوئی مخصوص خصوصیات ہونگیں۔۔۔مگر یہ خصوصیات مثبت پہلو میں ہوں تو تاثر مثالی شہر کا آئے گا۔۔۔ان شہروں میں رہنے والے افراد زمینی دنیا کہ ہی لوگ ہیں نہ کہ خلا سے آئی ہوئی کوئی مخلوق ہیں۔۔۔ہماری طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے اشرف المخلوقات ہیں۔۔۔ معلوم نہیں انہیں اس بات کا علم بھی ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہیں۔۔۔ہم جس ملک کہ باشندے ہیں یہاں تو لوگوں کو یہ بہت اچھی طرح پتہ ہے کہ وہ قدرت کی خلق کی گئی اعلی ترین مخلوق ہیں۔۔۔ خصوصی طور پر وہ افراد جو کسی نا کسی دنیاوی عہدے یا منصب پر فائز ہیں۔۔۔

مثالی شہر پر لکھنے کا خیال کیوں آیا۔۔۔ کراچی پچھلے کئی ماہ سے اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے۔۔۔ گو کہ کراچی وہ شہر ہے جو ساحلِ سمندر پر آباد ہونے وجہ سے مضطرب ہی رہتا ہے۔۔۔ ہوا یہ کہ ٹریفک پولیس نے اچانک فیصلہ کر لیا کہ

کراچی میں بغیر لائسنس کہ کسی بھی قسم کی گاڑی نہیں چلائی جائے گی۔۔۔یعنی بغیر لائسنس ڈرائیونگ پر پابندی۔۔۔ایسا ہی ہونا چاہئے مگر مدتوں بعد کیوں۔۔۔کچھ وقت پہلے اسلحہ کہ لائسنس کیلیئے بھی ایسا ہی ہوا مگر نتیجہ ہم سب کہ سامنے ہے۔۔۔ویسا ہی نتیجہ اس حکم نامے کہ بعد ہوا۔۔۔کراچی میں اس سے پیشتر شناختی کارڈ رکھنے پر بھی اسی قسم کا اعلان ہوا۔۔۔گاڑی کہ کاغذات پر بھی اس طرح کا فرمان جاری ہوا۔۔۔ہمارے ملک میں قائدِ اعظم کی اہمیت کہیں ہو یا نا ہو مگر آپ کی تصویر والے کاغذوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔۔۔اس تصویر والے کاغذ کی ہمارے ملک کی پولیس سب سے زیادہ عزت و تکریم کرتی ہے۔۔۔مگر سب لوگ اس کا استعمال نہیں کر سکتے (نا ہونے کی وجہ سے) ۔۔۔دوسرے ہی دن ٹریفک پولیس کہ دفاتر پر لائیسنس بنوانے والوں کا تانتا بلکہ جمِ غفیر جمع ہوگیا۔۔۔یہ جم اتنا بڑا کہ فارم ہی ناپید ہوگئے۔۔۔خیر ہو اربابِ اختیار کا جنہیں خیال آیا کہ ہم بھی یہاں کچھ کرنے بیٹھے ہیں۔۔۔ایک ماہ کی مدت کا اصافہ کردیا گیا۔۔۔اس سارے معاملے سے قطع نظر کیا کسی بھی صوبے یا شہر میں اس قسم کا کوئی بھی حکم نامہ کوئی بھی ادارہ بغیر حکومتی عملدرامد کہ شائع یا لاگو کر سکتا ہے؟؟؟میری ناقص العقل تو یہ بات ماننے کیلیئے تیار نہیں۔۔۔پھر حکومت بھی جمہوری ہو۔۔۔

بلدیاتی انتخابات سلسلہ وار جاری ہیں۔۔۔جلد ہی یہ عمل پایہ تکمیل کو پہنچے

گا۔۔۔پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلی دفعہ ہونے جا رہا ہے کہ کسی جمہوری حکومت نے بلدیاتی انتخابات کروائے ہیں۔۔۔ گو کہ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ اس میں بھی اعلی عدلیہ کا بڑا کردار ہے۔۔۔انشاء اللہ جلد ہی تمام صوبوں میں بلدیاتی ادارے ایک بار پھر بھرپور طریقے سے فعل ہو جائینگے۔۔۔امید کی جاسکتی ہے کہ کافی حد تک تیزی سے بڑھتے ہوئے بنیادی مسائل پر قابو پا لیا جائے گا۔۔۔

وفاقی حکومت کو اب ایک اعلان کرنا چاہیئے کہ بلدیاتی ادارے جو شہری سطح پر کام کرتے ہیں۔۔۔اپنے شہر کو ماڈل سٹی یا مثالی شہر بنا کر دیکھائیں۔۔۔ شہر کو مثالی بنانے کیلئے ایک ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے۔۔۔جس کے تحت شہر کو مثالی یا ماڈل قرار دیا جائے۔۔۔ شہر، شہریوں سے ہے اور شہری معاشرے کی اکائی ہے۔ مثالی شہر یا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ جو پر سکون ہو طبعی و معاشرتی اعتبار سے۔۔۔مثالی شہر سے ہماری کیا مراد ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں؛

سب سے پہلے شہری اداروں میں کام کرنے والوں سے حلف لیا جائے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دینگے۔حرام سے خود دور رکھینگے۔بغیر انکی ایمانداری کہ شہر آہستہ آہستہ گاؤں اور پھر بیابان کی صورت اختیار کرلے گا۔ یہ شہر آپ کہ بچوں کا بھی ہے، آپ کہ اہلِ خانہ بھی یہیں رہتے ہیں۔آپ یقینا

اپنے خاندان کہ سامنے شرمندہ ہونا نہیں چاہینگے۔ شہری یا بلدیاتی انتظامیہ ہفتہ وار پرچہ شائع کرے جس میں اپنے بہترین کارندے کا اعلان کرے چاہے وہ خاکروب ہی کیوں نہ ہو۔

انصاف و قانون کی بالادستی ہو۔ شہریوں کو قانونی مدد شہری حکومت کی طرف سے فراہم کی جائے۔انصاف بلا تفریق ہو۔

شہر بھر کی سڑکیں (چھوٹی چھوٹی گلیوں، محلوں سے لے کر اہم ترین شاہراہیں) ہموار ہوں۔

شہری ٹریفک کہ قوانین کی پاسداری کو یقینی بنائیں۔

نکاسی آب کا بقاعدہ اور واضح انتظام ہو۔

پانی کی سپلائی کا نظام واضح ہو (دن اور وقت علاقے کہ حساب سے متعین ہو اور شہری آگاہ ہوں)۔

گلی محلوں اور شاہراہوں پر نصب بجلی کہ بلب کام کرتے ہوں۔

ذرائع نقل و حمل (ٹرانسپورٹ) کا واضح نظام ہو۔پبلک ٹرانسپورٹ شہریوں کی ضرورت کہ مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہو۔دستیاب ٹرانسپورٹ کا باقاعدہ فٹنس سرٹیفیکیٹ موجود ہو۔ٹرانسپورٹ اپنی مخصوص جگہوں پر رکے۔ ٹرانسپورٹ کا عملہ بھی نظم و ضبط کی اعلی مثال ہو۔

بازاروں کی کھلنے اور بند ہونے کہ اوقات کار واضح ہوں اور ان پر عمل درآمد

ہو۔ پارکنگ کا انتظام لازمی قرار دیا جائے ۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ عام ٹریفک کی آمد ورفت میں کوئی خلل نہیں پڑے۔

مساجد، امام بارگاہ، چرچ اور مندر تمام عبادت گاہوں کہ مخصوص رنگوں سے تخصیص کی جائے۔

اسکول، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو بھی رنگوں سے موسوم کیا جائے۔

شہر میں موجود تمام صنعتیں رجسٹرڈ ہوں (اس بات کا خیال رکھا جائے کہ چھوٹی چھوٹی صنعتیں کارخانے گھروں کہ بیچ چل رہے ہوتے ہیں ۔ انہیں جلد از جلد صنعتی علاقے میں منتقل کیا جائے)۔

شہر میں موجود تمام صنعتوں کی سالامتی اور حفاظتی سرگرمیوں پر خاص توجہ دی جائے۔

تعمیراتی کاموں پر معینہ وقت پر تکلمیل کیلئے زور دیا جائے اور اسے یقینی بنایا جائے۔

پولیس کا کردار مثبت ہو عام شہری پولیس کو دیکھ کر ڈرنا چھوڑ دیں اور بد معاش، چور، ڈاکو دیکھ کر یہ کام کرنا چھوڑ دیں۔پولیس کا نعرہ ہے کہ پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی پر بھرپور عمل درآمد کرے۔

سرکاری ہپتالوں کا انتظام ایسا ہو کہ لوگ نجی ہپتالوں میں جانا بھول جائیں۔پیدائشی اور موت کہ سرٹیفیکیٹ ہپتالوں سے جاری ہوں

شہری حکومت، شہریوں کہ کیلئے مختلف موضوعات پر آگاہی سیمینار منعقد

کریں۔ جن میں بیماریوں کہ حوالے سے ، دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے، بارشوں اور زلزلوں کی احتیاطی تدابیر کہ حوالے سے وغیرہ وغیرہ۔

کوئی بھی مہم شروع کرنے سے پیشتر شہریوں کو آگاہ کیا جائے۔اس مہم کہ حوالے سے امکانات پر بھرپور توجہ دی جائے۔

ادیبوں شاعروں اور مفکرین کو خصوصی اہمیت دی جائے اور ان سے معاشرتی اقدار پر رہنمائی لی جائے۔

.بزرگ کمیٹیاں بنائیں اور ان کو فعال بنائیں۔

کھیلوں کی کمیٹیاں تشکیل دیں۔شہریوں خصوصا نوجوانوں کو صحت مند سرگرمیاں فراہم کرنے کیلئے زیادہ کھیلوں کہ مقابلے منعقد کئے جائیں۔

مندرجہ بالا چند اقدامات ہیں جن کا بھرپور اطلاق معاشرے میں انقلابی تبدیلی لاسکتا ہے۔یہ تجاویز نا صرف شہروں کی طبعی شکل سدھارنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہیں بلکہ معاشرے میں رہنے والے افراد بھی ان تجاویز کی بدولت اپنی اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانا شروع کردینگے۔

حکومتی ادارے عوام سے جو توقعات وابستہ رکھتے ہیں اس سے کہیں زیادہ عوام حکومت سے توقعات رکھتی ہے۔امید کی جاسکتی ہے کہ ان تجاویز کا خلوص کہ ساتھ اطلاق کی بدولت شہری حکومت اور شہریوں کہ درمیان ایک خوشگوار تعلق قائم

ہوگا۔ نصرت فتح علی خان مرحوم کی آواز میں گائی گئی غزل کا ایک شعر نا جانے کیوں مجھے یاد آرہا ہے اس کہ ساتھ ہی اپنے مضمون کا اختتام کرونگا کہ

تمھیں دلگی بھول جانے پڑے گی
محبت کی راہوں میں آکر تو دیکھو

اگر ایسا ہوگیا تو آنے والے وقتوں میں جب کوئی مثالی شہر کی بات کرے گا تو پاکستان کہ شہر سب کیلیے ضرب المثل ہونگے۔

کرکٹ : امریکہ میں نیا پودا اور پاکستان میں سوکھتا درخت

۲۰۱۵ مئی میں عالمی شہرت یافتہ بلے باز ٹنڈلکر اور گیند باز شین وارن نے ٹی ۲۰ کہ مزے لوٹنے کا پروگرام تشکیل دیا جسکے لئے انہوں نے ریٹائرڈ کھلاڑیوں کو جمع کر کہ ایک سریز مرتب دی۔۔۔آگے چل کر آمریکہ میں فروغ کے لئے آل اسٹارز کرکٹ سیریز کا باقاعدہ اعلان ہوا جو کہ رواں ماہ میں جاری ہے۔۔۔ کرکٹ کی تاریخ میں یہ انوکھا واقعہ ہے جب دنیائے کرکٹ کہ کم و بیش تمام سابقہ نامور کھلاڑی ایک میدان میں ایک جگہ موجود ہیں۔۔۔ کرکٹ کیلئے اور ان کرکٹرز کیلئے جو میدان دستیاب ہوئے وہ بھی ایک انوکھا کام ہوا کہ بیس بال کہ میدانوں میں ان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔۔۔

اس سریز میں شامل کھلاڑیوں میں ۔۔دنیائے کرکٹ میں بلے بازوں کہ شہنشاہ اور گیند بازوں کہ شہنشاہ نے اس میلے میں کلیدی کردار ادا کیا۔۔۔انہوں نے اپنے وقتوں کہ سپر اسٹارز جمع کئے اور آمریکہ پہنچ گئے۔۔۔آمریکی شائقین جو کھیلوں اور صحت مند سرگرمیوں کہ دلدادہ ہیں۔۔۔ بیس بال، فٹ بال اور لان ٹینس ان کہ پسندیدہ کھیل ہیں۔۔۔ بیس بال جو کرکٹ سے کچھ مشابہہ کھیل ضرور ہے مگر دونوں میں سوائے گیند اور بلے کہ (وہ بھی ساخت کہ لحاظ سے مختلف ہوتے

ہیں) کوئی مماثلت نہیں۔۔۔بیس بال میں گیند پھینکنے والے کو پچر کہتے ہیں اور بلے باز کو بیٹر کہا جاتا ہے۔۔۔ دونوں ٹیموں میں شامل دنیائے کرکٹ کہ نامی گرامی کھلاڑیوں کہ نام بھی دیے گئے ہیں۔۔۔درحقیقت یہ وہ نام ہیں جنہوں نے ناصرف کرکٹ پر حکمرانی کی بلکہ لوگوں کہ دلوں پر.براجمان رہے۔۔۔ شین وارن ، ثقلین مشتاق ، سوان، ویٹوری اور مرلی دھرن اسپن بولنگ میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔۔۔کیلس، وسیم اکرم، کلوسنر، سائمنڈ، پولک اور ہوپر جیسے نامی گرامی الرونڈرز۔۔۔ تیز ترین بالرز شعیب اختر، ڈونلڈ، ایمبروز، والش، میک گرا اور اگرکار۔۔۔سنگاکارا اور معین خان جیسے بہترین وکٹ کیپرز۔۔۔آخر میں وہ بلے باز جنہیں کرکٹ اور کرکٹ سے محبت کرنے والے کبھی نہیں بھولینگے ٹینڈولکر، .برائن لارا، رکی پونٹنگ ، ہیڈن، سہواگ ، وان، لکشمن، روہڈز، گنگولی اور جے وردھنے شامل تھے۔۔۔ان تین میچوں کی سیریز کا پہلا میچ نیویارک میں کھیلا گیا۔۔۔دوسرا میچ ہوسٹن میں منعقد ہوا۔۔۔ تیسرا میچ لاس اینجلس میں کھیلا جائے گا۔۔۔ کرکٹ کا شوق رکھنے والے خصوصی طور پر جنہوں نے ان کھلاڑیوں کو کھیلتے نہیں دیکھا۔۔۔یقینا انکے لئے یہ بہت اہم سیریز ہے۔۔۔امریکہ میں یقینا کرکٹ کو فروغ ملے گا۔۔۔ان میں سے کوئی بھی امریکہ کی کرکٹ ٹیم تشکیل دینے کیلئے اپنی خدمات بھی دینے کیلئے تیار ہو جائے گا۔۔۔

آمریکہ وہ ملک ہے جہاں تاریخ کی بدترین دہشت گردی کا واقعہ رونما

ہوا۔۔۔نیویارک وہ شہر ہے جو اس واقع کا مرکز تھا۔۔۔اس کہ بعد تو ساری دنیا ہی جنگ کا میدان بن گئی۔۔۔ خصوصی طور سے تیسری دنیا کہ ممالک اس وباء سے بھرپور متاثر ہوئے۔۔۔آمریکہ کا جہاں دل چاہ اپنی مرضی کی حکومتیں بنوائیں۔۔۔جن کو چاہ تختہ دار پر لٹکوادیا۔۔۔جنہیں چاہ نشانِ عبرت بنوادیا۔۔۔آمریکہ میں کرکٹ کھیلنے پر کسی کو خوف نہیں آیا۔۔۔یہ بہت اچھی بات ہے۔۔۔یہ تمام کرکٹرز اور اس سیریز کہ منتظمین انتہائی قابلِ ستائش ہیں، مبارک باد کہ مستحق ہیں کہ انہوں نے اتنا اچھا قدم اٹھایا اور اسے بخوبی و احسن طریقے سے عملی جامہ پہنایا۔۔۔

کھلاڑی کسی بھی کھیل کا ہو۔۔۔اپنے ملک کا اپنے خطے کا اپنے علاقے کا در حقیقت سفیر ہوتا ہے۔۔۔وہ جہاں جاتا ہے اپنے کھیل سے اپنی قوم کہ مزاج کی عکاسی کرتا ہے

۔۔۔اپنی کھیل میں مہارت سے اپنی قوم کی ترجیحات بتاتا ہے۔۔۔وہ دنیا کو یہ بتاتا ہے کہ ہم لوگ کھیلوں سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔۔۔ہم دنیا میں آج مختلف کھیلوں میں اپنا اپنا لوہا منوا رہے ہیں۔۔۔اسکوائش، شطرنج، ٹیبل ٹینس، باکسنگ، ویٹ لفٹنگ، دوڑ، کوئی بھی کھیل ہو ہم پاکستانی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔۔۔مذکورہ کرکٹ سیریز میں پاکستان کہ چار بہت نامور کھلاڑیوں نے بلا کسی خوف و خطر شرکت کی۔۔۔ہم پاکستانی بغیر کسی خوف و خطر دنیا کہ کسی بھی کونے میں جانے کیلئے تیار ہیں۔۔۔کیونکہ ہم کسی سے

خوف زدہ نہیں ہیں۔۔۔ کوئی پتہ نہیں ہم ٹی ۲۰ کا ورلڈ کپ کھیلنے انڈیا بھی چلے جائیں۔۔۔

پچھلے دنوں زمبابوے کی ٹیم نے پاکستان کا دورہ کیا۔۔۔ سیکیورٹی خدشات کی بدولت اس ٹیم کو صدارتی پرٹوکول دیا گیا۔۔۔ مگر دنیا نے دیکھا کہ ہم پاکستانی کرکٹ کہ کتنے دلدادہ ہیں۔۔۔ ہم کس طرح قذافی اسٹیڈیم میں امڈ کہ آئے۔۔۔ کوئی خوف نہیں تھا کوئی خطرہ نہیں تھا۔۔۔ ہم کرکٹ کا کھیل پسند کرتے ہیں۔۔۔ نہ کہ ہمارے پڑوسیوں کی طرح آگ لگانے لگتے ہیں جب اپنی ٹیم اچھا نا کھیلے۔۔۔ مگر یہ سب دنیا کو نظر نہیں آتا۔۔۔

پھر دنیائے کرکٹ کو ہمارے میدانوں کو سونا کرنے سے کیا مل رہا ہے۔۔۔ کیا سارے ممالک انڈیا کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ کیونکہ انہوں نے انڈین پریمئر لیگ کھیلنی ہے۔۔۔ گو کہ ہمارہ پڑوسی ملک اس بات سے بہت خوش ہے۔۔۔ وہ ہر ایسے کام سے خوش ہوتا ہے جس سے ہمیں کسی بھی قسم کا نقصان پہنچے۔۔۔ وہ ہر معاملہ میں ہماری ٹانگ کھینچنے کا کوئی موقع نہیں جانے دیتا۔۔۔ میں اپنے اس مضمون کہ توسط سے درخواست کرونگا ان تمام لوگوں سے جو کرکٹ سے محبت کرتے ہیں کہ وہ دنیائے کرکٹ پر اور اربابِ اختیار پر زور ڈالیں کہ وہ پاکستان میں بین الاقوامی کرکٹ بحال کروائیں۔۔۔ یہ ہماری حب الوطنی کا بھی تکازہ ہے۔۔۔ دنیائے

کرکٹ کہ یہ تمام ستارے اگر امریکہ سے سیدھے پاکستان آ جائیں اور ایک میچ قذافی اسٹیڈیم میں کھیلیں، ایک نیشنل اسٹیڈیم میں کھیلیں اور ایک میچ ارباب اسٹیڈیم میں کھیل کر دنیا کو بتا دیں کہ پاکستان کھیلوں کیلئے پر سکون جگہ ہے۔۔۔پاکستانی دنیا میں سب سے زیادہ کھیلوں سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔۔۔ہم تمام پاکستانی اپنے ان پاکستانی کھلاڑیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی طرح یہ پیغام ان عالمی شہرت یافتہ کھلاڑیوں تک پہنچائے۔۔۔کہ آمریکہ میں تو کرکٹ کا پودا لگا دیا مگر ایک درخت جو بہت پہلے سے لگا ہے پت جھڑ اور خزاں رسیدہ ہوا جا رہا ہے۔۔۔پاکستان آئیں اور اس درخت کی آبیاری کریں۔۔۔آپ لوگ حقیقی معنوں میں سپر اسٹارز ہیں۔۔۔

کسی بھی طرح ممکن ہو سکے اس پیغام کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔۔۔شائد ہماری یہ نا نظر آنے والی کوشش اس سوکھتے درخت کی آبیاری کا کچھ سبب بن سکے (آمین

شیر کی دھاڑ

آج سترہ نومبر کے اخبارات کو دیکھنے کیلیئے اپنی آنکھوں کو اچھی طرح صاف کرنا پڑا۔۔۔ یوں معلوم ہوا جیسے پاکستان میں حقیقی معنوں میں شیروں کی حکومت آ گئی ہے۔۔۔ بھارت کو اس طرح سے شائد ہی آج تک کسی نے للکارا ہوگا۔۔۔اور اگر للکارا بھی ہوگا تو الیکشن کہ جلسے جلوسوں میں ۔۔۔انتخابی نشان شیر رکھنے والی حکمران جماعت کہ ایک اہم ترین رکن اور انتہائی اہم منصب پر فائز پاکستان کہ وزیرِ داخلہ جناب چوہدری نثار احمد نے بھارتی سورماؤں کی نیندیں اڑادیں۔۔۔جب کل شام انہوں نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ (بھارتی) دشمنی کریں اور ہم دوستی کیلیئے مرے جائیں۔۔۔ایک پاکستانی کیلیئے اسکے وزیر کی جانب سے ایسا بیان یقینا قابل تحسین ہے۔۔۔مجھے یاد آ رہا ہے اس سے ملتا جلتا مگر ڈھکے چھپے لفظوں میں ایک دفعہ ایک اور چوہدری صاحب جناب چوہدری شجاعت حسین نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا کہ پاکستان نے ایٹم بم شبِ برات میں چلانے کیلیئے نہیں بنایا۔۔۔

میری ناقص العقل سے بالاتر ہے کہ ہمارے پاکستان کرکٹ بورڈ کہ چیئر مین جناب شہریار خان صاحب جو کہ ایک بہت ہی با صلاحیت اور باوقار بیوروکریٹ

ہیں کیوں بھارت کہ پیچھے پیچھے گھوم رہے ہیں۔۔۔ہماری کرکٹ الحمداللہ بھارت سے کھیلے بغیر دن دگنی رات چوگنی ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔۔۔اور سب سے بڑھ کر بھارت کا حال تو اسوقت ایسا ہے کہ وہ خود اپنے زخم چاٹ رہا ہے۔۔۔انکا بورڈ انکے بس میں نہیں ہے۔۔۔ کرپشن کرپشن کا شور مچا ہوا ہے۔۔۔ بھارتی حکومت کا تو کچھ اتا پتہ نہیں ۔۔۔وہاں کوئی نظم و نسق نظر نہیں آ رہا۔۔۔ پھر آپ کو کیا پڑی ہے کہ اپنے پیارے وطن کی عزت کہ پیچھے ہاتھ دھوکے بلکہ نہا دھوکے پڑے ہوئے ہیں۔۔۔ کیوں ہر وقت انڈیا جانے کیلئے تیار بیٹھے رہتے ہیں۔۔۔ جنابِ چیئرمین پاکستان کرکٹ بورڈ شہریار خان صاحب اب وقت آگیا ہے کہ آپ چوہدری نثار احمد صاحب کہ ساتھ ایک پریس کانفرنس کریں جس میں بھارتی ہٹ دھرمی کی وجوہات بیان و واضح کرتے ہوئے ۔۔۔اگلے سال انڈیا میں ہونے والے ٹی ۲۰ ورلڈ کپ کے بائیکاٹ کا اعلان کریں۔۔۔ باقاعدہ طور پر بین الاقوامی کرکٹ کونسل سے مطالبہ کریں کہ بھارت سے یہ ورلڈ کپ کسی پر امن ملک میں منتقل کیا جائے۔۔۔اپنے مطالبے میں تازہ ترین واقعہ جو جنوبی افریقہ کہ ساتھ ہونے والے ایک روزہ بین الاقوامی میچ کہ دوران ہوا کو اہم ترین وجوہ بنائیں۔۔۔ بھارتی بورڈ اور کھلاڑیوں کا کرپشن میں ملوث ہونا۔۔۔اسکے ساتھ ساتھ اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کی بھرپور عکاسی کریں۔۔۔اپنے ساتھ دیگر ممالک کو بھی اس مطالبے میں شامل کریں اور تمام بورڈز کو بھارتی عزائم سے آگاہ کریں۔۔۔چیئرمین صاحب بھارت ہی وہ ملک ہے جو یہ نہیں چاہتا کہ پاکستان

میں بین الاقوامی کرکٹ ہوسکے۔۔۔پاکستان میں ہونے والے ایسے بے تحاشہ واقعات جن کی بدولت ملک میں انتشار پھیلتا ہے ان سب کہ پیچھے بھارت کا ہی ہاتھ ہے۔۔۔اب شیر دھاڑا ہے تو دنیا کو سننا پڑے گا۔۔۔بھارت کا اصلی روپ سب کو دیکھنا پڑے گا۔۔۔پاکستان میں مدرسے والے مشکوک تھے۔۔۔انڈیا نے اردو بولنے والوں کو بھی مشکوک بنا دیا۔۔۔ان کی حب الوطنی کو بھی مشکوک کروادیا۔۔۔

پاکستان نے ہر سطح پر اور ہمیشہ یہی چاہ کہ مذاکرات جاری رہیں۔۔۔بھارت نے کنٹرول لائن کی خلاف ورزی اپنا معمول بنا لیا۔۔۔پاکستان نے چاہ چلو کرکٹ ڈپلومیسی سے بات آگے بڑھائی جائے۔۔۔بھارت نے شیو سینا کو آگے کردیا۔۔۔صرف ان معززین ہی کو نہیں بلکہ وہاں موجود فنکاروں، گلوکاروں اور کھلاڑیوں کو بھی دھمکیاں دے کر ملک سے نکل جانے کو کہہ دیا۔۔۔ایک شعر یاد آرہا ہے۔۔۔ پتھر کہ صنم پتھر کہ خدا، پتھر کہ ہی انساں پائے ہیں تم شہر محبت کہتے ہو، ہم جان بچا کر آئے ہیں

پاکستان نے بھارت کہ کہنے پر کتنی تنظیموں پر پابندی لگادی۔۔۔نہ صرف پابندی لگائی بلکہ انکے خلاف بھرپور کاروائیاں کیں۔۔۔مگر بھارت اپنی ایک تنظیم کو پورے بھارت میں دندناتی پھر رہی ہے۔۔۔کوئی کچھ نہیں کرسکتا اس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ ۔۔۔مودی سرکار کہ روپ میں شیو سینا ہی برسراقتدار

ہے۔۔۔بھارت نے اپنی روش نہ بدلی تو وقت دور نہیں جب بھارت دو یا تین حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔۔۔ساری دنیا نے دیکھا کہ تقریبا پچاس لوگوں نے بھارتی رتنا ایوارڈ لینے سے انکار کر دیا۔۔۔اور کافی لوگوں نے حکومت کی طرف سے دیئے گئے ایوارڈز واپس کئے۔۔۔ان میں صرف سول سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ نہیں تھے بلکہ سابق بھارتی فوجی بھی شامل ہیں۔۔۔کیا بھارت میں ایک اور بھارت بنے گا جو سیکولر ہوگا اور انتہا پسند ہندوؤں کے تابع ہوگا اور بھارت یا انڈیا کا نام تبدیل ہو کر ہندوستان ہو جائے گا۔۔۔سابق صدر جنرل ضیاء الحق نے انجہانی اندرا گاندھی صاحبہ سے ایک بار کہا تھا کہ پاکستان ختم ہو سکتا ہے مگر مسلمان ختم نہیں ہونگے کیونکہ دنیا میں ۵۰ کے قریب مسلم ریاستیں ہیں مگر ہندوستان ایک ہی ہے۔۔۔یہ بھی وہ وقت تھا جب پاکستان کرکٹ ڈپلومیسی کر رہا تھا مگر بھارت نے اپنی فوجیں سرحدوں پر لگائی ہوئی تھیں۔۔۔دکھ اس بات کا ہے کہ دنیا نے دوہرا میعار اپنایا ہوا ہے۔۔۔بھارتی جارحیت کسی کو نظر نہیں آتی۔۔۔ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام۔۔۔ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ شیو سیناء نامی مذہبی تنظیم پر فوری طور پر پابندی لگائی جائے اور انکے خلاف آپریشن کرکے دنیا کو بتایا جائے کہ بھارت حقیقی معنوں میں سیکولر مملکت ہے۔۔۔ابتک اس شیر کی دھاڑ اندرونی لوگوں پر ہوتی تھی۔۔۔مگر پہلی بار ایسا لگا

کہ پاکستان میں کوئی ہے جو سرحد کہ اس پار دشمن پر بھی دھاڑ سکتا ہے۔۔۔اللہ پاکستان

(کا حامی و ناصر ہو (آمین

مجھے انمول بنادو

رمزی کہیں دور سے آنے والی موسیقی کی آواز پر کان لگائے کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔۔ باہر سوائے اس آواز کے جو اسے کہیں دور سے آ رہی تھی اور کچھ بھی خاص نہیں تھا ۔۔ پتہ نہیں وہ کیا دیکھ رہا تھا یا شاید کچھ بھی نہیں ۔۔۔ صرف اس دور سے آنے والی آواز کو اپنے کانوں کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جیسے وہ لفظوں کی اور آواز کی شکل پہچانتا ہو۔۔۔ کمرے کی معطر ہوتی ہوئی فضاء نے کسی کہ آنے کی اطلاع دی ،جب رمزی پلٹا تو سامیہ اسکے بہت قریب کھڑی اسے اجنبی سی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور کچھ کہنے کیلیئے بے تاب تھی ۔۔۔ رمزی چاہتا تھا کہ سامیہ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑکی کے پاس لائے اور اسے دور سے آتی ہوئی آواز سنائے ۔۔۔۔ مگر اس سے سامیہ کی بے چینی دیکھی نہیں گئی ۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتا سامیہ نے خود ہی کہنا شروع کر دیا۔۔۔

رمزی ! تمھیں نہیں معلوم میں نے تمھیں کتنا چاہا ہے اور اس کا یقین دلانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی ۔۔۔ رمزی میں نے محبت عبادت سمجھ کر کی ہے ۔۔۔ عبادت مقبول ہوتی ہے یا نہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے بندے کا کام تو بس عبادت کرنا ہے ۔۔۔ میں بھی ایک بندی ہوں اور اپنی عبادت میں مشغول رہنے کی

کوشش کرتی ہوں۔ نہ جانے کیوں یہ کیسا یقین ہے کہ ایک دن میری عبادت مقبول ہو جائے گی۔۔۔ میری نجات ہو جائے گی۔۔۔ بس اسی دن کے انتظار میں ۔۔۔ تم سے محبت کرنے میں مشغول ہوں۔۔۔ رمزی میں تمھاری محبت میں کیا بننے والی ہوں ۔۔۔ مجھے نہیں معلوم ۔۔۔ مگر میں ایک دن تمھاری محبت کی بدولت انمول ہو جاؤنگی ۔سامیہ کی باتوں نے اطراف کے ماحول کو اپنی باتوں اور جذبات سے اپنے بس میں کر لیا تھا۔۔ سورج اپنی آب وتاب سے ماحول کو منور کئے ہوئے تھا مگر اسکی سحر زدہ باتوں سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے نہ جانے رات کے کتنے پہر گزر چکے ہوں۔۔۔ ہر طرف بس اندھروں کا ہی بسیرہ ہو۔۔۔اور اندھیرے میں کہیں دور سے موسیقی کی آواز آرہی ہو۔۔۔

رمزی نے اسکی باتوں میں مگن کہنے لگا۔۔۔ہاں سامیہ پھر تمھارے بدن سے خوشبو اٹھے گی تمھارے جسم سے نور کے فوارے پھوٹیں گے اور تم پھر تم نہیں رہوگی قدرت کی عطا کردہ ایک مقدس روح کی امانت بن جاؤگی۔۔۔ محبت کرنے والا دل خدا اپنے مخصوص بندوں کو ہی عطا کرتا ہے اور تم بہت خاص ہو جاؤگی۔۔۔سامیہ ! مجھے قید سے نفرت ہے میں نے کبھی اپنے آپ کو کسی قید میں نہیں رکھا، یہاں تک کہ اپنی سوچ اور اپنے جذبات کو بھی آزادی دے رکھی ہے جہاں چاہیں جائیں مگر مجھ سے وابستہ رہیں۔یہی تم سے چاہتا ہوں تم کچھ بھی رہو کیسی بھی رہو مگر مجھ سے کوئی تعلق ضرور رکھنا۔

سامیہ رمزی کی گفتگو سن رہی تھی مگر اس کے اسے کوئی بات بے چین کئے ہوئے تھی۔۔۔ تمھاری سب باتوں کی طرح یہ باتیں بھی اچھی ہیں مگر ان میں کہاں تک سچائی ہے مجھے نہیں معلوم۔۔۔ تمھاری باتوں میں کہاں تک سچائی ہے اس بات کا اندازہ آج تک نہیں لگا سکی۔۔۔ تم یوں سمجھوں میں آج تک تمھاری کہی ہوئی خوبصورت باتوں میں قید رہی ہوں اور میں نے کبھی ان میں سچائی ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔ مگر اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں ہے شائد تم خود بھی نہیں جانتے کہ تم اپنے آپ سے یا اپنے سے وابسطہ لوگوں سے کس قدر مخلص ہو، شائد تم اس بات سے ماورا ہو۔۔۔ تمھارے نزدیک اپنی باتوں کو اپنے خیالوں کو خوبصورت لفظوں میں ڈھالنے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے جو کبھی کسی غزل یا نظم کی صورت اختیار کئے تمھاری ڈائری کی رونق بنتی ہے۔۔۔۔۔۔ سچ بتاؤں مجھے تو کبھی کبھی تمھاری ڈائری میں رکھی ہوئی اپنی تصویر بھی اپنی نہیں لگتی ایسا لگتا ہے جیسے وہ کوئی جسم نہیں بلکہ تمھارے لفظوں کا ڈھیر ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ کمرے کی دیوار پر آویزاں اپنی اور رمزی کی تصویر کے سامنے آکھڑی ہوئی اور اسے ایسے دیکھنے لگی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو اور پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو کہ وہ تصویر کس کی ہے۔

سامیہ نے تصویر سے نظر ہٹاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔۔۔ رمزی تم نے مجھے قید کر

رکھا ہے۔۔۔ تم ساحر ہو رمزی۔۔۔ تم سراپا ساحر ہو۔۔۔ کوئی تمھاری شخصیت کے سحر سے نکل نہیں پاتا۔۔۔ کہ وہ تمھاری باتوں کے سحر میں قید ہوتا جاتا ہے۔۔۔ اور جو تمھارے گھر میں آجائے تو وہ تمھارے گھر کے سحر میں قید ہو جاتا ہے۔۔۔ تم صیاد ہو رمزی۔۔۔ پہلے تم نے مجھے سحر سے اپنے بس میں کیا اور پھر اپنے گھر میں قید کر لیا ۔۔۔ اس گھر میں جو کسی قبر کے اندھیرے سے مزین ہے۔۔۔ جہاں بسنے والی بو بھی انجانی سی لگتی ہے شائد کوئی مرنے والا بتا سکتا کہ یہ بو بھی قبر کی ہے۔۔۔ سامیہ اپنی پوری قوت گویائی کی صفت کو عطا کئے ہوئے تھی کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنا ذہن رمزی کی جانب کیا تو وہ پھر اسکے سحر سے بچے بنا نہیں رہ سکے گی۔

رمزی جو حیرانگی کی صفت سے عاری تھا بہت دھیان سے سامیہ کی گفتگو سنتا رہا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے سامیہ میں ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے اور یہ شور اسی ٹوٹ پھوٹ کا ہے، وہ اندر ہی اندر بہت خوش تھا کیونکہ وہ ہمیشہ سے سامیہ کو ایسا ہی دیکھنا چاہتا تھا مگر سامیہ آج ایک نئے روپ میں تھی جس میں آج سے پہلے اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔۔۔ اب رمزی نے اسکے اسی روپ کو اور اجاگر کرنا تھا یہاں تک کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس سے اسی طرح پیش آئے یعنی اپنے احساسات و جذبات کا شور مچا مچا کر اظہار کرے ۔۔۔ میں نے تم سے محبت کی ہے اور کرتی رہونگی کیونکہ مجھے بھی اور بہت سے محبت کرنے والوں کی طرح یہ نہیں پتہ کہ

مجھے تم سے محبت کیوں ہے ؟ ؟؟؟؟ میرے پاس اس بات کا کوئی جواز بھی نہیں ہے ، میں نے کبھی جواز ڈھونڈنے کی کوشش بھی نہیں کی۔۔۔۔۔ مجھے تم سے محبت ہے۔قدرت نے محبت بھی کتنی عجب شے بنائی ہے کہ اچھے بھلے انسان کو اندھا کر دیتی ، مادیت سے دور لیجاتی ہے۔۔۔۔ عقیدت سے لبریز کر دیتی ہے۔۔۔۔۔۔

ہم زندگی کے انگنت سالوں کو ایک ساتھ گزارنے کا عہد کئے ہوئے ہیں مگر کیا تم ان خامیوں کے ساتھ میرے ساتھ وہ عہد نبھا لوگی کیا تمھیں یقین ہے کہ ہماری آنے والی زندگی میں رونق باقی رہے گی ، مجھے نہیں پتہ میری زندگی تمھارے بغیر کیسے گزرے گی ہاں گزر جائے گی کیونکہ اس نے تو گزرنا ہی ہے اب زندگی کو میں گزاروں یا زندگی مجھے ، کوئی فرق نہیں پڑتا اور سنو تم جو فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہوگا کیونکہ میں کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی زندگی سسک کر گزارے اور پھر تم تو میرے لئے بہت خاص ہو اتنی ہی خاص جتنی کہ میرے جسم میں رہنے والی روح۔

سامیہ غم دائمی ہوتے ہیں ہمیشہ چپکے چپکے ہمارے ساتھ چلتے ہیں ۔۔۔ ہم ان سے نہیں بھاگ سکتے اور جب ہم ان سے نہیں بھاگ سکتے تو کیوں نہ انہیں اپنا لیں۔۔۔انسان کو پیدا ہوتے ہی مرنے کا غم آ دبوچتا ہے پھر ساری زندگی اس ایک لمحے کے انتظار میں گزرتی ہے کہ جانے کب اجل کا فرشتہ لینے آ جائے۔۔۔ ہم

لاکھ چاہیں کہ اس غم سے پیچھا چھڑالیں مگر یہ ناممکن ہے۔۔۔ موت کا غم یا دکھ تمام غموں اور دکھوں کی ماں کہوں تو غلط نہیں ہوگا۔۔۔ خوشیاں تو آنی جانی ہوتی ہیں بس ہوا کے جھونکوں سے زیادہ انکی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔۔۔ پھر جو چیز رہتی سانس تک مستقل ساتھ ہے۔۔۔ تو ساتھ اسی کا نبھانا ہے۔۔۔ تم بھی غمزدہ ہو میں بھی غمزدہ ہوں ہر کوئی غمزدہ ہے۔۔۔ یہ قہقہے کھوکھلے ہیں۔

سامیہ اب تک انجانے اندیشوں کا شکار رہی تھی وہ رمزی کو جاننے کی تمام کوششوں میں ناکام ہوتی رہی تھی اور اس میں تذبذب کی کیفیت بہت بڑھ چکی تھی وہ جب رمزی کہ سامنے جاتی تھی بلکل خالی ذہن ہوتی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ رمزی اس سے کیسے ملے گا ۔سامیہ نہ چاہتے ہوئے کچھ کھچی کھچی سی رہتی اس نے اپنے ذہن میں رمزی کہ بارے میں بہت کچھ خود ہی طے کر رکھا تھا اور وہ شائد یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اس کہ ساتھ کیوں ہے، کیوں اسے اپنا ہمسفر بنا رکھا ہے ایک ایسا ہمسفر جو ساتھ ہوتے ہوئے بھی ساتھ نہیں ہوتا کبھی کبھی تو سامیہ کو اسکی موجودگی کا احساس تک نہیں ہو پاتا تھا جبکہ وہ ساتھ ہوتا تھا۔ سامیہ اکثر سوچتی کہ قابلِ رحم میں ہوں یا رمزی، کوئی نہ کوئی الجھن اسے الجھائے رکھتی اور تمام الجھنوں کی ابتداء اور انتہا رمزی ہی تھا۔ نہ جانے رمزی اس پر کیسے قابض ہوا تھا، نہیں میں ایسا نہیں سوچتی سامیہ نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا جس پر رمزی نے کہنا شروع کیا۔۔۔۔۔۔۔ نہ جانے کیوں

کبھی کبھی وقت بہت بے رحم ہو جاتا ہے اور ایسے دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے جہاں سے راستے کا تعین کرنا مشکل ہی نہیں نا ممکن نظر آتا ہے۔ہاں ! مگر ہمیں ایک ہی راستہ چننا ہوتا ہے یا پھر اسی جگہ کو منزل سمجھ کر ہمیشہ کہ لئے بسیرا کرنا پڑتا ہے مگر کامیابی ان کے قدم چومتی ہے جو کسی راستے کو چن لیتے ہیں۔

میری زندگی کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ تم میرے ساتھ ہو، میں نے تو کبھی تصور میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میں تمھیں پا لونگی اور میرے تمام راستے نا جانے کب سے تم تک آ کر ختم ہو چکے ہیں۔۔۔

مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ جیسے راستہ تو تم نے ختم کر دیا ہے مگر جہاں تم نے اپنا بسیرہ کر رکھا ہے اس گھر میں بہت سارے روزن ہے جہاں سے آنے والی ہوا اور دھوپ اکثر تمہیں کچھ نیا سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے اور تمھاری عبادت نما محبت میں خلل ڈالتی ہے، تمھیں بھٹکاتی ہے۔ اب یہ تم خود جانتی ہو کہ تم اپنے محور سے کتنا بھٹکتی ہو اور کتنا اپنے آپ کو بچاتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔دیکھو سامیہ دل تو خانہ خدا ہے اور خانہ خدا میں مستقل سکونت تو خدا کی ہونی چاہئے۔۔۔۔ اگر کسی اور کے لئے ایسا کریں گے تو پھر دل تنگ کرے گا۔۔۔۔جب یہ تنگ کرے تو پھر شکوہ نہیں کرتے۔۔۔۔

سامیہ ہم اپنی طرف آنے والے راستے میں اکثر خود ہی گڑھے کھود لیتے ہیں ایک ذرا سی بال.برابر آئی ہوئی دراڑ کو خود ہی بہت بڑی خلیج بنا دیتے ہیں اور پھر سامنے کھڑے شخص کو حیرت سے دیکھتے ہیں جو ہمارے قریب آنا چاہ رہا ہوتا ہے مگر راستے کی رکاوٹیں اسے ہم تک نہیں پہنچنے دیتیں اور ہم سارا الزام اسی پر ڈال کر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں۔ہمیں خود اندازہ ہونا چاہئے کہ آیا ہماری طرف آنے والا راستہ خصوصاً اسکے لئے جسے ہم اپنی طرف بلانا چاہتے ہیں کھلا ہے ہموار ہے یا نہیں۔۔۔۔۔۔پھر بہت دیر ہو جاتی ہے۔

دراصل میں نے تمھیں اپنے سے کبھی الگ نہیں سمجھا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم آج تک اس کوشش میں لگی رہی ہو کہ تم مجھے اپنی محبت کا یقین دلاؤ۔۔۔محبت یقین دلانے سے نہیں.برتاؤ سے سے چھلکتی ہے محبت میں آزمائش بھی آتی ہے مگر شور مچا کر زمانے کو نہیں بتایا جاتا، محبت تو خود بخود اپنا احساس کرائے جاتی ہے۔۔کرائے جاتی ہے۔۔محبت پانی کی ان بوندوں کی طرح ہوتی ہے جو ایک سخت ترین پتھر میں بھی اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔۔۔محبت کبھی بھی سمجھ بوجھ کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔۔محبت کے ہو جانے کا احساس تو۔۔محبت میں بہت دور نکل آنے کے بعد ہوتا ہے۔۔محبت میں ایک قدم اٹھتا ہے تو پیچھے دیوار کھڑی ہو جاتی یعنی واپسی کا راستہ بند ہوتا جاتا ہے۔۔اکثر تو دگی ہی دل کی لگی بن جاتی

ہے۔

تم جانتی تو ہو کہ میں زندگی کے پر پیچ راستوں سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہوں تم تو خوب واقف ہو میری ریاضتوں سے، پھر بھی تم تقاضائے وفا کرتی ہو، ہمیں ہمیشہ ساتھ چلنا ہے اسکا عہد کرتے وقت میرے ذہن میں کوئی گمان تک نہیں تھا کہ ہماری آنے والی زندگی کس ڈھب پر چلے گی مگر میں نے اپنے آپ سے یہ عہد ضرور کیا تھا کہ آنے والے سفر میں تم میری ہمسفر ہو اور تمھیں ہر غم سے دور رکھنے کا عزم کیا تھا اور ایسے حادثوں سے بھی جو انجانے میں سر اٹھائے اچانک سامنے آجاتے ہیں۔ میں ایک ان دیکھے خدا پر یقین رکھتا ہوں جس نے اپنی قدرت کا یقین کائنات بنا کر اور انگنت طریقوں سے کرایا، ایسے ہی محبت ہوتی ہے اسے اظہار سے زیادہ برتاؤ کی ضرورت ہوتی ہے کسی سے یہ کہہ دینا مجھے تم سے محبت ہے شاید اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ اپنے برتاؤ سے کسی کو اپنی محبت کا احساس دلانا۔ محبت حقیقتاً ایک ریاضت کا نام ہے اور جو بہت کٹھن ہے مگر پھر راحت ہی راحت ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ' ڈوب جا اس میں اگر اس پار جانا ہے' تو اپنی ہستی کو مٹانا پڑتا ہے اپنی انا کا خون کرنا پڑتا ہے پھر کہیں جاکے یہ ریاضت اپنی کاملیت کو پہنچتی ہے مگر یہ بھی ضروری نہیں کہ کاملیت کو پہنچے۔ محبت انسان کے ہونے کا جواز ہے اور انسان محبت کے ہونے کا جواز ہے۔ میں تمھارے بارے میں اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ!

مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم میری باتوں پر یقین کرتی ہو یا نہیں، میں نے تمھارے سامنے اپنے اندر رہنے والی روح کو پیش کر دیا ہے اب یہ تم پر ہے کہ میری ان باتوں کو ان خیالوں کو لفظوں کا ڈھیر سمجھ کر ٹھوکر مار دو یا اپنے سینے سے لگا لو۔ وقت ایک سلگتی ہوئی سگریٹ ہے جو آہستہ آہستہ دھواں بن کر کہیں گم ہوتا جاتا ہے ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جاتا ہے، ہم لاکھ چاہیں کہ اِس اڑتے دھوئیں کو تھام لیں مگر اور اپنے انجام کو پہنچتی سگریٹ کو روک لیں مگر یہ ناممکن ہے، زندگی کو اگر ہم گزار لیں تو زیادہ اچھا ہے ورنہ زندگی ہمیں گزار دیگی ۔ میں نے تمھیں بہت الجھا دیا ہے لفظوں سے تمھارے گرد ایک جال سا بن دیا ہے اب اس جال میں رہو یا اسے توڑ کر دور بھاگ جاؤ اس کا اختیار تمھارے پاس ہے۔

مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ تمھاری زبان سے ادا ہوئے یہ الفاظ تمھارے نہیں ہیں ، بلکہ کسی بہت پرانی روح نے تمھارے جسم میں بسیرہ کر رکھا ہے اور وہ تم سے وہ سب کچھ کہلوا رہی ہے جو وہ اپنے ہوتے نہیں کہہ سکی۔ تم کیوں نہیں سمجھتے کہ زندگی باتوں اور خیالوں کے سہارے نہیں گزرتی ۔۔۔۔ تم لکھاری لوگ خود غرض ہوتے ہو۔۔ اپنے آپ کو تکلیف اس لئے دیتے ہو کہ کچھ نیا لکھ سکو۔۔۔ کسی نئے درد کو جنم دے سکو۔۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ تم سے وابستہ

لوگوں پر کیا بیتتی ہوگی۔۔۔ بس اپنے میں مگن جئے جاتے ہو۔۔۔۔
ہاں ! تم صحیح کہتی ہو۔۔۔۔۔ مگر یہ سب کچھ ہم کوئی جان بوجھ کر نہیں کرتے یہ تو ہوتا جاتا ہے۔۔۔ تم اگر مانو تو ہم قدرت کے خاص لوگ ہوتے ہیں۔۔ کیا پتہ ہمارے جسموں میں ان روحوں کو ڈال کر دوبارہ بھیجا جاتا ہو جو اپنے وقت میں بہت کچھ کرنا چاہتیں ہوں مگر قدرت نے انکے لئے اسوقت، وقت کم رکھا ہو اور پھر قدرت کو احساس ہوا کہ انہیں اور موقع دیا جائے اور پھر ہمارے جیسے لوگوں کے جسموں میں انکی روحیں ڈال کر انہیں پھر سے نامکمل کاموں کو مکمل کرنے کہ لئے بھیجا ہو۔۔ ہم اپنی کہانیوں میں اپنے کرداروں کی تقدیر خود لکھتے ہیں۔۔۔ کس نے کہاں مرنا ہے اور کس نے کب پیدا ہونا ہے۔۔۔ ہوئے نا ہم خاص۔۔۔ تم چاہو تو مجھے خود غرض بھی کہہ سکتی ہو مگر تمھارے اس کہنے سے پہلے میں تمھیں یہ ضرور بتانا چاہونگا کہ میں خود غرض کیسے ہوں مجھ سے وابسطہ جو لوگ ہیں میں ان سب سے مل کر بنا ہوں یا وہ سب میری ہی ذات کا حصہ ہیں، میں ہر اس جگہ ہوں جہاں مجھ سے وابسطہ کوئی موجود ہے تو میں اس طرح سے خود کو خودغرض کہلانے میں کوئی آر محسوس نہیں کرتا بلکہ یہ میرا فخر ہے۔
زندگی یوں بھی گزرتی ہے اور بلکل گزرتی ہے ! ہم اپنے لئے اپنے مطلب کی چیزوں کا انتخاب کرتے ہیں اور اپنی مطلب کی بنائی ہوئی دنیا میں رہنا پسند

کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم دو جسم ہیں ۔۔۔ الگ الگ سوچ کہ مالک ہیں۔۔۔ شائد قدرت نے ہمیں ایک ہی راستے پر چلنے کے لئے بنایا ہے۔۔۔۔ اچھا تو اسکا مطلب یہی ہے کہ میری باتیں لفظوں کہ ڈھیر سے کچھ زیادہ نہیں ہیں۔

سامیہ میں ایک مدت سے سفر میں ہوں اور شائد اب کہیں جا کر میرا سفر تکمیل کے مراحل میں داخل ہوا ہے وہ بھی شائد اسلئے کہ میں نے اصل سفر چھوڑ کر کسی اور راستے کو اپنا کر اپنے سفر کی تکمیل کا سامان کیا ہے اسلئے مجھے اس سارے سفر کے راستے کو سمیٹنا ہے، میں کہاں کہاں کیا کیا بھول آیا ہوں یا چھوڑ آیا ہوں مجھے سمیٹنا ہے تم مجھے اتنی مہلت تو دو کے میں اپنا چیدہ چیدہ سامان سمیٹ لوں جو کہ میرے نئے سفر میں جس میں تم بھی میری ہمسفر ہو گی کچھ کارآمد ثابت ہو سکے۔نہ جانے کیوں لگتا ہے کہ جیسے میری زندگی اب کبھی بھی ایک ڈگر پر نہیں چل سکے گی میں جس راستے کو چھوڑ کر آیا ہوں پتہ نہیں مجھے وہ راستہ چھوڑنا تھا یا نہیں۔۔۔۔۔نہ جانے میں کب تک اس سفر کی تلخیوں کو بیٹھ کر سوچتا رہو نگا۔۔۔۔اور میں اس امر سے بھی واقف ہوں کہ میرا یوں اس راستے اور اس سفر کے بارے میں سوچنا۔۔۔۔ تمھیں اچھا نہیں لگے گا۔ مگر سامیہ میں نے اب تک تمھارے لئے اچھا کیا ہی کیا ہے۔

سامیہ بہت انہاک اور خاموشی سے کھڑی رمزی کی باتوں میں گم تھی کہ اسے کہیں

دور سے اپنی ہی ایک آواز سنائی دی جو اسکے غور کرنے پر اپنی ہی لگی ۔۔۔۔وہ گھبرائی نہیں ۔۔وہ ایسی باتوں کی عادی ہو چکی تھی ۔۔۔پھر اس نے اس آواز پر دھیان دینا شروع کیا ۔۔۔وہ آواز سامیہ سے ہی مخاطب تھی ۔۔۔اور اسی سے کچھ کہہ رہی تھی ۔۔۔تمھاری ریاضت کا صلہ تمھیں مل چکا ہے ۔۔تمھاری عبادات مقبول ہوچکیں ہیں ۔۔تم بھی خدا کے یہاں قابلِ احترام ہو ۔۔اپنے محترم ہونے کا ثبوت تمھیں مل چکا ہے ۔۔تم نے اپنے احساس کو بھٹکایا ہوا ہے ۔۔لوٹ آؤ کہ تم نے جو مانگا تھا وہ تمھیں مل چکا ۔۔اب اپنے سفر کو اسکے سفر سے منسوب کردو ۔۔جیسے کسی دریا کا اختتام کسی بڑے سمندر میں گر کر ہوتا ہے ۔۔تم اس سمندر میں ہی ہو ۔۔اب تم اسکی موجوں کے رحم و کرم پر ہو ۔۔اپنے ہاتھ پیر چلا کر خود ہو ہلکان مت کرو ۔۔تم اپنی منزل پر کھڑی ہو ۔

سامیہ ! ہمیں یقین ہوتا ہے مگر ہمارا یقین کہیں دور اندھیرے میں گم ہوجاتا ہے اور ہماری امیدیں ہمیں اس امید پر زندہ رکھتی ہیں کہ ہم یقین کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور ایک وقت آتا ہے جب ہماری امیدیں کارگر ثابت ہوتی ہیں اور ہمارا یقین ہمیں مل ہی جاتا ہے ۔ بلکل اسی طرح جیسے آج تم میری زندگی میں ہو ۔ مجھے یقین تھا کہ تم میرے سے ایک دن ہمیشہ کیلیئے آن ملو گی اور میری امیدوں کی کارگزاری کا نتیجہ ہے کہ تم آج میرے سامنے ہو میرے یقین کی صورت میں ۔

کیا میں اپنے آپ سے بات کر رہی تھی نہیں یہ میرے اندر کوئی اور بول رہا تھا ہاں مگر مجھے بشارت ملی ہے۔۔ سامیہ کہ چہرے کہ تمام اوسان انتہائی معمول پر آ چکے تھے وہ اپنے آپ کو انتہائی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔۔ ان تمام بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ اس نے رمزی سے کہا۔۔ نہیں ایسی بات نہیں ۔۔۔۔ میری سوچ تو مدت سے تم تک آ کر تمام ہو چکی۔۔۔ میں اب کہاں سوچتی ہوں۔۔۔ میری اگر کوئی سوچ ہے بھی تو وہ تمھاری سوچوں سے نکلی ہوئی دھارا ہی ہے۔۔۔۔ سنو ! میں بھی محبت کہ رازوں سے بےخبر تمھاری محبت میں گرفتار ہوں مجھے اپنی پناہوں لے لو۔۔۔ میری سمجھ میں آگیا ہے کہ میری عبادت کا حاصل تم ہی ہو۔۔ میری عبادت مقبول ہو چکی ہے۔۔ مجھے اپنی روح میں بسا لو کہ میری روح بھی مقدس ہو جائے۔۔۔ اور میرا جسم خوشبوؤں کا مسکن بن جائے۔۔ مجھے اپنے جسم میں پناہ دے دو۔۔ مجھے انمول بنا دو۔

!جدید دور اور ہم

دشمن نے ہمارے گرد سازشوں کا جال بن رکھا ہے۔۔۔ ہمارے حکمران ان سازشوں کہ جال میں پھنستے ہیں یا پھانسے جاتے ہیں اور پھر ان کی تکمیل کہ لئے کوشاں ہو جاتے ہیں۔۔۔ آج ہم ان سازشوں کی بدولت زبوں حالی کا شکار ہیں۔۔۔ کسی کی صلاحیتوں سے خوف آنے لگے تو اس پر کوئی قدغن یا روک لگادی جائے یا کوئی ضابطہ اخلاق بنا دیا جائے۔۔۔ جس کی بدولت کسی کی صلاحیتیں آہستہ آہستہ، گھٹ گھٹ کر دم توڑ جائیں۔۔۔ زنگ آلود ہو جائیں یا وہ اپنی صلاحیتوں سے، اپنی تخلیقات سے باز آجائے۔۔۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔۔۔ آسان لفظوں میں سمجھنے کیلئے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک انتہائی قابل قدر گاڑی کا میکینک اس لئے معاشرتی اعتبار سے آگے نہیں آسکتا کیونکہ اس کہ پاس کوئی کاغذی سند یا ثبوت نہیں ہے۔۔۔ اسی طرح ایسے انگنت شعبے ہیں جہاں انتہائی ذہین اور قابل لوگ اپنی کارگردگی کا لوہا منوا رہے ہیں۔۔۔۔ ان تمام قابلِ اور ذہین لوگ فقط کنوئیں کہ مینڈک سے زیادہ نہیں ہوتے۔۔۔ کیونکہ ان کہ پاس دنیا کہ کسی تعلیمی ادارے کا کوئی کاغذی پرزا نہیں ہوتا۔۔۔ ہمیں معمولاتِ زندگی میں ایسے بہت سے افراد ملتے ہیں جو اپنے اپنے فن میں ماہر ہوتے ہیں۔۔۔ مگر قدرو منزلت سے یہ لوگ تاریکی کا حصہ ہوتے ہیں۔۔۔ ہمارے ملک میں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں قانون نافذ کرنے والے

ادارے اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دینا شروع کیا وہیں ہمارے سیاسی نمائندگان کی چیخیں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں۔۔۔ قومی مفاہمتی آرڈیننس بن جاتے ہیں۔۔۔

حقیقت پسندی کی چادر اپنی عقل سے ذرا کھسکا دی جائے ۔۔۔اور پھر دنیا کی ترقی میں پوشیدہ رازوں کو پرکھا جائے۔۔۔ کیا ہمیں بڑے بڑے اداروں کہ سند یافتہ لوگ ملینگے۔۔۔کیا تہذیب و تمدن کی پیدائش یا ترویج کیلئے سند یافتہ لوگ آئے تھے۔۔۔ پہیہ بنانے والے کہ پاس کونسی اور کس ادارے کی سند تھی۔۔۔یقینا اس کہ بعد کوئی سند نہیں ہوگی اور کسی ادارے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔اس نے ضرورت کی بدولت پہیہ بنا لیا ہوگا۔۔۔ پھر ضرورت ایجاد کی ماں بن گئی۔۔۔ جیسے جیسے غار میں رہنے والے انسان کی ضرورتیں بڑھتی گئیں ۔۔۔اسی طرح ایجادات کا ایک کبھی نا ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑا۔۔۔ جو یقینا رہتی دنیا تک جاری و ساری رہے گا۔۔۔

ہمارے یہاں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھتے ہیں (یہ سوچ ہمیں ورثے میں ملی ہے اور آگے ساتھ ہی ساتھ بڑھتی جارہی ہے)۔۔۔ترقی یافتہ معاشرے کیلئے ہماری گراں قدر خدمات سے خوف کھا کر مغرب نے یہ ہربہ ہمارے اوپر آزمایا اور ہم اس ہربے میں پھنس گئے۔۔۔ ہم جدید دور کہ

تکاروں سے کہیں دور رہ گئے ہیں۔۔۔شائد ہمیں ٹرین کی پٹڑی بدلنے والے لائن مین نے ہمیں اپنے راستے کی پٹڑی سے ہٹا دیا ہے۔۔۔اور اب ہم وہ کوا ہیں جو چلا ہنس کی چال چلنے کی کوشش میں اپنی چال بھی بھول گیا۔۔۔ہم مردہ پرست ہو کر رہ گئے ہیں۔۔۔مرنے کہ بعد یا پھر اختیارات نہ ہونے کہ بعد لوگوں کی قدر کرتے ہیں انہیں سراہتے ہیں۔۔۔

ہمارے مدرسوں کو نشانہ بنایا گیا۔۔۔ان مدرسوں کو جو نا صرف دین و دنیا کی تعلیم کہ زیور سے ہمارے طالبعلموں کو آراستہ کر رہے ہیں۔۔۔بلکہ ان کہ رہن سہن کھانے پینے کا بھی بندوبست کر رہے ہیں۔۔۔ہم نے جب جب ترقی کی راہ پر گامزن ہونا چاہا یا قدم رکھا ہم پر کسی نا کسی قسم کی تنقید کی کئی کوئی نہ کوئی قدغن لگا دیا گیا۔۔۔یا پھر پٹڑی بدلنے والے لائن مین نے ہمیں اپنے راستے کی پٹڑی سے ہٹا دیا ہے۔۔۔ کہیں بھٹکا دیا۔۔۔

ہم وہ قوم ہیں جس نے محدود وسائل ہونے کہ باوجود ایٹم بم بنا لیا۔۔۔جدید ترین مزائل بنا لئے۔۔۔ہم نے دنیا کو جدیدیت کہ راستے پر گامزن کیا مگر پٹڑی بدلنے والے لائن مین نے اپنے راستے کی پٹڑی سے ہٹا دیا ہے۔۔۔۔ کبھی ہمیں مذہب کہ نام پر لڑوایا جاتا ہے۔۔۔ کبھی زبانوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔۔۔ کبھی علاقائی تقسیم کی جاتی ہے ۔۔۔ کبھی طبقاتی تقسیم کی بھینٹ چڑھا دیا

جاتا ہے۔۔۔ہماری آنے والی نسلیں شائد ان تقسیم سے تو ماوراء ہو جائے ۔۔۔ مگر ان کی نظر میں ترقی کا مطلب ایک بے ہنگم و بے حیاء معاشرہ ۔۔۔جہاں عزت و تکریم کی کوئی ضرورت نہیں ۔۔۔ کسی چھوٹے کو بڑے کیلیئے تعظیمن کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔

اگر ہم خوابِ غفلت سے نہیں جاگیں گے ۔۔۔اگر ہم اس پڑی بدلنے والے کو صیح نہیں کرینگے ۔۔۔تو ہماری تاریخ ہم پر شرمندہ ہو گئی ہمارے اسلاف ہمیں پہنچانیے سے انکار کردینگے۔۔۔ہم دنیا میں گمنام ہو جائینگے (خاکم بدہن)۔۔۔

اختیارات کی جنگ اور عوام!

بات حکومت سے شروع ہو کر حکومت پر ختم ہو جاتی ہے۔۔۔حکومت کم سے کم بنیادی ضروریات تو پوری کر دے یا کسی حد تک تو کر دے۔۔۔آج جگہ جگہ کوڑے کہ ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔۔۔پانی کہ جوہڑ بنے ہوئے ہیں۔۔۔بدبو اور تعفن سے شہر آلودہ ہوئے جا رہا ہے۔۔۔اب تو شہر کہنے کا بھی دل نہیں چاہتا۔۔۔ہم سب حکومتی اقدام کہ منتظر ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے بلکہ اس غلاظتوں میں اضافہ کئے جا رہے ہیں۔۔۔ہم ٹیکس باقاعدگی سے دیتے ہیں۔۔۔دیتے کیا ہیں ،ہمارا تو ٹیکس بھی ہم سے کسی بھتے کی صورت وصول کر لیا جاتا ہے۔۔۔ساری دنیا میں ٹیکس دینے والوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ انکو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔۔۔ہمارے یہاں اس کہ برعکس آلاترین مثالیں موجود ہیں۔۔۔ ٹیکس چوروں کو مراعات بھی دی جاتی ہیں اور عزت بھی جبکہ ٹیکس دینے والوں کہ ساتھ عام آدمیوں کہ ساتھ ہونے والا برتاؤ برتا جاتا ہے۔۔۔

ہم حکومت کو یہ دھمکی تو دیتے ہیں کہ اگر بجلی کا مسلۂ حل نہیں ہوا تو ہم بجلی کا بل نہیں دینگے۔۔۔گیس کا مسلۂ حل نہیں ہوا تو بل نہیں دینگے۔۔۔پانی کا مسلۂ یا سیورج کا مسلۂ حل نہ ہوا تو بل نہیں دینگے۔۔۔مگر بل تو دینا ہے

کیونکہ آپ حکومتی رٹ کو چالنج کرنے کہ مجاز نہیں ہیں۔۔۔ہم تو ویسے بھی ریوڑ ہیں
چلینجز تو قوموں کا شعار ہے۔۔۔ جو چیلنج دیتے بھی ہیں اور قبول بھی کرتے ہیں۔۔۔
ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کو خارجی اور داخلی انگنت مسائل کا سامنا
ہے۔۔۔بہت تکلیف دہ بات ہے مگر پاکستان مسائل کی آماجگاہ ہے۔۔۔ شہروں میں
بنیادی سہولیات کے مسائل گھمبیر صورت اختیار کرتے جارہے ہیں۔۔۔اس صورتحال
سے نمٹنے کیلئے بلدیاتی انتخابات ناگزیر تھے۔۔۔جن کا انعقاد سپریم کورٹ کی مرہونِ
منت ہوسکا۔۔۔ بدقسمتی سے انتخابات تو ہوگئے مگر اب ایک نئے مسلئے نے سر اٹھایا ہوا
ہے۔۔۔یہ مسلۂ عوامی نمائندوں کو اختیارات سے محروم رکھ کر کھڑا کیا گیا ہے
۔۔۔اختیارات کہ حصول کی اس جنگ میں جمہوریت کا بھی جنازہ نکال دیا گیا ہے
۔۔۔ایوان میں اکثریت کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کا جو دل چاہے پاس
کرالیں۔۔۔یہ واضح اکثریت ایوان میں بھی یہی کرتی نظر آرہی ہے تو اس کی دیکھا دیکھی
سائیں سرکار بھی ان کہ ہی نقشِ قدم پر چل رہی ہے۔۔۔ سندھ حکومت نہ تو خود کچھ
کرنے کی روادار ہے تو دوسری طرف اختیارات بھی دینے کو تیار نہیں۔۔۔
ایسی صورتحال میں کس طرح ان مسائل سے نمٹا جائے۔۔۔ایک صورت تو یہ ہے کہ
شہروں کی صفائی ستھرائی، نکاسی آب اور ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کی مرمت کا کام ٹھیکے پر دیا
جائے۔۔۔جس کی بدولت سیاست کرنے کا سامان بھی میسر آجائے

گا۔۔۔دوسری صورت یہ ہے کہ عوام اپنی مدد آپ کہ تحت چندہ جمع کریں اور اپنے اپنے محلوں میں صفائی کی مہم شروع کریں۔۔۔حکومت کو تو ارادہ ہے نہیں کہ اختیارات دے چندے سے جمع شدہ رقم سے کونسلر یا ناظم کہ دفتر کو بھی چلالیا جائے۔۔۔یعنی ایک خود ساختہ دھانچہ مرتب کرلیا جائے۔۔۔اگر اپنے اپنے علاقوں میں کم از کم صفائی ستھرائی چاہتے ہیں۔۔۔دونوں صورتوں میں حکومتِ وقت کو قطعی کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔۔۔حکومت اسمبلیوں میں بیٹھیں جس کا دل چاہے مذاق اڑائیں۔۔۔بیوٹی پارلر بنائیں یا اپنی اپنی نیندیں پوری کریں۔۔۔

ابھی ایک خبر نے سمع خراشی کی ہے کہ سپریم کورٹ نے حکومت کو حکم دیا ہے کہ وہ بلدیاتی اداروں کو اختیارات دیں۔۔۔یعنی اب ہر کام کو سرانجام دینے کیلئے سپریم کورٹ یا پھر فوج کو اپنے ناجائز اختیارات کا استعمال کرنا پڑے گا۔۔۔کراچی جو بین الاقوامی شہروں میں گنا جاتا ہے روز بروز کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا جارہا ہے۔۔۔وفاقی حکومت کم و بیش اپنی تمام تر توانائی ملک کی معیشت کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور خارجہ امور پر صرف کر رہی ہے۔۔۔تو سائیں سرکار کچھ نا کرنے کی قسم کھا کر اپنی موج مستیوں میں مگن ہے۔۔۔عوام کو جمہوریت سے شائد ہی کبھی کچھ ملا ہے۔۔۔

بلدیاتی اداروں کو جلد از جلد اختیارات کہ ساتھ بحال کیا جائے۔۔۔انہیں موقع

دیا جائے کہ یہ داخلی مسائل حل کریں اور وفاقی حکومت کو خارجی معاملات نمٹانے میں اپنی توانائیاں صرف کرنے کا موقع دے۔۔۔پتہ نہیں ہم لوگ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے اختیارات بانٹے تو ہماری حیثیت مشکوک ہو جائے گی۔۔۔ جبکہ معاملہ اس کہ برعکس ہے آپکی حیثیت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔۔۔اور کام بھی زیادہ ہوگا۔۔۔دیکھئے سپریم کورٹ کہ نئے احکامات پر کب تک عمل درآمد ہوتا ہے۔۔۔

میں ہار نہیں مانوں گا !

نہ جانے وہ کیا سوچ کر درخت کے سائے میں لگی ایک بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔۔۔وہ ایک عرصے سے اسی راستے کا مسافر تھا۔۔۔مگر اس نے کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ یہ بینچ یہاں کیوں لگی ہے۔۔۔آج جب وہ یہاں سے گزر رہا تھا تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کہ پیر کچھ بوجھل سے ہو رہے ہیں۔۔۔معلوم نہیں بوجھل ہو رہے تھے یا اس بینچ کو دیکھ کر بوجھل ہو گئے۔۔۔اس نے بینچ پر بیٹھتے ہوئے سوچا کہ بینچ شائد میرے لئے ہی لگائی گئی تھی مگر میں رکتا تو کیا دیکھتا ہی نہیں تھا۔۔۔مگر آج میں رکا بھی اور اس بینچ پر بیٹھ گیا اس نے رب کا شکر ادا کیا اور ساتھ ہی اس سرکاری اہکار کا بھی شکر گزار ہوا جس نے یہ بینچ یہاں نسب کروائی تھی۔۔۔

وہ سوچ رہا تھا کہ تھکن کسی کی ہار اور جیت میں کتنا کردار ادا کر سکتی ہے۔۔۔ایک وہ وقت بھی تھا جب وہ اس جگہ سے تقریباً بھاگتے ہوئے اس جگہ سے گزرتا تھا۔۔۔اور آج یہ نوبت آچکی تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہاں بیٹھ گیا تھا۔۔۔وہ تھک چکا تھا۔۔۔زندگی نے اسے اتنا دوڑایا تھا اتنا بھگایا تھا کہ وہ تھک کر اس بینچ پر براجمان ہو چکا تھا۔۔۔زندگی سے وفا نہیں ہے۔۔۔نہ جانے کیوں لوگ اپنے محبوب کو زندگی کہتے ہیں یا وہ جان بوجھ کر ایسا کرتے

ہیں۔۔۔اکثر محبوب بے وفا ہی تو نکلتے ہیں۔۔۔وہ زندگی کو خوبصورت دیکھنا چاہتا تھا بنانا چاہتا تھا۔۔۔اس چاہ میں وہ ہلکان ہو گیا تھا۔۔۔اور اب راستے کی ایک بینچ پر بیٹھا تھا۔۔۔اب وہ ایسے ہی بیٹھا رہنا چاہتا تھا۔۔۔دور سڑک پر سے گزرتی گاڑیاں، گاڑیوں میں بیٹھے لوگ سب اپنی طرح پریشان لگ رہے تھے۔۔۔وہ ان لوگوں کہ لئے پریشان تھا۔۔۔مگر ان میں امید کہ ساتھ ساتھ ہمت بھی باقی تھی۔۔۔اسکے پاس امید تو باقی تھی مگر ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔۔۔سورج اپنی شعاعیں سمیٹ رہا تھا۔۔۔رات کی سیاہی آہستہ آہستہ اطراف کی ہر چیز کو نظروں سے پوشیدہ کئے جا رہی تھی۔۔۔وہ اپنی ہتھیلیوں میں اپنی تھوڑی رکھے ہوئے گہری سوچوں میں گم تھا۔۔۔تاریکی بڑھنے لگی تھی۔۔۔دور سے گزرتی کسی گاڑی کی روشنی نے اسکی پلکوں کو جھپکنے پر امادہ کیا۔۔۔وہ اٹھا اور چلنے لگا۔۔۔اسی راستے پر جس سے اسکے پاؤں بہت بخوبی شناسا تھے۔۔۔وہ راستہ بدلنے کیلئے تیار نہیں تھا۔۔۔وہ کوئی ہم سفر چننے کیلئے تیار نہیں تھا۔۔۔وہ اکیلا بینچ پر بیٹھا رہنا چاہتا تھا۔۔۔وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ راستے کہ قریب پہنچ کر مایوسی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔۔۔اسکی مایوسی بھی اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی۔۔۔وہ جانتی تھی کہ یہ بظاہر مایوس ہے یا تھوڑا سا تھکا ہوا ہے جس کی وجہ سے اس نے مایوسی کا دل رکھنے کیلئے اسے اپنی بینچ پر تھوڑی سی جگہ دی ہے۔۔۔اس کی جستجو میں کبھی کمی نہیں آئی ہے۔۔۔راستے بدلے ہیں، انداز بدلے ہیں، مگر جستجو ترک نہیں کی۔۔۔بسوں کہ پیچھے

بھاگنا ہو یا قطاروں میں لگنا ہو۔۔۔وہ اپنی جستجو سے نظریں چرانے والا نہیں۔۔۔ کسی کا دھوکا، کسی کی بے وفائی یا بے اعتنائی ،کیسے بھی حالات تھے وہ اپنی منزل کی جانب گامزن تھا۔۔۔وہ بہت اچھی طرح اس حقیقت سے بھی واقف تھا کہ زندگی کہاں اور کب اس کا یا کسی کا بھی ساتھ چھوڑ دیگی ۔۔۔کوئی نہیں جان سکتا۔۔۔وہ وقت کو بہترین استعمال کرنا چاہتا تھا۔۔۔کبھی کبھی تو وہ چاہتا کہ میں اپنے آپ کو بانٹ لوں اور کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کرلوں۔۔۔مگر ہر کام اپنے وقت پر ہی ہوتا ہے۔۔۔

اب ہوا کی خنکی اسے محسوس ہونے لگی تھی۔۔۔چاندنی سے اسکی آنکھوں کی نمی خشک ہو چکی ۔۔۔اب وہ بس اسٹاپ پر کھڑا آنے جانے والی گاڑیوں میں اپنے گھر جانے والی گاڑی کہ نمبر پر غور کر رہا تھا۔۔۔اسکے وجود میں ایک نئ روح سی پھونک دی گئ تھی۔۔۔اس نے بینچ پر بیٹھے بیٹھے اپنے آپ سے تمام واقعات کا احاطہ کیا تھا اور خود کو یہ سمجھانے پر امادہ ہو گیا تھا کہ کل کا سورج نئ کرنوں کی تمازت سے حرارت سے مجھے نئ ہمت اور حوصلہ دے گا۔۔۔اس نے اپنے آپ کو باور کرایا تھا کہ میں ہار نہیں مانونگا۔۔۔

گورنر صاحب سے ایک درخواست!

محترم قارئین آپ کے سامنے ایک خط پیش کر رہا ہوں جو پچھلے دنوں سندھ کے گورنر جناب ڈاکٹر عشرت العباد صاحب کو لکھا تھا۔۔۔برائے مہربانی اگر اس خط میں بیان کئے گئے مدعے سے متفق ہوں تو اسے آگے ضرور بڑھایئے گا تاکہ کوئی عملی کام نظر آسکے۔۔۔خط پیشِ خدمت ہے

السلام و علیکم

محترم ڈاکٹر صاحب،

سب سے پہلے ہم آپ کو دل کی گہرائیوں سے پاکستان میں سب سے طویل عرصے بطور گورنر تعینات رہنے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت آپ کہ تمام امور و معاملات میں آسانی فرمائے (آمین)۔

تعارف:

میرا تعلق آن لائن لکھنے والوں کے ایک رائٹرز کلب سے ہے اور باقاعدہ اس کلب میں بطور سیکریٹری کہ عہدے پر فائز ہوں۔ کلب کا نام ہماری ویب رائٹرز کلب ہے۔ مختلف موضوعات پر مضامین بھی آن لائن شائع ہوتے رہتے ہیں اور شاعری پر بھی طبع آزمائی کرلیتا ہوں۔ اس کلب کے توسط سے ہم لکھنے والوں کی حوصلہ

افزائی کرنے کی ذمہ داری بہت احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں۔ ہماری ویب رائٹرز کلب پاکستان میں آن لائن لکھنے والوں کا سب سے بڑا رائٹرز کلب ہے۔ ہم کسی حد تک ادب خصوصی طور پر اردو ادب کے فروغ کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ اپنے اس خط کے ساتھ اپنے کلب کا ایک تعارفی کتابچہ منسلک کر رہا ہوں۔ شائع شدہ الیکٹرونک کتاب کا لنک نیچے دیا گیا ہے؛

?http://hamariweb.com/articles/ebook/Sheikh-Khalid-Zahid

ابتدائیہ :

آپ کے وقت کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس خط کا مقصد پیش کرنا چاہو نگا۔ اس امر سے ہم سب بخوبی واقف ہیں کہ معاشرہ روز بروز بگاڑ کی جانب بہت تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے۔ ایسی صورتحال سے نمٹنے کیلئے آپ کی ادبی و ثقافتی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ جسارت کی ہے کہ آپکو اپنی جانب سے ایک تجویز پیش کروں جو کہ یقیناً قابل عمل ہے۔ آپ اس بات سے اتفاق کرینگے کہ ادب کا فقدان ہمارے معاشرے میں بگاڑ کی بہت اہم وجہ بنی ہوئی ہے۔ گو کہ ادب کے حوالے سے بہت کام ہو رہا ہے مگر پچھلے زمانوں کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آج ادب بہت خوفزدہ سا دکھائی دیتا ہے۔ ادبی تقریبات سوشل میڈیا پر تو بہت نظر آتی ہیں۔ مگر ان تقریبات سے ہٹ کر بڑے بڑے شاعروں ادیبوں کی بیٹھکوں تک رسائی بہت مشکل کام ہو گیا ہے۔

نئے سال کے آغاز یعنی جنوری میں ملتان میں ایک ٹی ہاؤس کا افتتاح ہوا (مجھے یقین ہے آپ ضرور آگاہ ہونگے)۔ اس ٹی ہاؤس کا مقصد شاعروں، ادیبوں اور ادب سے رغبت رکھنے والوں کو مل بیٹھنے کی باقاعدہ جگہ فراہم کی جائے۔ اسی طرح کا ایک ٹی ہاؤس لاہور میں بھی موجود ہے۔ ادب کی خدمت میں ایسی بیٹھکوں کا بہت عمل دخل رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کراچی جہاں اردو بولنے والوں کی ایک کثیر تعداد رہتی ہے اس قسم کے ٹی ہاؤس سے کیوں محروم ہے (اگر ہے تو میں اپنی لاعلمی پر شرمندہ ہوں)۔ دوسری طرف اتنے بڑے شہر میں جہاں آبادی کی بہتات ہے صرف ایک آرٹس کونسل ہے۔ یہ سراسر ادب اور ثقافت کے ساتھ زیادتی ہے۔ کچھ اسی طرح کا حال شہر میں موجود لائبریریوں کا بھی ہے۔

:درخواست نما تجاویز

آپ سے گزارش یہ کرنا ہے کہ کراچی میں جو انتہائی خوبصورت فیملی پارک بنائے گئے ہیں۔ سب سے پہلے تو ان پر آپ اپنی خصوصی توجہ عنایت فرمائیں۔ ورنہ کچھ عرصے بعد اکثر پارک زبوں حالی کی منہ بولتی تصویر بن جائینگے۔ ان پارکوں میں ادبی کارنر یا ادبی بیٹھک کا باقاعدہ انتظام کیا جائے۔ جہاں علاقے میں رہنے والے وہ خواتین و حضرات جو ادب کی کسی بھی صنف سے شغف رکھتے ہیں، اپنے شوق کی تشفی کے لئے ایک مستند جگہ جمع ہوسکیں اور ایک دوسرے سے کچھ

سیکھ سکیں (وہ تمام ادیب و دانشور جو ان علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں نوجوانوں کو ادب کی جانب بڑھنے کا کام سرانجام دین)،۔ بصورتِ دیگر ضلعی سطح پر ٹی ہاؤس کی طرز پر باقاعدہ ممبرشپ کے ذریعہ قائم کی جائیں۔ بلکل اسی طرح آرٹس کونسل کی بھی ضلعی سطح پر شاخیں بنائیں جائیں۔ آپکے یہ اقدامات یقیناً کراچی والوں کیلئے ہمیشہ تشکر اور ستائش کا باعث بنے رہیں گے.

امید کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ مندرجہ بالا تجاویز معاشرے میں بڑھتے ہوئے بگاڑ اور بے راہ روی کو روکنے میں کچھ نہ کچھ ضرور مددگار و معاون ثابت ہونگی۔

اگر آپ کو وقت اجازت دے تو ہماری ویب رائٹرز کلب کے ذمہ داروں کے ساتھ آپکے ساتھ ملاقات کا متمنی ہوں۔ شکریہ!

آپکہ قیمتی وقت کا بہت شکریہ!

آپکا خیر اندیش

شیخ خالد زاہد

آپ سے درخواست ہے کہ اپنی قیمتی رائے سے ضرور نوازیئے گا۔

ہماری ویب لکھنے والوں کی ماں ہے

وقت بہت تیزی سے اپنی منزلیں طے کر رہا ہے۔۔۔وقت بذاتِ خود اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔۔۔مگر وقت کی اہمیت اور افادیت ہمارے لیے ہے آپکے لیے ہے۔۔۔کہتے ہیں وقت پر نہیں ملا تو پھر ملا تو کیا ملا۔۔۔وقت پر رکھ کر ہم اپنی انگنت نااہلیوں پر پردہ ڈال لیتے ہیں۔۔۔ہم نہیں ہونگے مگر وقت ہوگا۔۔۔ہم محد سے لحد تک کیلئے وقت کی قید میں رہتے ہیں۔۔۔لکھنے لکھانے کا سلسلہ ایک طویل عرصے سے جاری و ساری تھا۔۔۔مگر بد قسمتی سے کوئی ایسی جگہ میسر نہیں تھی جہاں سے اپنے احساسات و خیالات کی تشہیر ہوسکے۔۔۔وقت کہ دھارے میں بہتے رہے لکھتے رہے۔۔۔ ٹھیک سے یاد نہیں کہ ہماری ویب سے کسطرح شناسائی ہوئی تھی۔۔۔مگر اتنا ضرور یاد ہے کہ ۲۰۱۱ کے دسمبر میں میرا پہلا مضمون ہماری ویب پر شائع ہوا تھا۔۔۔پھر ہماری ویب نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی یہ ہماری ویب ہے جو اسکا ہو جائے یہ اسکی ہوجاتی ہے۔۔۔ہم نے ایک دوسرے سے وفا کا تعلق قائم کر لیا۔۔۔وقت گزرتا رہا اور یہ سفر جاری ہے ۔۔۔

۲۰۱۴ کے آخیر میں ہماری ویب کی انتظامیہ نے اپنی دلچسپی ظاہر کی کہ آن لائن لکھنے والوں کا کوئی باقاعدہ کلب تشکیل دیا جائے۔۔۔ مشاورتی عمل شروع ہوا

اور پہ در پہ چھوٹی چھوٹی بیٹھکوں کہ ساتھ یہ طے پایا کہ ایک لکھنے والوں کا آن لائن کلب تشکیل دیا جائے۔۔۔بہت قلیل وقت میں بہت سی مشاورت کے بعد ہماری ویب رائٹرز کلب کو ایک وجود کی شکل دے دی گئی ۔۔۔ جنوری ۲۰۱۵ میں ہماری ویب رائٹرز کلب کے نام سے کلب وجود میں آگیا۔۔۔ ذمہ داروں کے نام تجویز کئے گئے اور انہیں باقاعدہ ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔۔۔اہم ذمہ داروں میں چیئرمین جناب ابرار احمد صاحب، صدر محترم ڈاکٹر رئیس احمد صمدانی صاحب اور جنرل سیکریٹری جناب عطاء محمد تبسم صاحب۔ ہماری ویب رائٹرز کلب نے اپنے دورِ اقتدار میں ہماری ویب کے پیشہ ور ماہرین کی تعاون سے ای بک کا اجراء ایک پر وقار تقریب میں کیا۔ یہ تقریب کراچی آرٹس کونسل میں منعقد کی گئی یہ بہت ہی پر رونق تقریب تھی۔اسی طرح ایک انتہائی پر وقار تقریب ہمارے ملک کہ نامور شاعر جناب پروفیسر سحر انصاری صاحب کے اعزاز میں عثمانیہ ریسٹورینٹ میں منعقد کی گئی جس میں پر تکلف ظہرانا بھی دیا گیا۔۔۔

ہماری ویب رائٹرز کلب کے خواب سے لے کر حقیقت تک کا سفر جناب ابرار احمد صاحب اور انکی پیشہ ورانہ ٹیم کی انتھک محنت اور کوششوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔۔۔نفسہ نفسی کہ اس دور میں انفارمیشن ٹیکنالوجی پیشہ ور ماہر لوگوں نے لکھنے والوں کیلئے یقینا کچھ الگ سے تگ و دو کی ہوگی ۔۔۔پھر پروگرام کہ انعقاد کیلئے انہوں نے خصوصی وقت نکالا ہوگا اور اپنی بھرپور صلاحیتوں کو

بروئے کار لاتے ہوئے اتنے بہترین پروگرام منعقد کئے۔۔۔یہ تمام لوگ ہماری ویب رائٹرز کلب کے ذمہ داروں اور تمام لکھنے والوں کیلئے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔۔۔میں اپنی جانب سے خصوصی طور پر اور تمام لکھنے والوں کی جانب سے عمومی طور پر ہماری ویب کی پوری ٹیم کو انکی گراں قدر خدمات کی مد میں سیلوٹ پیش کرتا ہوں اور کرتا ہوں۔ ہم بطور لکھاری یہ امید اور یقین رکھتے HATSOFF انگریزی میں کہتے ہیں ہیں ایکی پیشورانا محارت ہم لکھنے والوں کو اور ہماری ویب کو اور بلندیوں پر لے کر جائے گی (انشاءاللہ)۔محترم ابرار احمد صاحب اور انکی ٹیم میں شامل لوگ بہت پر خلوص اور پر عزم ہیں۔۔۔یہ وہ عوامل ہیں جو کسی بھی دشوار سے دشوار کام کو آسان بنا سکتے ہیں۔۔۔

گزشتہ روز (اتوار) مورخہ ۱۳ مارچ ہماری ویب کی جانب سے ایک جنرل باڈی اجلاس کا انعقاد کیا گیا۔۔۔اس اجلاس کا اہم ترین مقصد نئ کمیٹی کی تشکیل تھا تو دوسری طرف آنے والے دنوں میں ہونے والی پروگراموں کے حوالے سے آگہی بھی تھی۔۔۔اس پروقار تقریب کی سب اہم اور خوبصورت بات یہ تھی کہ اب ہم لوگ (ہماری ویب پر لکھنے والے) آپس میں کافی حد تک ایک دوسرے سے شناسا ہوگئے ہیں۔۔۔جسکی وجہ سے تکلف نام کو نظر نہیں آیا۔۔۔نئے عزم اور ولولے کے ساتھ نئ کمیٹی تشکیل پاگئی ۔۔۔اس کے ساتھ اور بھی کچھ اہم فیصلے کئے گئے ہیں۔۔۔نئ کمیٹی کہ تمام ممبران کو دلی مبارک پیش کرتا ہوں اور اپنی جانب سے ہر

ممکن تعاون کی یقین دہانی کراتا ہوں۔۔۔ کمیٹی کے نئے ذمہ داروں کے حوالے سے ہماری ویب کی جانب سے جلد ہی آپ لوگوں کو اطلاع مل جائے گی۔۔۔اس تقریب میں کم و بیش تمام ممبران نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار بہت خوبصورت الفاظ میں کیا۔۔۔ہم بھی وہاں موجود تھے مگر ہم نے اپنے خیالات کے اظہار سے معذرت کر لی ۔۔۔ہماری ویب سے وابسطہ چند وہ لوگ جنھوں نے ہماری ویب کہ توسط سے اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور پھر پرنٹ میڈیا میں اپنی جگہ بنائی۔۔۔ان میں سرِفہرست جناب سید مسرت علی صاحب ہیں جو کہ صاحبِ کتاب ہو چکے ہیں اور انکی کتاب کو بین الاقوامی سطح پر سراہا گیا۔۔۔ محترمہ عینی صاحبہ نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور آپ ایکسپریس پر بھی بطور کالم نویس پڑھی جا سکتی ہیں۔۔۔ عابد محمود عزام آپ بھی اپنے قلم کے جوہر ایکسپریس پر دکھا رہے ہیں۔۔۔ محترمہ ثناء غوری صاحبہ بھی ایکسپریس اخبار و میگزین پر نظر آتی ہیں۔۔۔یہ وہ تمام لوگ ہیں جو ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔۔۔اعظم عظیم اعظم صاحب اور محمد ابراہیم صاحب کی دلچسپ گفتگو نے اجلاس میں مسکراہٹیں بکھیریں۔۔۔دو عطاء محمد تبسم صاحب نے اپنی داشمندی سے اجلاس کو شروع سے آخر تک زندہ رکھا۔۔۔چیرَ مین جناب ابرار احمد صاحب اور صدر جناب صمدانی صاحب نے ہماری ویب رائیٹرز کلب کا دستورِ اساسی پیش کیا اور اسکے اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی۔۔۔

اگر میں نے جناب مصدق صاحب کا ذکر نہ کیا تو یقیناً ہماری ویب رائٹرز کلب کے ذمہ داران اور تمام لکھنے والے مجھ سے نالاں ہونگے۔۔۔ کیونکہ ابرار احمد صاحب کے بعد ہم کسی شخصیت سے آشنا ہیں تو وہ ہیں جناب مصدق صاحب۔۔۔ مصدق صاحب ہر وقت دستیاب ہیں اور آپ بھی ہماری ویب کی اس ہی ٹیم کا حصہ ہیں جو ہماری ویب رائٹرز کلب کی اہمیت و افادیت روز بروز بڑھانے میں برسرِپیکار ہیں۔

تقریب کے اختتام پر ہماری ویب نے سابقہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ریفریشمنٹ باکسس تمام ممبران کو پیش کئے اور گروپ کی تصویر بھی کھینچی گئی۔۔۔جو جلد آپ کے ساتھ شیئر کی جائے گی۔۔۔ میں نے اب تک جو ہماری ویب کو سمجھا ہے کوشش کی ہے کہ اسے ایک قطعہ کی شکل میں آپ لوگوں کہ سامنے پیش کروں اور اسی پر اپنے مضمون کا اختتام کروں۔۔۔

نامعلوم لکھنے والوں کی آماجگاہ ہے
دربدر لکھنے والوں کی دارلاماں ہے
بتاؤں کس مرتبے پر ہے یہ فائز خالد
ہماری ویب لکھنے والوں کی ماں ہے

مصطفیٰ کمال اور پاکستانی سیاست!

آج کل جو خبر گرم ہے وہ ہے مصطفیٰ کمال کی واپسی اور کراچی کی اکیلی سیاسی جماعت متحدہ قومی موومنٹ میں پڑنے والی دراڑیں۔۔۔ مصطفیٰ کمال نے ملک کہ سیاسی ماحول میں بھونچال پیدا کیا ہے یا صرف کراچی کی سیاست کو نیا رنگ دینے کیلئے جو کوشش کی وہ کہاں تک کامیاب ہوئی ہے یا ہوگی ۔۔۔یہ سب آنے والے وقت میں پوشیدہ ہے ۔۔۔ملک کہ بڑے بڑے مبصرین کا کہنا ہے کہ مصطفیٰ کمال اور انکی حمایت میں انکے ساتھ ملنے والے یا کھڑے ہونے والے یا آگے ساتھ چلنے والے کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر پائینگے۔۔۔ قابلِ قدر مبصرین، محققین اور تجزیہ نگار اپنی دانست میں بلکل درست فرمارہے ہونگے۔۔۔ لیکن حقیقت اس کے کچھ برعکس نظر آرہی ہے۔۔۔ ۲۰۱۴ کہ بعد سے سیاسی منظر نامہ کافی حد تک تبدیل ہوگیا ہے (یہ کہا جائے کہ منہ زور ہوگیا ہے تو غلط نہیں ہوگا)۔۔۔اگر آپ کو یاد ہو ۲۰۱۴ میں پاکستان کی تاریخ کا سب سے لمبے عرصے تک دیا جانے والا عمران خان صاحب کا دھرنا ہوا تھا اور پاکستان کہ سیاسی افق پر ایک نئی سوچ اور ایک نیا طرزِ احتجاج متعارف کروایا تھا۔۔۔اس دھرنے سے شائد مطلوبہ حدف تو حاصل نہیں ہوسکے لیکن ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ عوام کو غلط اور صحیح کی پہچان کرنے کا طریقہ یا فن آگیا۔۔۔اپنی تکلیفوں پر شور کرنے کا ہنر مل گیا۔۔۔

کراچی میں ایسی کسی سوچ اور فکر کیلیئے کوئی جگہ نہیں تھی۔۔۔ کراچی والے مخصوص سوچ اور فکر کہ حامی یا حمایتی ہیں انکے لئے الگ سے کچھ سوچنے کی ممانعت رہی ہے ۔۔۔اسکی ایک وجہ توخوف وہراس سے آلودہ آب و ہوا ہے۔۔۔تو دوسری طرف معیشت کی چکی ہے جس میں کراچی کہ رہنے والے کچھ زیادہ ہی پسے جارہے ہیں۔۔۔ کراچی پاکستان کاسب سے بڑا شہر ہے اور بڑے شہر کے مسائل بھی بڑے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ خصوصی طور پر جس شہر کا کوئی والی وارث نہ ہو تو مسائل آسمان سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔۔۔ جیساکہ کراچی میں ہورہا ہے۔۔۔ہم بہت سن چکے اور دیکھ چکے کہ کون کس کا آلاء کار ہے اور کون کس کہ ایجنڈے کیلیئے کام کر رہا ہے۔۔۔یقین جانیئے مجھے یہ لکھتے ہوئے قطعی کوئی عار محسوس نہیں ہورہی کہ ملک خداد پاکستان میں سیاسیات و معاشیات (کسی حدتک صحافت بھی) سے وابستہ لوگ کسی نہ کسی ملک دشمن قوت کہ آلاء کار بنے ہوئے ہیں۔۔۔اس بات کو ثابت تو نہیں کیا جاسکتا مگر محسوس ضرور کیا جاسکتا ہے۔۔۔اب یہ لوگ بلواسطہ استعمال ہورہے ہیں یا بلاواسطہ یہ معلوم کرنا ہمارے ہمہ جہت قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کام ہیں۔۔۔
مصطفیٰ کمال کوئی درآمد شدہ فکر یا سوچ لیکر وطن نہیں لوٹے۔۔۔انکا بنیادی نعرہ حب الوطنی ہے یعنی وطن سے مخلص ہونے کی تلقین بھی کر رہے ہیں۔۔۔دنیا

نے ترقی کیلیئے سائنس کا سہارا لیا وہ چاند اور مریخ تک پہنچ گئے۔۔۔ جیمس ٹروڈیو کینیڈین وزیر اعظم کا نام ہے انہیں یہ عہدہ چوالیس سال کی عمر میں ملا ہے۔۔۔ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ۔۔۔ یہ کوئی اعزازی عہدہ نہیں ہے۔۔۔ ان کی ایک تصویر سوشل میڈیا پر گردش کرتی ہماری نظروں سے بھی گزر گئی۔۔۔ یقین جانئے بے ساختہ خلفائے راشدینؓ کا دور یاد آگیا۔۔۔ یہ صاحب اپنے بیوی بچوں کہ ساتھ جن میں ایک بچی انکی گود میں ہے اور وہ سب سڑک کراس کرتے نظر آرہے ہیں۔۔۔ اس تصویر کی اہم بات یہ ہے کہ انکے آس پاس کوئی حفاظتی حصار نہیں نظر آرہا۔۔۔ انکے چہرے خوف سے عاری پر سکون دیکھائی دیتے ہیں۔۔۔ دوسری طرف ہمارے ملک کہ وزیرِ اعظم تو بہت دور کی بات ہے کوئی وزیر کو دیکھ لیں دنیا جہان کہ اسلحے سے لدے حفاظتی حصار کہ باوجود چہرے خوف کی علامت بنے ہوئے ہیں۔۔۔ ایسا کیوں ہے؟؟؟؟ صرف ایک چیز کا فرق ہے اور وہ ہے اپنے ملک سے محبت اور اس محبت کی آبیاری خدمت سے کرتے ہیں وہ لوگ۔۔۔ جبکہ ہمارے یہاں ملک سے نفرت اور اس کی آبیاری ملک دشمن عناصر کہ ناپاک عزائم کی تکمیل کر کہ کرتے ہیں۔۔۔

پنجاب اور سندھ پر مخصوص لوگوں کی اجارہ داری ہے۔۔۔ جو انکا دل چاہتا ہے وہ کر رہے ہیں اور کچھ تو کچھ بھی نہیں کر رہے۔۔۔ مصطفیٰ کمال اور عمران خان کی سیاست میں مماثلت نظر آرہی ہے۔۔۔ دونوں محبِ وطن ہونے کہ بلند و بانگ دعوے

کر رہے ہیں۔۔۔عمران خان خیبر پختون خواہ میں اپنی حب الوطنی کا ثبوت دینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور کافی حد تک کر چکے ہیں۔۔۔اب دیکھنا یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال اپنے محبِ وطن ہونے کا ثبوت کس طرح پیش کرینگے۔۔۔ کراچی کو خوف و ہراس کے دلدل سے نکال سکینگے۔۔۔ کراچی کی عوام کا مزاج بدلنے میں کامیاب ہو سکینگے۔۔۔آنے والے وقتوں میں پاکستانی سیاست ملک سے محبت کی بنیاد ہونے جارہی ہے۔۔۔اللہ کرے میرا یہ خواب اور ان تمام لوگوں کا جو ملک کی قیادت میں خوداری اور خود اعتمادی دیکھ سکیں۔۔۔آنے والا وزیرِ اعظم کیلیئے کراچی کی شاہراہِ فیصل گھنٹوں بند نہ ہو۔۔۔ایمبولینس یا رکشے میں کسی کہ حفاظتی حصار کی وجہ سے کوئی زندگی جنم نہ لے۔۔۔یا کوئی طبّی امداد کی سہولت کیلیئے ادھر ادھر نہ بھاگ رہا ہو اور اس کا کوئی عزیز زندگی نا ہار دے۔۔۔جب سب ادارے اور ان میں کام کرنے والے صحیح کام سرانجام دینے لگینگے تو کسی وزیر کو حفاظتی حصار کی ضرورت نہیں پڑے گی۔۔۔ کسی کا وقت رائیگا نہیں جائے گا۔۔۔اگر سیاست کرنی ہے تو ملک کیلیئے کرو حب الوطنی کیلیئے کرو۔۔۔دلوں میں محبت پیدا کرو نہ کہ خوف سے حکومت کرو۔۔۔اللہ ہر اس سیاست کا حامی و ناصر ہو جو حقیقی معنوں میں اسکے دین کہ نفاذ کیلیئے برسرِپیکار ہو۔۔۔(آمین

تھکان سے بھرپور بے مقصد سفر !

دنیاکہ ہر ملک میں اچھائی اور برائی موجود ہے۔۔۔پیمانے مختلف ہیں،برائی کی شکلیں مختلف ہیں۔۔۔مگر اچھائی کی شکل تمام مذاہب میں ایک سی ہی ہوتی ہے۔۔۔دنیا کی آبادی چھ ارب انسانوں سے تجاوز کر رہی ہے۔۔۔قدرت نے شکلیں ہی نہیں سوچ اور سوچنے اور برتنے کہ انداز بھی ایک دوسرے سے مختلف بنائے ہیں۔۔۔ہم تو اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ قدرت کہ کارخانے میں ابھی اور کیا کچھ نیا باقی ہے۔۔۔ایک دوسرے سے بھلائی کرنا ایک دوسرے کہ کام آنا بلا اشتراکِ تعلق دنیا کہ ہر دین و مذہب کا خاصہ ہے۔۔۔ان مقصد کو لیے دنیا جہان میں لوگ اپنے اپنے طور پر کام اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔۔۔اچھائی (NGO) کررہے ہیں۔۔۔غیر سرکاری تنظیمیں کرنا اور اس کی تشہیر کرنا آج سوشل میڈیا کہ اس دور میں فیشن کی ایک شاخ بھی بنتا جارہاہے (ان تمام اداروں اور ان سے وابستہ لوگوں سے بہت معذرت کہ ساتھ جو حقیقی معنوں میں خدمتِ خلق کہ حقیقی جذبے سے سرشار اس کارِ خیر میں مصروف ہیں) ۔۔۔دنیا میں وہ تمام لوگ جو ایک مخصوص مقصد (انسانیت کی بھلائی) کیلئے کام کررہے ہیں ایک جگہ جمع کیوں نہیں ہوجاتے۔۔۔یہ ایک ایسا سوال ہے جو مجھے بہت تنگ کرتا ہے اور کرتا ہی رہتا ہے۔۔۔اگر قوم اور مذہب سے بالاتر ہوکر مقصد خدمت کرنا ہے تو یکجا ہوکر کیوں نہیں کیا جاتا۔۔۔سوچیۓ اگر عبدالستار ایدھی اور بل

گیٹس اور ان کی طرح کہ لاتعداد لوگ ایک ہو کر کام کرنے لگیں تو دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے۔۔۔جب سیاسی مقاصد کیلئے سیاستدان دنیا جہان سے ایک ہو سکتے ہیں تو یہ خدائی فوجدار کیوں نہیں ایک ہو سکتے۔۔۔یقینا یہ سیاسی مقاصد والے ہی ایسا نہیں ہونے دیتے کم سے کم ہمارے ملک پاکستان میں تو ایسا ہی نظر آتا ہے۔۔۔

باتیں بنانا بہت آسان سمجھا جاتا ہے۔۔۔جی ہاں بہت آسان ہے۔۔۔مگر ہم ترقی کی اس منزل پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں باتیں ریکارڈ کرنا اب کوئی مسلۂ نہیں ہے۔۔۔صرف باتیں ہی نہیں بولنے والا اپنے الفاظ کہ ساتھ بھی ریکارڈ کیا جاسکتا ہے۔۔۔جو لوگ بولنے سے پہلے تولتے ہیں اور تول رہے ہیں انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔فرق صرف انہیں پڑتا ہے جو بول کر سوچتے ہیں کہ کیا بول دیا (اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے) ۔۔۔درپیش صورتحال یہ ہے کہ ہم پاکستانی (جو لاتعداد درجوں میں بٹے ہوئے ہیں، نسلوں میں، فرقوں میں ، زبانوں میں، علاقوں میں وغیرہ وغیرہ) وقتی طور پر بھول جاتے ہیں کس نے کیا بولا۔۔۔اس لئے بولنے والا بھی بلا خوف وخطر جیسی چاہے زبان استعمال کرے اور اس زبان سے جس کی چاہے ہتک کرے عوام کا کام عوامی طرزِ عمل ہے یعنی نعرے لگانا، تالیاں بجانا۔۔۔کوئی اس عوام سے یہ تو پوچھے کہ تالی کیوں بجا رہے ہو تو جواب ملے گا ہمارے لیڈر نے کتنی اچھی بات کی ہے۔۔۔پاکستانی قوم لیڈر اور لیڈری کہ

معنی سے ماورا ہے۔۔۔ جو زیادہ شور مچانے اور تہذیق آمیز گفتگو کرنے پر عبور رکھتا ہے۔۔۔ جو کیچڑ اچھالنے کہ فن میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا وہ سب سے اچھا اور ذہین لیڈر ہے۔۔۔ جس قوم کو لیڈر کا نہیں پتہ اسے ترقی سے کیا لینا دینا۔۔۔ اسے پاکستانیت سے کیا لینا دینا۔۔۔ کسی نے خوب کہا تھا کہ ہم ایک ریوڑ کی مانند ہیں جسے کوئی چرواہا جب تک ڈنڈے سے ڈرا دھمکا کہ سیدھا رکھتا ہے ریوڑ صحیح سمت میں سفر کرتا جاتا ہے۔۔۔ جب چرواہا ڈنڈا رکھ چھوڑتا ہے یا بغیر ڈنڈے والا چرواہا آ جاتا ہے تو ریوڑ مختلف سمتوں کی جانب پیش قدمی شروع کر دیتا ہے۔۔۔ پھر چرواہے کیلئے سوائے آرام کرنے کہ اور کچھ نہیں رہ جاتا۔۔۔

انگنت مذہبی جماعتیں جو یقیناً ہمارے مذہبی رجحان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وجود میں آتی جا رہی ہیں۔۔۔ ہم فرد واحد قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرنے سے مبرا ہیں۔۔۔ ہم نے دین ٹھیکے پر دے رکھا ہے۔۔۔ بچے کو قاری صاحب پڑھائینگے، ان سے ہی یہ توقع کی جاتی ہے کہ دین کہ بنیادی عقائد اور تربیت وہ ہی فراہم کرینگے۔۔۔ وہی اخلاقیات کا درس یاد کروائینگے۔۔۔ اگر انھوں نے ہمارے بچوں کو دین میں موجود دنیا تک رسائی دے دی تو ان کا کاروبار کیسے چلے گا۔۔۔ ثواب کہ غرض سے مدرسے کہ بچے قران خوانی کیلئے اپنی خدمات فراہم کرینگے اور ہم ثواب کی غرض سے ان کو کھانا کھلائینگے۔۔۔ یعنی دین کا ٹھیکہ مولوی کو دے دیا ہے

اور دنیا کا ٹھیکہ سیاست دانوں کو۔۔۔مزے کی بات یہ ہے کہ مولوی اور سیاست دان کبھی ایک بات پر متفق نہیں ہوتے۔۔۔یا عوام کو بھٹکائے رکھنے کی ملی بھگت والا معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔سیاست دانوں کا کہنا ہے کہ مولوی صرف دین جانتا ہے اور مولوی کہیں کہ سیاست دان صرف دنیا پرستی سے واقف ہیں۔۔۔

ان سارے معاملات میں مقصد کہاں ہے اور اگر ہے تو کیا ہے۔۔۔کون کس مقصد کیلئے اپنی توانائیاں خرچ کر رہا ہے یہ جاننا بہت مشکل کام ہے۔۔۔ہم جس معاشرے میں اپنی اپنی زندگیاں بسر کر رہے ہیں یہاں جب کسی کو اونچائی کی طرف لے کر جاتے ہیں تو آسمان کی وسعتیں کم پڑ جاتی ہیں۔۔۔اسے سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔۔۔اسکی تعریفوں میں زمین و آسمان ایک کر دیئے جاتے ہیں۔۔۔اور جب کسی کو نیچا دیکھانے پر آ جائیں تو اسکے لئے زمین کی گھرائی کم پڑ جاتی ہے۔۔۔اس کے اچھے کاموں میں بھی کیڑے نکال کر سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں۔۔۔ہم لوگ بغیر کسی سمت کے سفر میں مصروف ہیں اور بہت تیزی سے چل رہے ہیں۔۔۔

بغیر منزل کہ سفر سے صرف تھکان ملتی ہے اور ایک دن یہ تھکان ہمیں پیوندِ خاک بنا دیتی ہے۔۔۔مگر منزل کا کہیں دور دور تک اتا پتہ نہیں ہوتا۔۔۔ہمیں جب یہ احساس ہوتا ہے کہ سفر کرنے کی سمت ہی غلط تھی۔۔۔مگر بہت دیر ہو چکی

ہوتی ہے واپسی کا وقت ہو چکا ہوتا ہے۔۔۔ہم اس وقت بھی اپنی نسل کو اپنی اولاد کو یہ بات سمجھانے سے قاصر ہوتے ہیں کہ اپنے سفر کا پتہ کرو اپنی منزل کا تعین کرو۔۔۔ورنہ بھٹکتے ہی رہو گے۔۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والی نسلیں ایک ایسی نام نہاد منزل بنا کر منزل کہ ملنے کا ایسا جشن کریں کہ ہمیں شرمندگی سے سر چھپانے کیلئے کہیں جگہ نہ ملے۔۔۔

!معاشرتی و معاشی دہشت گردی ختم کرنا ہوگی

آج دنیا کی پچاس فیصد آبادی (اپنے اندازے کے مطابق) سماجی و پیشہ ورانہ ذرائع ابلاغ استعمال کر رہے ہیں ۔۔۔اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ دور دراز علاقوں میں رہنے والے تعلق دار بھی رابطے میں رہنے لگے ہیں۔۔۔اپنی اور انکی معمولاتِ زندگی اور شکلیں مانوس ہو گئی ہیں۔۔۔ کوئی نہ کوئی سیلفی یا گروپ کی تصویر منظر پر نظر آہی جاتی ہے۔۔۔دکھ سکھ کی خبریں بھی بروقت معلوم ہوجاتی ہیں۔۔۔ وہ شکلیں بھول جانے کا رواج ختم ہوگیا۔۔۔اب تو مرنے والے بھی کسی نہ کسی طرح ان تصویروں کہ سبب ہمارے درمیان رہتے ہیں۔۔۔اب وہ لوگ جو صرف نجی امور تک محدود تھے، وہ بھی دنیا میں رونما ہونے والے غم و خوشی کہ واقعات سے باخبر رہنے لگے ہیں۔۔۔ مگر انکے باخبر رہنے سے کم سے کم پاکستان میں کوئی فرق پڑتا نظر نہیں آرہا۔۔۔یہ لوگ بہت اچھی طرح سے واقف ہوتے ہیں کہ دنیا میں کیا کچھ چل رہا ہے ۔۔۔لیکن صرف اپنی دلچسپی کہ امور زیرِ بحث لاتے ہیں۔۔۔ کل سے ایک تصویر سماجی و پیشہ ورانہ ذرائع ابلاغ کی زینت بنی ہوئی ہے۔۔۔یہ تصویر چار ٹکڑوں میں ہے۔۔۔جہاں ایک فلسطینی لڑکے کو اسرائیلی فوجی برہنہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔۔۔اس ہتک آمیز حرکت پر نوجوان کی مزاحمت پر اس کو گولی ماردی گئی اور شہید کر دیا گیا۔۔۔یقینا یہ ایک عام سی بات ہوگی ان فلسطینیوں کہ لئے جن کی نسلیں فقط

اسی کام کیلئے دنیا میں برسرِپیکار ہیں۔۔۔یہ تصویر کیا کسی انصاف کیلئے کافی نہیں ہے۔۔۔ایسی انگنت تصویریں ہیں۔۔۔جن میں نہ صرف نوجوان مردوں بلکہ عورتوں اور بچوں کو بھی اسرائیلی اپنی بندوقوں کی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔۔۔انسانیت کا درس صرف مسلمانوں کو پڑھایا جارہا ہے۔۔۔کشمیر میں ہونے والی ریاستی دہشت گردی کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔۔۔

پشاور میں سانحہ عظیم ہوا جب آرمی پبلک اسکول کہ نہتے معصوم بچوں کہ خون سے ہولی کھیلی گئی۔۔۔لاہور کہ پارک میں بلکل آرمی پبلک اسکول والے واقعہ سے مماثلت رکھنے والا واقعہ رونما ہوگیا۔۔۔جس سے لگ یوں رہا ہے کہ دشمن نے ہماری (پاکستانیوں کی) نسل کشی کرنی شروع کردی ہے۔۔۔جو ہمارے معصوم بچوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔۔۔جو ہماری آنے والی نسل کو نشانہ بنا رہا ہے۔۔۔

ہماری افواج اور تمام قانون نافذ کرنے والے ادارے نہ ہار ماننے والے ہیں اور نہ ہی تھکنے والے ہیں۔۔۔لیکن کیا وجہ ہے کہ دہشت گردی والا جن ان کہ قبضے میں نہیں آرہا۔۔۔شائد اسکا کوئی اور حل ہے۔۔۔فلسطین کا مسلۂ کوئی نیا نہیں ہے انکی قربانیوں کی ایک طویل جدوجہد کی داستان جاری و ساری ہے۔۔۔کشمیری روز اپنی جانوں کا نظرانہ اپنی حقِ خود ارادیت کیلئے پیش کر رہے ہیں۔۔۔افغانستان و شام خون آلود ہیں۔۔۔عراق میں کیا ہورہا ہے۔۔۔ہر طرف

موت کا رقص نظر آ رہا ہے۔۔۔ کل ایک جگہ پڑھا کہ انسانیت اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔۔۔یعنی ہماری بدنامی کی انتہاء ہو گئی۔۔۔اب اس سے بڑھ کر اور کیا تذلیل ہو سکتی ہے۔۔۔ مسلم دنیا کہ کم و بیش تمام ممالک ہی اس دہشت گردی کہ جن کہ آسیب میں گھرے ہوئے ہیں۔۔۔ کوئی اپنا بچاؤ کس طرح کر رہا ہے کوئی اپنے بچاؤ کیلئے اغیار سے امداد مانگ رہا ہے۔۔۔ کوئی اس جن سے بازپرس نہیں کر رہا۔۔۔

ہالی وڈ یا بالی وڈ کی فلموں میں اکثر ایسا دکھایا جاتا ہے کہ لوگ زمین پر اپنی بادشاہت قائم کرنے کیلئے زیرِ زمین رہنے والے لوگوں کو استعمال کرتے ہیں۔۔۔اور کام نکل جانے کہ بعد ان پر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتے ہیں یا انہیں زمین میں ابدی نیند سلا دیتے ہیں۔۔۔جو زمیں بوس نہیں ہوتے یا ہو پاتے ان لوگوں کو اسی دنیا میں رہنا ہے۔۔۔ان زیرِ زمین رہنے والے لوگوں کہ پاس کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔۔۔ یہ پھر سے کسی اور کو بادشاہت کا تاج پہنوانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔۔۔یا پھر قانون نافذ کرنے والوں کی گولی کا نشانہ بن جاتے ہیں۔۔۔آجکل یہ سب کچھ سرِعام نظر آنے لگا ہے۔۔۔نہ زمیں کہ اوپر بسنے والے سدھرنے کا نام لے رہے ہیں اور نہ ہی زیرِ زمین رہنے والے اپنی حرکتوں سے باز آ رہے ہیں۔۔۔ دنیا مسلسل بربادی کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔۔۔اگر کوئی بم دھماکوں سے بچ نکلتا ہے تو وہ کسی کی گولی کا نشانہ بند جاتا ہے۔۔۔

تازہ ترین دہشت گردی کہ واقعات میں فرانس اور برسلز کہ واقعات کو لے لیں۔۔۔آپ پوری دینا کی افواج لگالیں یہ گولے بارود کا کھیل ختم نہیں کر سکتے۔۔۔سب سے پہلے معاشرتی و معاشی دہشت گردی ختم کرنا ہوگی۔۔۔پھر بغیر کسی فوجی کاروائی کہ تمام دہشت ذدہ دہشت گرد خود کو آپکے حوالے کردینگے۔۔۔اگر آپ سمجھتے ہیں کے جسم کہ جس حصے میں تکلیف ہو اسے کاٹ کر پھینک دینا چاہئے تو ایک دن جسم باقی نہیں بچے گا۔۔۔تکلیف کہ اسباب جاننے کی کوشش کیجئے اس کا مداوا کیجئے۔۔۔فلسطینیوں کو انکا حق دلوادیجئے۔۔۔کشمیریوں کو انکا حق دلا دیجئے۔۔۔اسی طرح دنیا میں جہاں کہیں ناانصافی ہو رہی ہے اس کا ازالہ کروادیجئے۔۔۔مزے کی بات یہ ہے کہ دنیا کہ ٹھیکیداروں کی اس جنگ میں مر بھی ہم ہی رہے ہیں اور مار بھی ہم ہی رہے ہیں۔۔۔وہ تو بس ہمیشہ کی طرح تماشہ دیکھ رہا ہے۔۔۔گھر ہر صورت میں ہمارے ہی اجڑ رہے ہیں، برباد ہو رہے ہیں۔۔۔ہم اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے کمزور کر رہے ہیں۔۔۔فوج کب تک فوج کشی کرے گی۔۔۔کیا ہر اس فرد کو مار دیا جائے گا جو اپنے حق کیلئے آواز بلند کرے۔۔۔

دہشت گردی کا وجود اسوقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک وی آئی پی کلچر ختم نہیں ہوگا۔۔۔جب تک انصاف کہ تکارے پورے نہیں کئے جائینگے۔۔۔جب تک معاشرتی تفریق

ختم نہیں کی جائے گی۔۔۔جب تک عریانی و فحاشی ختم نہیں ہو گی۔۔۔جب تک انسانیت کے بنیادی اصولوں پر کاربند نہیں ہوا جائے گا۔۔۔جب تک حقوق کی مساوی تقسیم نہیں ہو جاتی۔۔۔ہمیں ایسے معاشرے کی داغ بیل ڈالنا پڑے گی جو آج سے چودہ سو سینتیس (۱۴۳۷) سال پہلے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے قائم کیا تھا۔۔۔

ایک روشنیوں کا شہر تھا !

محترم و معزز قارئین ! پاکستان دنیا کا وہ ملک ہے جو ایٹمی طاقت ہونے کہ ساتھ ساتھ کھربوں روپے کا مقروض بھی ہے۔۔۔ملکِ خداداد پاکستان میں سیاست.برائے خدمت کی بجائے سیاست.برائے تجارت ہے۔۔۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے سیاست دان ارب پتی نہیں تو کڑوڑ پتی تو بن ہی جاتے ہیں۔۔۔کچھ (بیچارے) موقع نہ ملنے کی وجہ سے ابھی تک لکھپتی ہی ہوں گے۔۔۔ہمارے مقروض ملک کہ سیاست دانوں کہ ٹھاٹھ باٹھ قابل دید ہیں۔۔۔اس ٹاٹھ باٹھ اور شان بان کا تذکرہ ہالی وڈ کی مشہور اداکارہ اور اقوام متحدہ کی خیر سگالی کی سفیر اینجیلنا جولی (لورا کرافٹ) نے سن ۲۰۱۰ میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں کہ دورے کہ بعد پیش کی جانے والی رپورٹ میں بھی
کیا۔۔۔ہمارے سیاست دانوں کی عیاشیاں اگر دنیا کے کھرب پتی بھی دیکھیں تو انہیں اپنی دولت کم لگنے لگے۔۔۔طاقت کا ایسا بے دریغ استعمال کرتے ہیں کہ جانور تو بہت دور کی بات ہے،اگر چوکیدار بھی دروازہ کھولنے میں دیر کر دے یا کہیں پارکنگ والا صحیح جگہ گاڑی پارک کرنے کو کہہ دے تو اسے کسی کیڑے مکوڑے کی طرح روند دیتے ہیں یا مار مار کر بھرکس نکال دیتے ہیں۔۔۔ کبھی کبھی تو جان سے ہی مار دیتے ہیں۔۔۔یہ قانون سے ماوراء پاکستانی مخلوق ہیں۔۔۔یہ وہ مخلوق ہے جو ہمارے اعمالوں کہ بدلے وجود

میں آئی ہے۔۔۔
یہ مضمون سیاست دانوں یا انکی عیاشیوں پر نہیں لکھ رہا۔۔۔ایک وقت تھا جب کراچی کو روشنیوں کا شہر کہا جاتا تھا۔۔۔ کراچی جو پاکستان کا معاشی حب ہے۔۔۔شہہ رگ ہے ۔۔۔مگر عرصہ دراز سے لاقانونیت کا شکار ہے ۔۔۔ بھتہ خوری، چھینا جھپٹی ، چلتے پھرتے لوگوں کا قتل، گھروں اور زمینوں پر قبضے ، خوف وہراس وغیرہ وغیرہ یہ سب کراچی جیسے شہر کی پہچان بن چکے ہیں۔۔۔رہی سہی کسر پچھلے سال پڑنے والی گرمی نے پوری کردی، انگنت لوگ کراچی میں لقمہ اجل بن گئے۔۔۔ بجلی نہیں ہے، پانی نہیں ہے اور کہیں گیس بھی نہیں ہے۔۔۔ سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں، گٹر بہہ رہے ہیں، جگہ جگہ کچرے کہ ڈھیر پڑے ہیں۔۔۔دیواروں پر اشتہارات کی بھرمار ہے۔۔۔بینرز لگے ہیں پوسٹرز لگے ہیں۔۔۔ نوجوانِ کراچی چائے ، پان، گٹکا، سگریٹ کی لتوں میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔۔۔سچ پوچھیے تو اب کراچی میں گھومتے پھرتے ہوئے دل پسیج جاتا ہے اور آنکھیں بھر آتی ہیں۔۔۔کچھ عرصہ قبل تک کراچی ، پاکستان کہ دوسرے شہروں میں رہنے والوں اور بیرونِ ملک رہنے والوں کیلئے ایک انتہائی پرخطر شہر سمجھا جاتا تھا۔۔۔جہاں شائد چوبیں گھنٹے گولیوں کی گھن گھرج سنائی دیتی ہے۔۔۔ کراچی میں سیاست اور سیاسی ماحول ہر وقت گرم رہتا ہے۔۔۔یہاں ہر سطح پر سیاست زیر بحث رہتی ہے۔۔۔بچہ بچہ سیاسی بیان دینے اور سیاسی حریف کو گالی دینے سے دریغ نہیں

کرتا۔۔۔ایسا ہی مذہب کہ نام پر بھی ہوتا ہے۔۔۔ کوئی کسی کو کافر کہنے سے پہلے سوچتا تک نہیں اور چوکتا نہیں۔۔۔ کراچی کی اور کراچی والوں کی ایسی زبوں حالی کا ذمہ دار کون ہے۔۔۔ کراچی کی مثال کچھ ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص سفید کاٹن کہ کلف لگے کپڑوں میں ملبوس ہو اور اچانک وہ کسی کیچڑ زدہ گڑھے میں گر جائے پھر اس کی حالت کو دیکھ کر اسے پاگل سمجھا جائے پھر اس پر گلی کہ بچے پتھر ماریں۔۔۔ جن سے بچنے کیلئے وہ بھاگے گرتے پڑتے اسکے کپڑے پھٹ جائیں اور وہ زخم خوردہ لہو لہو ہو جائے ۔۔۔ پھر ہر آنے جانے والے سے خاموشی سے اپنی مدد کی التجاء کرے جسے کوئی سن نہ سکے۔۔۔ پاکستان کی کرکٹ ٹیم ٹی ٹوئنٹی کہ منعقدہ عالمی کپ سے بغیر سیمی فائنل کھیلے باہر ہو گئی ۔۔۔ قوم کو دلی رنج و صدمہ ہوا۔۔۔شاہد آفریدی کی وجہ سے یہ بھی سہہ گئے۔۔۔ ٹیم وطن واپس آ گئی ہے کوئی خاص باز پرس ہوتی نظر نہیں آ رہی ۔۔۔ باس پرس کرے کون اور کس کی۔۔۔ یہ بھی وہی حمام ہے جس میں سب بے پیرہن ہیں ۔۔۔ یہاں تو سب ایک دوسرے کا تن ڈھانپنے میں مصروف ہیں۔۔۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کوئی کچھ بھی کرتا پھرے اسے کچھ نہیں کہا جاتا۔۔۔ ہماری عوام چاہے کراچی کی ہو یا کسی اور شہر کی فوج کی طرف ہی دیکھتی رہتی ہے۔۔۔ جبکہ عوامی نمایندگان فوج کہ نام سے کانپنے لگتے ہیں۔۔۔

اس تمام صورتحال میں ہمارے میڈیا کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔۔۔ کراچی کہ باسی انتہائی انتشاری کیفیت کا شکار ہیں۔۔۔ کراچی کو غریب پرور شہر بھی کہا جاتا ہے۔۔۔ اپنی تمام تر برائیوں کہ باوجود۔۔۔ کراچی میں پاکستان کہ ہر شہر اور گاؤں کا فرد آباد ہے۔۔۔ آپ کبھی ریلوے اسٹیشن یا بس کہ اڈوں پر کچھ وقت گزاریں۔۔۔ آپکو کراچی آنے والوں کا ایک اژدھام ملے گا۔۔۔ جن میں اکثریت ان کی ہوتی ہے جو کراچی بسلسلہ روزگار آتے ہیں۔۔۔ پھیری والا، رکشے والا، ہوٹل والا، اسطرح کہ پیشوں سے وابسطہ لوگوں کی اکثریت کسی اور شہر سے تعلق رکھنے والوں کی ہے۔۔۔ یہ اس شہر کی خوبصورتی بھی یہی ہے۔۔۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو دوسرے تمام شہروں سے کراچی کو مختلف کرتی ہے۔۔۔ مگر یہی خوبی کراچی کہ مقامی لوگوں کیلیئے پریشانی کا باعث بنتی ہے انکا یہ کہنا ہم بیروزگار ہیں اور ہمارے شہر میں باہر سے آکر لوگ روزگار کما رہے ہیں۔۔۔ اس کہ برعکس کراچی کہ شہری کراچی کہ علاوہ کہیں اور جا کر نوکری کرنے کا سوچتے بھی نہیں۔۔۔ ایسا کیوں ہے۔۔۔ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب اربابِ اختیار ہی دے سکتے ہیں۔۔۔

کراچی سندھ کا مرکزی شہر ہے۔۔۔ سندھ حکومت کی عمارتیں بھی کراچی میں ہی ہیں۔۔۔ اسمبلی حال بھی کراچی میں ہی ہے۔۔۔ ممبران کا ہاسٹل بھی کراچی میں ہی ہے۔۔۔ مگر اسمبلی ہال میں بیٹھنے والوں کی اکثریت کا تعلق کراچی سے نہیں ہے۔۔۔ اور نہ ہی اکثریت کراچی کی رہاشی ہے۔۔۔ یہ لکھتے ہوئے قطعی کوئی عار

محسوس نہیں ہو رہی کہ سندھ حکومت صرف تصویریں بنانے اور زبانی جمع خرچ کی سیاست کرتی آ رہی ہے۔۔۔اس کی ایک بہت بڑی وجہ مخالفت نا ہونا۔۔حکومت وقت ایسی ہے کہ جیسے لگتا ہے کہ حکومت نام کی کوئی شے سندھ میں تو نہیں ہے۔۔۔اگر سندھ میں ہے تو کراچی میں تو بلکل نہیں ہے۔۔۔حکومتِ سندھ کا حال ایسا رہا ہے کہ نا تو خود کچھ کرتے ہیں اور نہ کسی کو کچھ کرنے دیتے ہیں۔۔۔

حقوق کی بات جہاں کہیں بھی ہوتی ہے وہاں لڑائی جھگڑا لازمی آ جاتا ہے۔۔۔جدید دور میں کوئی کسی کو اس کا حق تک دینے کو تیار نہیں ہے (جی ہاں حق دینے کو تیار نہیں ہے)۔۔۔بس سب موقع کی تلاش میں ہیں کہ کس طرح سے سامنے والا چوکے اور اسکی حق تلفی کی جائے اور دوسرے کہ حق پر قبضہ کیا جائے۔۔۔کراچی پاکستان کا وہ شہر ہے جہاں لوگوں کو باشعور تصور کیا جاتا ہے (شائد یہ باشعور ہونے کی دلیل ہی ہے کہ پورے پاکستان سے آنے والے افراد کراچی میں بستے ہیں)۔۔۔تعلیمی ادارے لاتعداد ہیں ان میں پڑھنے والے طالبِ علم بھی لاتعداد ہیں لیکن علم کی قلت ہے۔۔۔جو روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔۔۔یہ بات بلکل صحیح ثابت ہونے جا رہی ہے کہ ڈیگریاں آپ کی تعلمی سند کم بلکہ تعلیم پر خرچ ہونے والے اخراجات کی ایک رسید ہے۔۔۔اس بات کی کیا سند ہے کہ کسی بہت بڑے تعلمی ادارے سے فارغ طالب علم باشعور بھی ہوگا۔۔۔پھر اداروں میں تقرریاں۔۔۔کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کا حق مارا گیا۔۔۔حق مارنے کیلیئے

بدعنوانیوں کا سہارا لیا جانا۔۔۔یعنی حق تلفیوں کی ایک زنجیر ہے۔۔۔جو طویل تر ہے۔۔۔

ہمیں کراچی کو بچانا ہوگا۔۔۔ کراچی کہ لوگوں میں بڑھتی ہوئی بے چینی اور اضطرابی کیفیت سے نکالنے کیلیئے حکومت کو (سندھ حکومت نہیں کیونکہ اس نے کچھ کرنا ہے ہی نہیں سوائے چھٹیاں دینے کہ) آپریشن کی طرح کہ اقدامات کرنے ہونگے۔۔۔سب سے پہلے بلدیاتی نظام کو بحال کرائیں۔۔۔جس کہ جو اختیارات ہیں وہ انکو منتقل کروائیں۔۔۔کچھ ایسی کاروباری اصطلاحات لے کرآئیں کہ کراچی کہ رہائشی کو پاکستان کہ دیگر شہروں میں کاروبار کرنے کہ مواقع فراہم کیئے جائیں۔۔۔جس سے بین الصوبائی ہم آہنگی کی فضاء قائم ہوگی۔۔۔لوگ کراچی والوں کو جانے گے اور کراچی والے بھی پاکستان کے دوسرے شہروں میں اپنے لئے مواقع تلاش کرینگے۔۔۔شہروں کہ مابین باہمی اتفاقِ کہ سلسلے میں اقدامات کریں۔۔۔ادیبوں شاعروں اور ایسے لوگوں کو آگے لے کرآئیں ۔۔۔اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سطح پر شہروں کہ دورے کیئے جائیں۔۔۔ذہنوں کو جلا دینی ہوگی۔۔۔بندوق اور گولی کسی مسلئے کا حل نہیں ہے۔۔۔ صرف اعلانات کرنے سے کچھ نہیں ہوتا کوئی عملی اقدامات کیجئے جس سے پتہ چلے کہ پاکستان ہم سب کا ہے۔۔۔ کسی کی پاکستانیت پر سوال نہیں اٹھانا چاہئے۔۔۔

پاکستان کے ہر شہر، دیہات اور اداروں کو کاسمیٹکس سرجری نہیں بلکہ اوپن ہارٹ سرجری کی ضرورت ہے۔۔۔ شہر اور شہروں میں ادارے تباہ ہو رہے ہیں آپ زبانی جمع خرچ سے باز ہی نہیں آ رہے۔۔۔ اگر کچھ نہیں ہوتا تو ان لوگوں کو بتائیں جو کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وطن عزیز سے سچی محبت رکھتے ہیں۔۔۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔۔۔

!خودکشی اور خود کش حملہ آور

زمانے میں بڑھتی ہوئی پریشانیوں کہ سبب سب سے غیر اہم شے زندگی ہو کر رہ گئی ہے۔۔۔زندگی اب صرف زندہ دلی کا نام نہیں رہی۔۔۔زندگی گزارنے کا خراج دینا پڑتا ہے یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خراج گزرنے کا خراج مانگتی ہے۔۔۔اور خراج دینا ہر کسی کہ بس کی بات نہیں۔۔۔خراج دینے والے مخصوص لوگ ہوتے ہیں۔۔۔جو بظاہر اسی دنیا کہ لگتے ہیں مگر وہ کسی اور دنیا کی آئی ہوئی مخلوق ہیں۔۔۔وہ بطور خواص معاشرے میں جانے پہچانے جاتے ہیں عوام انکے لئے غیر اہم شہ کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔ان تمام باتوں میں اختلافی پہلو اپنی جگہ۔۔مگر یہ اس دنیا کی حقیقت بنتی جا رہی ہے۔۔۔پاکستان ان باتوں کی تصدیق کیلیے سب سے اہم جگہ ہے۔۔۔جہاں خاص اور عام بہت واضح فرق کہ ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔۔۔ناانصافی، بے حسی اور لاپروائی اپنے عروج پر ہیں۔۔۔انجیلینا جولی تو دیکھا اور دنیا کو بھی بتایا کہ پاکستان جیسے غریب ملک کہ حکمران کس شاہانہ انداز سے رہتے ہیں۔۔۔

دورِ حاضر میں آسائشوں کا طوفان آیا ہوا ہے۔۔۔ان آسائشوں سے مستفید ہونا ہر دھڑکتے دل کی خواہش ہے۔۔۔ہر کوئی بمعہ اپنی کمزوریوں اور معذوریوں کہ ان آسائشوں اور سہولتوں کے حصول کیلیے بھاگ رہا ہے۔۔۔انتھک بھاگ رہا ہے۔۔۔یہ

تمام امور زندگی کو بھرپور بنانے اور گزارنے کی چاہا میں کئے جا رہے ہیں ۔۔۔اس چاہا کی تکمیل کیلئے انگنت راستے و راہداریاں دستیاب ہیں ۔۔۔آپ کسی بھی راستے کا تعین کر سکتے ہیں ۔۔۔ تمام معاملات میں انسان کی زندگی اور وہ بھی صحت مند زندگی سب سے بنیادی عنصر ہے ۔۔۔انسان کو کچھ بھی کرنے کیلئے اسکے پاس زندگی ہونا ضروری ہے۔۔۔اسکی سانسوں کا تسلسل ضروری ہے۔۔۔زندگی ہے تو سب کچھ ہے اور زندگی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔۔۔زندگی کی اہمیت سے کون واقف نہیں۔۔۔ یہاں تک کہ عقل نہ رکھنے والا جانور بھی اپنی زندگی کہ دفاع میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے ۔۔۔دنیا کی تمام رعنایاں زندگی کہ دم سے ہی ہیں۔۔۔ محبتوں نفرتوں کا احساس زندگی کہ دم سے ہے ۔۔۔ جو دنیا سے ایک بار رخصت ہوگیا۔۔۔ بس وہ گیا۔۔۔ کبھی نہ آنے کیلئے ۔۔۔ایک طرف زندگی آسان اور سہل ہے۔۔۔دوسری طرف دکھ اور تکلیفوں کا ڈھیر بھی ہے۔۔۔زندہ رہتے ہوئے ان تمام معاملات سے نمٹا جاسکتا ہے ۔۔۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی اپنی زندگی جیسی نعمت اپنے ہاتھوں سے کیوں اور کیسے ختم کرلیتا ہے ۔۔۔اپنی زندگی ختم کرنے یا حرفِ عام میں خودکشی کرنے کی بنیادی وجہ یقینا خدااور اس کہ اختیارات پر ایمان نہ ہونا یا خدا کہ ہونے نا ہونے پر شک ہوسکتا ہے۔۔۔خدا تو دنیا کہ ہر مذہب میں ہے۔۔۔مایوسی خدا کہ وجود سے انکار کا نام ہے ۔۔۔جب انسان دنیاوی سہاروں سے مایوس ہوچکا

ہو۔۔۔اسے کوئی بھی دنیاوی راستہ نہ سجھائی دے رہا اور اسکی بے چینی اور بے تابی اپنی حدوں کو چھونے لگے ۔۔۔دوسری طرف معاشرہ اپنی بے حسی کی بدولت کسی فرد کو بندگلی میں پہنچا دے ۔۔۔ پھر وہ وقت آتا ہے جب انسان باطل قوتوں کہ ہاتھوں مجبور ہو کر خدا کی دی ہوئی اپنی قیمتی ترین نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور خود سوزی یا خود کو موت کہ حوالے کر دیتا ہے۔۔۔

ہم خود کش بمباروں سے خوف زدہ ہیں اور ہم ان عوامل سے خوف زدہ ہیں جو ہماری زندگیوں کہ دشمن ہیں۔۔۔ہم اور ہماری حکومتیں انہیں تلاش کرنے کیلیئے تمام تر توانائیاں بروئے کار لائے ہوئے ہیں۔۔۔ یہاں تک کہ دنیا اس ایک نقطے پر ایسی متفق ہے جیسے پوری دنیا ایک ہی ملک ہو۔۔۔ خود کش حملہ آور بھی بنیادی طور پر خود سوزی یا خود کشی ہی کر رہا ہوتا ہے۔۔۔فرق یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ ان تمام جانداروں کو نشانہ بناتا ہے جو اسکے حقوق پر قابض ہوں یا اسے نظر آتے ہوں یا اسے اسطرح سے بتایا جاتا ہو۔۔۔ان دونوں میں بہت مماثلت ہے۔۔۔ خود کشی کرنے والا زندگی سے دلبرداشتہ نہیں ہوتا بلکہ زندگی گزارنے کیلیئے جو دنیا ہے اور دنیا میں رہنے والے افراد ہیں وہ ان سب سے نالاں و خفا ہوتا ہے۔۔۔جو یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اس دنیا نے اسے ٹھکرا دیا ہے یا وہ اس دنیا کہ قابل نہیں ہے (جیسا اسے دنیا عملی طور پر درس دے رہی ہوتی ہے) ۔۔۔دوسری طرف خود کش حملہ آور اپنی خود کشی یا اپنی قیمتی ترین نعمت کی قربانی کسی اور کہ مذموم

عزائم کو عملی جامہ پہنانے کیلیئے کرتا ہے۔۔۔دونوں اپنی اپنی خوبصورت زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔۔۔اپنی زندگیوں کہ ساتھ ساتھ انگنت زندگیوں میں بھی اندھیرہ کر دیتے ہیں۔۔۔مایوسی اور ناامیدی کو بڑھا دیتے ہیں۔۔۔خدا کی خدائی کو سوالیہ نشان بنا دیتے ہیں۔۔۔سوگ ہی سوگ ہر طرف پھیلا دیتے ہیں۔۔۔

خودکشی صرف ہمارا مسلۂ نہیں ہے۔۔۔یہ ساری دنیا میں عام ہے۔۔۔ہمارے یہاں لوگ ابھی پوری طرح سے خدا کی خدائی سے مایوس نہیں ہوئے ہیں۔۔۔خود کشی کا تناسب کہ حوالے سے مندرجہ ذیل لنک کہ توسط سے آپ جان سکتے ہیں دنیا کہ ان پچیس ممالک کہ بارے میں جو خود کشی کرنے واے ممالک میں سرِ فہرست ہیں۔۔۔

http://list25.com/25-countries-with-the-highest-suicide-rates-in-the-world/4/

اگر کسی کی بہن کی عزت پامال ہوگی۔۔۔اگر کسی کہ بھائی باپ یا خاندان کہ کسی بھی فرد کو ناحق قتل کر دیا جائے گا۔۔۔اگر کسی کی عمر بھر کی کمائی (بشمول بیٹی کا جہز) لٹ لی جائے گی۔۔۔تو آپ اس سے کس اچھائی کی امید کرتے ہیں۔۔۔اگر کسی کہ بچے بھوک سے مر رہے ہونگے۔۔۔تو وہ سب کہ بچوں کی روٹی چھیننے نکل کھڑا ہوگا۔۔۔یقین کیجئے! کوئی ایک فرد یا ایک واقع کسی کی خود کشی کا سبب نہیں بنتا یا کوئی ایک تبقہ خود کش بمبار بننے پر مجبور نہیں کرتا۔۔۔پورا معاشرہ رخود کشی اور خود کش بنانے کہ ذمہ دار ہوتا ہے۔۔۔

معاشرے کی بے اعتنائی اور بے حسی کی بدولت جانے کتنے افراد خود کشی کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔۔۔ سڑک پر آپکو شائد ایسے لوگ ملے ہوں جو سڑک بہت بے دھیانی سے پار کر رہے ہوتے ہیں۔۔۔یوں لگتا ہے جیسے وہ خود کشی کا آدھا ارادہ کر کہ نکلے ہیں۔۔۔اب اگر کوئی گاڑی والا ٹکر مار دے تو باقی آدھا کام اس کہ ذمہ۔۔۔اگر کسی کہ ساتھ انصاف کہ تقاضے پورے نہیں ہونگے۔۔۔تو اپنا انصاف نافذ کرے گا۔۔۔

اگر ہمارے مزاجوں میں توازن آجائے۔۔۔اگر ہمارے عمر رسیدہ بزرگ بن جائیں۔۔۔اگر ہمارے برتاؤ میں توازن آجائے۔۔۔اگر ہمارے لہجوں میں توازن آجائے۔۔۔اگر ہمارے اوڑھنے پہننے میں توازن آجائے۔۔۔اگر ہمارے میل جول میں توازن آجائے۔۔۔اگر ہمارے معاشرے میں توازن آجائے۔۔۔ایک دوسرے کا احترام کرنے لگیں۔۔۔بڑے چھوٹے کا خیال کرنے لگیں۔۔۔قطار میں لگنے لگیں۔۔۔گاڑی احتیاط سے چلائیں۔۔۔ سڑک دھیان سے پار کریں۔۔۔ کسی روتے ہوئے کو دلاسا دے دیں۔۔۔ کسی معذور کو سہارا دے دیں۔۔۔ کسی بے کس و مجبور کی مدد کردیں۔۔۔ہم سب مل کر معاشرہ میں توازن پیدا کردیں۔۔۔ بلا تفریق انصاف کی فراہمی ہوجائے۔۔۔ بلا تفریق صحت کی سہولیات میسر آجائیں۔۔۔ایک تعلیمی نظام ہوجائے۔۔۔پینے کا صاف پانی مل جائے ۔۔۔ ایسے تمام معاملات ۔۔۔ تمام امور بلا تفریق ہونے لگیں

تو خودکشی کا سدِ باب ہوجائے گا۔۔۔خود کش حملہ آور ایک معزز شہری بن جائے گا۔۔۔اسے بھی زندگی سے پیار ہوجائے گا۔۔۔

میں اس سے پیشتر ایک مضمون بعنوان اس نے خودکشی کرلی کہ لکھ چکا ہوں۔۔۔جسکا لنک درجہ ذیل ہے۔۔۔

http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?id=36692

معصوم پاکستانی!

پاکستان میں سیاست نام پیسہ اور اثر ورسوخ بنانے کیلئے کی جاتی ہے۔۔۔ہمارے یہاں وزیروں کو اشیائے خوردنوش کی قیمتیں معلوم نہیں ہوتیں۔۔۔ہمارے یہاں بھرے مجمے میں مسلمان وزراء قرآن کی سورتیں غلط پڑھ دیتے ہیں۔۔۔ہمارے یہاں سیاسی مقاصد کہ حصول کیلئے خرچہ کیا جاتا ہے۔۔۔پھر اس خرچہ کو سود سمیت واپس نکالا جاتا ہے۔۔۔ملک اور قوم کی تعمیر تو درکنار۔۔۔یہ لوگ ان علاقوں میں جانا تک گوارا نہیں کرتے جہاں سے جیت کر اسمبلیوں میں آتے ہیں۔۔۔یہ وہاں کہ لوگوں کو دردِ سر سمجھتے ہیں۔۔۔یہ اسمبلیوں میں بیٹھ کر ایسی لڑائیاں لڑتے ہیں جس کا عوام سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہوتا۔۔۔یہ اپنی مراعات کہ معاملے کو اسمبلی ہالوں سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔۔۔یہ بڑی بڑی گاڑیاں اپنے مختصر سے سفر کیلئے استعمال کرتے ہیں۔۔۔انکے سفر کہ دوران ہزاروں لاکھوں لوگوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑھتا ہے۔۔۔یہ عوام کی ہر پریشانی کو اپنی فتح سمجھتے ہیں۔۔۔یہ اخلاقیات کی حدوں سے بہت آگے نکلے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔۔۔یہ الیکشن جیت کر زمین کی مخلوق کہلانا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔۔۔ان کی نظر میں عوام کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں۔۔۔انکے قول اور فعل میں حقیقی معنوں میں تضاد ہوتا ہے۔۔۔یہ شاذو نادر اپنے کسی وعدے

کو پورا کرتے ہیں۔۔۔وعدے یاد ہی نہیں رکھتے تو پورا کیا کرینگے۔۔۔یہ ہمارے وطنِ عزیز کا مفاد پرست ٹولے کہ سربراہ ہوتے ہیں۔۔۔اگر انکے فائدے کا کوئی کام ہو تو جیسے کام کو پر لگ جاتے ہیں اور کرنے والی کوئی جنات کی فوج آجاتی ہے۔۔۔

محدود وسائل کی مرہونِ منت پورے پاکستان کی طبعی صورتحال سے اتنا واقفیت نہیں ۔۔۔کراچی کی جو صورتحال ہے اس کا میں عینی شاہد ہوں ۔۔۔یہاں ایک زمانے سے کوئی بڑا تو کیا چھوٹا کام نہیں ہوا۔۔۔نظامِ ترسیلِ آب اور نکاسیِ آب کا نظام بری طرح سے تباہ و برباد ہوچکا ہے۔۔۔جس کی وجہ سے گلی محلوں کی سڑکیں تالاب دکھائی دیتی ہیں۔۔۔لائنیں ڈلوانا ایک بہت بڑا معاملہ ہے ان کی مرمت ہوتی نظر نہیں آتی۔۔۔موجودہ لائنوں کی صفائی نا معلوم زمانے سے نہیں ہوئیں ہیں۔۔۔بس عوام کہ خرچے پر سفر در سفر ہورہا ہے۔۔۔ملک ملک کی سیر ہو رہی ہے۔۔۔جلسے جلوس مفت میں تو نہیں ہوجاتے۔۔۔کوئی اپنے جلسوں جلوسوں کو سرکاری مشینری کہ استعمال سے کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔کہیں ان کی کامیابی خوف و دہشت کی مرہون منت ہوتی ہے۔۔۔کہیں مذہب کو بنیاد بنا کر جلسے جلوس کامیاب دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔۔۔کوئی ذاتی رقم کی بدولت اپنے اجتماعوں کو پر رونق بناتے ہیں۔۔۔یہ پاکستان کی فرسودہ سیاست اور سیاست دانوں کا حال ہے۔۔۔

اگر ہم لوگ انہیں ووٹ نہ دیں تو یہ لوگ اسمبلیوں تک نہیں پہنچ سکینگے۔۔۔ لیکن کسی نہ کسی کو تو جمہوریت کی روح سے اسمبلی میں پہنچنا ہی ہے۔۔۔ کیونکہ جمہوریت نمبروں پر قائم ہوتی ہے نہ کہ میعار پر۔۔۔ اسطرح جمہوریت بنیادی طور پر سب سے بڑی فساد نظر آتی ہے کم از کم پاکستانی ماحول اور معاشرے کیلیے۔۔۔ ووٹ مانگنے والے لسانیت کی بنیاد پر ووٹ مانگتے ہیں۔۔۔ لوگوں کو انکے ساتھ ہونے والی محرومیوں کو ان کی قومیت بتاتے ہیں۔۔۔ ایسا ہر سیاست دان کو کرنا پڑتا ہے۔۔۔ پاکستان کسی چیز میں خود قفیل ہو یا نا ہو۔۔۔ لیکن سیاسی پارٹیوں اور سیاسی رہنماؤں سے مالا مال ہے۔۔۔ ہمارے یہاں اکثریت کا بنیادی نعرہ غربت اور غریبوں کی زبوں حالی سے نکالنا ہے۔۔۔ جبکہ حقیقی معنوں میں یہ سیاستدان ہی غربت بڑھانے میں سب سے قلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔۔۔ کیوں کہ اگر غریب نہیں ہونگے تو ان کی تقریریں کون سنے گا۔۔۔ اگر سب کو نوکریاں دیے دیں تو کون ان کی آؤ بھگت کرے گا۔۔۔

معصوم پاکستانی ! پاکستان بننے سے پس رہے ہیں۔۔۔ یہ معصوم پاکستانی ہی پاکستان کی تباہی کا سبب بنتا جا رہا ہے۔۔۔ یہ فقط نام نہاد وعدوں کہ طوق اپنے گلے میں ڈالے پھانسی پر لٹکا ہوا ہے۔۔۔ مگر مردہ لوگوں کو زندہ زندہ کہے جا رہا ہے۔۔۔ اس معصوم پاکستانی کو معلوم ہی نہیں کہ ان سے ووٹ اور

دنیا سے نوٹ لے کر اپنے ذاتی محلات بنائے جا رہے ہیں۔۔۔اس پاکستانی کو علم کی روشنی سے دور رکھا گیا ہے۔۔۔اسے روزانہ اندھیر در اندھیر کوٹری میں دھکیلا جا رہا ہے۔۔۔اس پاکستانی کو علم ہی نہیں کہ وہ جس کیلئے زندہ باد کہ نعرے لگا رہے ہیں وہ اسکے قریب نہیں پہنچ سکتے۔۔۔اس پاکستانی کو یہ نہیں پتہ کہ ہمیں بجلی گیس اور پانی میں لگا کر ہمارے حکمران اپنے گھر کہاں کہاں بنا رہے ہیں۔۔۔یہ معصوم پاکستانی اپنے بچوں کی دو وقت کی روٹی کیلئے مارا مارا پھر رہا ہے اور اسکے حاکم کہ بچے کھا کھا کہ پھٹ رہے ہیں۔۔۔

سارے مسائل کا حل اس معصوم پاکستانی کہ پاس ہی ہے۔۔۔اسے ایسے سیاستدانوں سے جان چھڑانی ہوگی۔۔۔اپنے آنے والی نسلوں کیلئے ان سے بغاوت کرنی ہوگی۔۔۔یہ معصوم پاکستانی ان حکمرانوں کو ان غاصبوں کو للکارینگے تو امید صبح روشن ہوگی۔۔۔جو کبھی زبان کی بنیاد پر بیوقوف بنا کر لوٹتے ہیں تو کبھی مذہب کا نام لے کر لوٹتے ہیں۔۔۔یہ بھوک و افلاس میں مبتلا معصوم پاکستانی جس دن جاگ جائے گا۔۔۔سمجھو اپنی تقدیر بدل لے گا۔۔۔یہ حلق میں ہاتھ ڈال کر ساری لوٹی ہوئی قومی دولت نکلوا لے گا۔۔۔خدا ہمیں آنے والی نسلوں کیلئے ایسی بغاوت کرنے کی ہمت دے۔۔۔ہمیں لسانیت عصبیت اور مذہب کہ نام پر استعمال ہونے سے بچنا ہوگا۔۔۔سمجھنا ہوگا۔۔۔(آمین)۔

۔۔۔

!تشدد کسی مسئلے کا حل نہیں

ہم پاکستانیوں کے نزدیک ریمانڈ کے معنی تشدد کے ہیں (تشدد کے ساتھ بھرپور بھی پڑھیئے) ۔۔۔ بچپن سے لفظ ریمانڈ کو اسی طرح سے سنتے آرہے ہیں ۔۔۔ ملزم کو ریمانڈ پر بھیج دیا گیا ہے اب تو جو اس نے نہیں کیا اس کی بھی حامی بھرلے گا۔۔۔اندھیرا اجالا جن لوگوں کو یاد ہو اس میں جعفر حسین ڈرائنگ روم کا بہت تذکرہ کرتے تھے۔۔۔ معذرت کے ساتھ ، اس وقت میڈیا بااخلاق تھا اس لیئے صرف پس پردہ وہ (مار پیٹ) آوازیں سنائی دیتیں تھیں جس سے پتہ چلتا تھا کہ ڈرائنگ روم میں کیا ہو رہا ہے اور اس سے کیا مراد ہے۔۔۔پتہ یہ چلا کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے جب آپ کو اپنی تحویل میں لینگے (چاہے وہ پوشیدہ ہو یا ظاہری) تو آپ کا ریمانڈ عدالت سے ملنے سے پہلے ہی لیا جا چکا ہو گا یعنی تشدد کا نشانہ ضرور بنایا جائے گا۔۔۔ کوئی بہت خوش نصیب یا جس پر اللہ کی خاص رحمت ہوگی وہ ہی اس عمل سے گزرے بغیر باہر آسکے گا۔۔۔یقینا ایسا دوسروں کہ دلوں میں خوف بٹھانے کے لئے کیا جاتا ہوگا۔۔۔ خصوصاً وہ لوگ جو قانون کا احترام نہیں کرتے۔۔۔ رشوت خوری نے پولیس کا خوف تو عام آدمی کہ دل سے نکال دیا ہے۔۔۔یہی ایک راستہ عوام پر اپنا رعب و دبدبا مسلط کرنا چاہتے ہیں ۔۔۔

افواجِ پاکستان دنیا کی چند بہترین، منظم اور سخت جان افواج میں سے ایک ہیں۔۔۔اقوامِ متحدہ سے لے کر نیٹو کے امن مشن کے دستوں میں ہماری نمائندگی و کارگردگی کی ساری دنیا معترف ہے۔۔۔پوری پاکستانی قوم واحد اس ادارے کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔۔۔اس کی وجہ انکا خوف نہیں بلکہ انکی گرانقدر خدمات ہیں۔۔۔پاکستان کا بچہ بچہ افواج پاکستان کہ گن گاتا سنائی دیتا ہے۔۔۔پاکستان درپیش ہر مصیبت اور آفت سے نمٹنے کی بھرپور صلاحیت، عزم اور حوصلہ صرف انکے ہی پاس ہے۔۔۔مٹی کا تودہ گرجائے، سیلاب آجائے، زلزلے جیسی آفت کا سامنا کرنا ہو یا کوئی بھی سانحہ کوئی بھی مشکل اس ملک کو درپیش ہو پاک فوج ہمیں سب سے آگے صف بستہ نظر آتی ہیں۔۔۔منظم اور مستحکم ہونے کی اہم ترین دلیل احتساب ہے۔۔۔جو ہماری فوج کے موجودہ سربراہ جنرل راحیل شریف صاحب نے اپنے ادارے میں کرکہ اور کرپشن ثابت ہونے پر سزائیں سنا کر، سیاسی حکمرانوں کیلئے گھنٹی بجادی ہے کہ اگر آپ احتساب نہیں کر سکتے تو ہم یہ بھی کر سکتے ہیں۔۔۔پاکستان کی بقا کی جنگ ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے ہی لڑ رہے ہیں۔۔۔باقی سب تو تماشبین ہیں۔۔۔

اس کے برعکس پاکستان کے دیگر قانون نافذ کرنے والے ادارے اتنے غیر محفوظ ہیں شائد ہی کوئی اور ادارہ ہو۔۔۔آپ اس بات کی تصدیق کیلئے ذرا اپنے گردونواح میں نظر دوڑایئے۔۔۔آپ دیکھ سکتے ہیں کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں

کہ دفاتر یا رہائشی جگہوں کہ گرد کتنے آہنی حصار اور حفاظتی اقدامات کئے گئے ہیں۔۔۔آخر ایسا کیا ہے کہ ان اداروں کو یہ سب کرنے کی ضرورت پڑ رہی ہے۔۔۔ان تمام امور کو دیکھ کر عوام اپنے آپ کو بلکل غیر محفوظ سمجھتی ہے۔۔۔ قانون نافذ اور عوام کو تحفظ کرنے والے اداروں کا یہ حال ہوگا تو عوام کا تو اللہ ہی حافظ ہوگا۔۔۔ایک عام آدمی کا تحفظ تو ہمارے ملک میں ویسے بھی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔۔۔ان اداروں کہ خوف کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے اپنی خوفزدگی کی مرہونِ منت اب تک صرف کراچی میں چھ سات قیمتی جانیں لے لیں۔۔۔یعنی ان کو ایسا لگا کہ یہ لوگ جنہیں قانون نافذ کرنے والے اداروں نے نشانہ بنایا) ان پر حملہ آور)

ہوجائینگے۔۔۔آخر اس خفت کا کچھ تو سبب ہوگا۔۔۔ لیکن اس خفت کا یہ مطلب تو قطعی نہیں کہ آپ میں دہشت گردوں میں فرق کرنا دشوار ہوجائے۔۔۔وہ اسلحہ چھپا کر گھومتے ہیں اور سرکاری سرپرستی اور وردی کی بدولت اسلحہ لیئے سرِ عام گھومتے ہیں۔۔۔ کبھی کسی نے یہ بھی سوچا کہ جس طرح ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے اسلحہ کی نمائش کرتے ہیں اس سے ہمارے ملک کے مستقبل کے معماروں پر کیا اثر پڑتا ہے۔۔۔جی ہاں اسلحہ مومن کا زیور ضرور ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اس زیور کو زیبِ تن کرنے کی اجازت ہر مومن کو نہیں دی جاتی۔۔۔یہ وہ عوامل ہیں جو ہمارے معاشرتی اقدار کا قتلِ عام کر رہے ہیں۔۔۔ جن کی وجہ سے معاشرہ عدم

توازن کا شکار ہو رہا ہے۔۔۔بے حیائی اور بے راہ روی پہلے ہی اپنی عروج کی منزلیں بہت تیزی سے طے کر رہی ہیں۔۔۔غیرت کے نام پر قتل ہو رہے ہیں۔۔۔ کہیں جرگہ زندگی اور موت کے فیصلے کر رہے ہیں۔۔۔آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔۔۔آپکا عمل آپکے الفاظ سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے۔۔۔یعنی آپ بولیں کچھ اور کرکے کچھ دیکھائیں۔۔۔

آج دنیا میں خوف اور دہشت کا راج ہے۔۔۔لوٹ کھسوٹ کا راج ہے۔۔۔طاقتور کا راج ہے۔۔۔ہر کوئی خود کو بچانے کیلئے دوسرے کی جان لے رہا ہے۔۔۔زندگی جیسی نعمت کی کوئی قدر نہیں کر رہا۔۔۔آج دنیا میں پھر وہی غاروں کہ زمانے کے اصول رائج ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔۔۔ جو طاقتور ہے وہی سب کچھ ہے۔۔۔تہذیب ختم ہوتی جا رہی ہے۔۔۔رشتے مجبوراً نبھائے جا رہے ہیں۔۔۔ کہیں کہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے اپنا آپ بوجھ لگتا ہے۔۔۔حاکم بادشاہوں کی طرز پر حکومتیں چلا رہے ہیں۔۔۔ جیسا دل چاہے وہ اپنی رعایا سے ویسا سلوک کریں۔۔۔پولیس اسکی، عدلیہ اسکی خوشامدی اسکے، غرض یہ کہ حکومتی ساری مشینری اسکی۔۔۔،

میں کسی ادارے کی کیا کسی فرد واحد کی تحذیک کرنے کا مجاز نہیں۔۔۔مگر میں ہر اس فرد پر تنقید کر رہا ہوں جو معاشرے میں بدامنی پھیلا رہا ہے۔۔۔یہ بد

امنی ذہنی طور پر پھیلائی جارہی ہو یا جسمانی سطح پر ہو۔۔۔اس سارے معاملات میں پولیس عوام میں اپنا اعتماد بڑھانے میں کتنی کامیاب ہوئی ۔۔۔کیا لوگ بلا خوف وخطر تھانے جاسکتے ہیں۔۔۔جی نہیں ایک عام آدمی قطعی طور پر جانے تو کیا تھانوں کہ پاس سے گزرتے ڈرتے ہیں۔۔۔

تشدد چاہے کشمیر میں ہو یا فلسطین میں ہو یا شام میں ہو یا عراق میں ہو یا افغانستان میں ہو یا دنیا کے کسی بھی ملک میں ہو قابلِ مذمت ہے۔۔۔قدرت نے انسان کی نفسیات میں کچھ ایسے عناصر رکھے ہیں۔۔۔جو انسان اور حیوان میں تمیز کرتے ہیں۔۔۔کسی کو سیاسی یا مذہبی یا معاشی انتقام کی بھینٹ چڑھا دینا یہ انسانیت نہیں۔۔۔کسی کو اپنے موقف پر زبردستی قائل کرنا یا مائل کرنے کی کوشش کرنا یہ انسانیت نہیں۔۔۔یہ انسانیت کی تذلیل ہے۔۔۔

اس بات سے قطعی نظر کہ آفتاب احمد کسی سیاسی جماعت کا رکن تھا مگر انکی موت نے ملک میں سوگ کی فضاء پیدا کردی۔۔۔جیسے جیسے خبر منظرِ عام پر آتی گئی ۔۔۔ہر آنکھ نم ہوتی گئی اور زباں سوالی بن گئی ۔۔۔دکھ اس بات کا ہے کہ رہبر رہزن بن جائیں تو کہاں جائیں۔۔۔ایک بہت اہم سوال یہ پیدا ہوگیا کہ آفتاب احمد پر کیا جانے والا تشدد کسی سیاسی جماعت سے وابستگی کی بنیاد پر تو نہیں تھا؟۔۔۔افتاب احمد کی موت ہمارے ان تمام اداروں پر سوال اٹھاتی ہے

جو پاکستان میں قانون کی بالادستی کیلیئے دن رات کوشاں ہیں۔۔۔کیا آپ کسی بھی پاکستانی کو ایسے تشدد کا نشانہ بنائینگے کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔۔۔یا آپ تشدد کی وہ شکل دیکھا ئنگے کہ وہ خوف سے مر جائے۔۔۔وہ پاکستانی جو معاشرے ایک قلیدی حصہ ہو جس کی ماں ہو، جسکی بیوی ہو اور جس کہ معصوم بچے اسکے منتظر ہوں۔۔۔آپ ان معصوموں کو کیا جواب دینگے جو آپ کو اپنا محافظ سمجھ رہے ہیں۔۔۔کیا آپ کسی بھی پاکستانی کو نشانِ عبرت بنانے کیلیئے یہ تک بھول جائینگے کہ وہ اسی معاشرے کی ایک اکائی ہے۔۔۔

جی ہاں ! قانون نافذ کرنے والے اداروں پر لازم ہے کہ ملزموں کی مجرمانہ سرگرمیوں کی نشاندہی کریں۔۔۔عدالت میں اسکا جرم ثابت کریں۔۔۔دنیا کا ہر قانون انسانیت کی تذلیل کی قطعی اجازت نہیں دیتی۔۔۔چاہے وہ گوانتانامے میں کیا جائے کیا کراچی کے کسی پولیس تھانے میں کیا جائے۔۔۔خدا کیلیئے اخلاقیات اور انسانیت کی دھجیاں نہ اڑائیں۔۔۔ہمارے معصوم بچے آپ کو دیکھ کر خوفزدہ نہ ہوں۔۔۔ہم آپ سے پرامن معاشرے کہ متمنی ہیں۔۔۔تشدد اور خوف سے عاری معاشرے کی توقع کرتے ہیں۔۔۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تھا، معاشرہ تمام برائیوں کہ ساتھ چل سکتا ہے مگر انصاف کہ بغیر نہیں چل سکتا (اللہ کمی بیشی معاف فرمائے)۔۔۔تو خدارا انصاف کیجیۓ۔۔۔تشدد کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔۔۔

لندن والوں کا شکریہ

لندن ایک تاریخی شہر ہونے کہ ساتھ ساتھ دینا کی سیاسی اتار چڑھاؤ میں بھی بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔ لندن پڑھے لکھے لوگوں کا شہر ہے۔۔۔۔۔۔ لندن صرف کرکٹ کا ہی گھر نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ یہاں سے دنیا جہان کہ لوگوں نے تہذیب و تمدن کا درس لیا۔۔۔۔۔ لندن کی عمارتیں اور سڑکیں آج بھی بادشاہت کا جاہ و جلال رکھتی ہیں۔۔۔۔۔۔ ان عمارتوں میں دنیا کا بہت سیاہ و سفید پوشیدہ ہے ۔۔۔۔۔۔ لندن ان شہروں میں سے ایک ہے جہاں ماضی اور حال ایک ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ کل اور آج کا حسین امتزاج ہے۔۔۔۔۔۔۔ بلکل اسی طرح یہاں ماضی کی بادشاہت بھی زندہ ہے اور جمہوریت کی بھی اعلی اقدار نافذ العمل ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس شہر میں وہ تخت ہے جس کی سلطنت میں کہا جاتا ہے کہ سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔

لندن میں مقامی لوگوں کی اکثریت ہے۔۔۔۔۔۔ تو وہاں کا میئر بھی کوئی مقامی ہی ہونا چاہئے۔۔۔۔۔۔۔شائد آپ لوگ ایسا نہ سوچتے ہوں مگر حقیقت کچھ اس سے مختلف نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ صادق امان خان وہ نام ہے جو گزشتہ کچھ دنوں سے دنیا کی پرنٹ اور ٹیلی میڈیا کہ ساتھ ساتھ سماجی میڈیا کی بھی رونق بنا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔ صادق خان لندن کہ میئر چنے گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ لندن میں صادق خان خارجی

ہیں کیوں کہ انکے والد امان اللہ خان ہجرت کر کہ لندن میں رہائش پذیر ہوئے ۔۔۔۔۔۔۔ امان اللہ صاحب نے بطور ٹرک ڈرائیور پچیس سال محنت کی ۔۔۔۔۔ صادق خان کی والدہ نے کپڑے سئے ۔۔۔۔۔ لیکن لندن والوں نے معاشرتی برابری کی ایک اعلی مثال قائم کر دی ۔۔۔۔۔

یہ چناؤ پاکستان میں ہونے والے چناؤ سے قطعی مختلف تھے یہی وجہ ہے کہ کسی قسم کی دھاندلی کا شور تو کیا ایسی کوئی آواز تک نہیں سنائی دی ۔۔۔۔۔۔ نہ ہی الیکشن کمیشن کو فوج اور رینجرز کہ دستے منگوانے کی کوئی ضرورت پیش آئی اور نہ کسی امیدوار نے حکومت سے ایسا کوئی تکارہ کیا۔۔۔۔نہ کسی حلقے کو حساس قرار دیا گیا۔۔۔۔۔۔

صادق خان میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ انہیں لندن کہ لوگوں نے اپنا میئر چن لیا۔۔۔۔انہیں اس بات کا کیسے یقین ہوگیا کہ ایک غیر مذہب انکے مسائل کیسے سمجھے گا اور انکو حل بھی کرے گا۔۔۔۔ یہ ایسا وقت ہے جب ساری دنیا میں مسلمانوں کی اہلیت اور قابلیت غرض یہ کہ ہر چیز کو بہت مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور پرکھا جاتا ہے ۔۔۔۔۔دنیا دو ناموں کو بہت اچھی نظروں سے نہیں دیکھتی، ایک جس کہ نام کہ ساتھ 'محمد' لکھا اور دوسرا جو اپنے آپ کو 'خان' کہلاتا ہو۔۔۔۔۔مگر پھر بھی صادق خان لندن کہ ایک ایسے فرد کو شکست دے کر

اقتدار میں آئے ہیں جو بنیادی طور پر لندن کہ مقامی رہائشی ہونے کہ ساتھ ساتھ لندن کی معیشت میں بھی اپنا قلیدی کردار رکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔لندن کہ لوگوں نے صادق خان کو اپنا میئر بنا دیا۔۔۔۔

آخر لندن کہ لوگوں نے ایسا کیا ثابت کرنے کیلئے کیا ہے۔۔۔۔۔پہلی چیز کیا وہ رواداری کی اعلی ترین مثال قائم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انکو ڈرایا گیا ہو۔۔۔۔ ایک بات اور بھی ہو سکتی ہے کہ صادق خان کو میئر بنا کر لندن میں رہنے والے مسلمانوں کی بھرپور جانچ پڑتال کی جائے گی۔۔۔۔یا پھر لندن کو مسلمانوں کی تعداد کو قلیل کیا جائے گا۔۔۔۔۔ یا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں۔۔۔۔۔اگر ان باتوں میں سے ایک بھی بات نہیں تو آخر وہ کون سا ایسا راز ہے جس پر سے پردہ اٹھنے کیلئے وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔۔

لندن والوں نے ایک ایسی اعلی مثال قائم کی ہے کہ مجھے لکھتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ وہ ایک مہذب معاشرہ ہے۔۔۔۔ اور مہذب ترین معاشرے کہ بانی ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا کہ "اگر تمھیں کوئی حبشی غلام سیدھے اور سچے راستے (قرآن کہ مطابق) پر لے کر چلے تو اس کے پیچھے چل پڑنا۔ ہمارے نبی ﷺ نے تمام انسانیت کو رنگ و نسل سے اعلی و اہم قرار دیا۔۔۔۔۔ صادق خان کی جیت میں ہمیں ان باتوں کی جھلک نہیں نظر آتی۔۔۔۔۔۔

ایک طرف بنگلادیشی حکومت اور بنگلادیش کی عوام نے امت مسلمہ کا سر شرم سے جھکا دیا ہے تو دوسری طرف لندن کہ لوگوں نے انسانیت کی فتح کا ایک عملی نمونہ پیش کیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تعلیمات تو ساری دنیا بلکہ رہتی دنیا تک کیلئے تھیں۔۔۔۔۔۔۔ ساری دنیا تو لگ رہا ہے کہ عمل کر رہی ہے بس نہیں کر رہے تو اے میرے نبی ﷺ ہم مسلمان ہی آپ سے زبانی کلامی محبت کہ داعی بنے بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔۔

لندن والوں کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کسی تفریق کو صادق خان کی قابلیت اور اہلیت کہ درمیان حمائل نہیں ہونے دیا۔۔۔۔۔۔لندن والوں آپ نے دنیا کہ سامنے مسلمانوں کی اہلیت اور قابلیت کا علم بلند کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ ہم آپکے اس اقدام کہ بہت شکر گزار ہیں۔۔۔۔۔۔

یہ وقت بھی گزر جائے گا

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز۔۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
ہم سب محمود و ایاز سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔۔۔۔۔اس واقفیت کی اہم ترین
وجہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ہیں۔۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ بالا شعر کی مدد سے
دونوں شخصیات کو اردو ادب میں امر کر دیا۔۔۔۔وہ اپنے کردار کی وجہ سے تو تاریخ
میں یاد رکھے ہیں۔۔۔۔اب ذرا اس تعلق کہ حوالے سے یہ پڑھیئے ۔۔۔۔۔۔ سلطان
محمود غزنوی نے اپنے غلام آیاز کو ایک انگوٹھی دی اور کہا اس پر ایسا جملہ لکھوا دو جسکو
میں خوشی میں پڑھوں تو غمگین ہو جاؤں اور غمی میں پڑھوں تو خوش
ہو جاؤں۔۔۔۔۔۔آیاز نے اس پر ایک سادہ سا مگر تاریخی فقرہ لکھوا دیا وہ یہ تھا " یہ
وقت بھی گزر جائے گا" ۔۔۔۔۔۔۔

آپ اگر پاکستانی ہیں اور پاکستانی سیاست پر ایک طائرانہ نظر ڈالئے تو آپ کو اس جملے کی
بازگشت سنائی دے گی۔۔۔۔۔۔۔ پاکستان میں اس جملے سے بھرپور مستفید ہونے والی
بڑی بڑی ہستیاں موجود ہیں ۔۔۔۔۔۔ جو اس جملے کا حقیقی مقصد و معنی سلطان محمود
غزنوی اور آیاز سے کہیں زیادہ سمجھ گئے ۔۔۔۔۔

پچھلی دو دہائیوں کا جائزہ لیں تو آپ کو یہ جملہ ہر طرف سنائی دینے کہ ساتھ ساتھ نظر بھی آئے گا۔۔۔۔۔ اور ہر مسلئہ جس کی نشاندہی آپ کرینگے وہ آپ کو یہی کہتا سنائی دے گا۔۔۔۔۔۔ یعنی گاڑی جیسے چلانی ہے ویسے ہی چلے گی ۔۔۔۔۔ اور اسکی سمت کا تعین بھی ہم خود کرینگے۔۔۔۔۔ اس جملے کو صادق کرانے میں ہمارا (عوام الناس) بہت بڑا ہاتھ ہے بلکہ ہاتھ کیا ہم ہی ہیں جس کی وجہ سے ہمارے ملک کہ سیاستدان صرف اور صرف اپنی ہی فکر میں اقتدار میں آنے کہ خواہش مند ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سب اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ایسے ایسے مباحثے کرتے ہیں کہ عاقل کی عقل دنگ رہے جائے ۔۔۔۔۔ افسوس اس امر کا ہے کہ سڑکوں پہ نکلنے کیلیۓ مسائل کی سنگینی سے آگاہ کرانے کیلیۓ کوئی تیار نہیں۔۔۔۔۔

دنیا جہان میں عوام کہ حقوق ادارے اور حکومتیں بھرپور طریقے سے ادا کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔ ان ممالک کی عوام اپنے حقوق پر قدغن برداشت نہیں کرتیں۔۔۔۔۔۔ وہ سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور اپنے حقوق واپس لے کر ہی گھروں کو واپس لوٹتے ہیں ۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی عوام کہ حکمران اپنی ذمہ داریوں کو بہت احسن طریقے سے سمجھتے ہیں اور انہیں انجام دیتے ہیں۔۔۔۔۔ بلکہ عوامی خدمات کی مثالیں قائم کرنے کی کوششیں کرتے نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔۔

مجھے بہت تکلیف کیساتھ یہ لکھناپڑ رہا ہے کہ پاکستان شائد دنیا کا وہ واحد ملک ہے۔۔۔۔۔۔ جہاں جس کا جو دل چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی گدھے کا گوشت بیچتا ہے۔۔۔۔۔ کوئی کروڑوں ڈالر بیگ میں ڈال کر دنیا کی سیر کو نکل جاتاہے۔۔۔۔۔۔ کوئی جالی دوائس مریضوں کی مشکل آسان کرنے کیلئے بناتا ہے ۔۔۔۔۔۔ کوئی عوام کا پیسہ اپنے ذاتی علاج معالجے پر خرچ کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ کوئی حکومت میں اس لئے آتا ہے کہ اسے دنیا کی سیر کا شوق ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی موٹر سائیکل والے کی تلاشی لے کر اسے لائسینس نہ ہونے پر بیس روپے لے کر جانے دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی کچرا گھر کا دروازہ بغیر کھولے ہی پھینک دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی بیچ شاہراہ میں دوران ڈرائونگ موبائل فون پر محو گفتگو نظر آتا ہے۔۔۔۔۔۔ کوئی فٹ پاتھ پر بیٹھا سر عام نشہ کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔ کوئی چھوٹی چھوٹی گاڑیوں کی تلاشی لے کر بڑی مستعدی کا مظاہرہ کر رہا ہے اور وہی بڑی بڑی گاڑیوں کو بغیر روکے سلوٹ مار رہاہے۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی اپنی سہولت کیلئے سڑک کھود رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔ کوئی اپنی مرضی سے پانی کی لائن ڈال رہاہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عام گلی اور شاہراہ میں کوئی تمیز نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ کوئی پان سگریٹ گٹکا کھانے کی بدل میں کھا رہا ہے۔۔۔۔۔۔ ہم ایسی ایک دوسرے کو بری طرح سے گالیاں بک رہے ہیں لڑ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ تہذیب و تمدن کہ لفظوں سے نہ آشنا لوگ ذہنی مریضوں کی مانند اکیلے بیٹھے ہیں تو خود سے ہی باتیں کیئے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ایک دوسرے کو کوس رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ ہم

پیدا ہوئے تھے اور ہمیں مرجانا ہے۔۔۔۔۔۔یعنی ذہنی طور سے معذور ہوئے جارہے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تعلیم تربیت شعور سے عاری ہوچکے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس ملک میں عزت دار وہ کہلاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جو حقیقت میں ۔۔۔۔۔۔ جانے دیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ ہمارے پیارے وطنِ عزیز کا حال ہے۔۔۔۔۔۔۔

مذکورہ بالا معاملات کی وجہ سے ہمارے حکمران خوشی خوشی حکومت کرتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔ کرتے رہتے ہیں۔۔۔۔ مخالف جماعتیں اپنا کردار ادا کرتی رہتی ہیں۔۔۔۔اپنی باری کی آس میں ۔۔۔۔۔۔بس یوں سمجھ لیجئے سب مل بانٹ کر ہم عوام کی بے حسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مزے کرتے رہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔کل جب یہ لوگ مر جائینگے تو ان کی اولادیں معتبر ہوجائنگی ۔۔۔۔۔۔۔ہمارا خون چوسنے کیلئے تیار ہوجائنگی۔۔۔۔۔۔ عوام عوام ہی رہیگی۔۔۔۔۔۔۔گیس، بجلی، پانی، نادرا کی لائنوں میں کھڑی رہیگی۔۔۔۔۔۔پیدائش کا سرٹیفیکیٹ بنوانے سے لے کر مرنے کا سرٹیفیکیٹ بنوانے تک۔۔۔۔۔۔ہم یونہی لکھتے رہیں گے ۔۔۔۔۔ اس نے یہ کر دیا اسکو یہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔۔۔۔۔۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ محمود غزنوی کو جناب آیاز نے مذکورہ فقرہ پاکستانی قوم کی حالت قبل از وقت دیکھ کر کہا ہوگا۔۔۔۔۔دور اندیشی کی نظر سے۔۔۔۔۔۔یہ بھی اپنے سلطان کی خدمت میں عرض کیا ہوگا کہ ایک قوم ایسی بھی آئے گی جسے صرف اسی فقرے کہ سہارے زندگی گزارنی ہوگی ۔۔۔۔اب سمجھ میں آتا ہے وہ غلام

کتنا ذہین تھا۔۔۔۔اے ربِ کائنات ہمیں کوئی آیاز جیسا ہی حکمران دے دیجئے
۔۔۔۔ہمارے حکمران (کسی بھی سیاسی و مذہبی پارٹی سے وابسطہ ہوں) اور ہم عوام
دونوں ہی اس جملے کہ سہارے قبر تک کا سفر کئے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔
وہاں تو انگشت پر لکھوایا تھا یہاں تو ہمارے دلوں پر لکھا ہوا
ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہماری آنکھوں کی پتلیوں پر لکھا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہماری
سماعتوں پر لکھا ہوا ہے ۔۔۔۔۔یہ وقت بھی گزر جائے گا۔

تین تگاڑا کام بگاڑا

ارسطو کے بقول "انسان سماجی جانور ہے" ۔۔۔۔یعنی انسان کو زندگی بسر کرنے کیلئے ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔۔۔۔ کوئی فرد تو کیا دنیا کا کوئی معاشرہ تنہا رہتے ہوئے ترقی نہیں کر سکتا۔۔۔اسی ضمن میں ڈاکٹر اقبال نے فرمایا کہ "فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔ موج دریا میں ہے بیرونِ دریا کچھ نہیں"

گزشتہ دنوں پاکستان کہ تین اہم پڑوسی ایک دوسرے سے سر جوڑ کا بیٹھے اور خطے میں استحکام کیلئے ایک دوسرے کو تعاون کی یقین دہانی کروائی ۔۔۔۔اس یقین دہانی میں جو پوشیدہ بو محسوس ہو رہی ہے۔۔۔۔ اس بو سے ایک سوچ جنم لے رہی ہے کہ کہیں یہ تین) ہمارے ملک کو غیر مستحکم کرنے کیلئے سر جوڑ کر بیٹھے ہیں ۔۔۔۔آج کل یہ تینوں) انڈیا میں موجود ہیں۔۔۔۔انڈیا، افغانستان اور ایران یہ وہ تین ممالک ہیں جن کی سرحدیں پاکستان سے جڑی ہوئی ہیں۔۔۔۔

ہم یہاں پانامہ لیکس کو ربر بینڈ کی طرح کھینچے جا رہے ہیں۔۔۔۔دوسری طرف بلوچستان میں ڈرون حملے سے افغان طالبان کہ رہنما کو نشانہ بنایا گیا۔۔۔۔ملک کہ حکمران اپنی کرسی بچانے کیلئے بھاگ بھاگ کر امریکہ و برطانیہ کہ دورے پر

دورے کر رہے ہیں۔۔۔۔دوسری طرف پاکستان کہ تین دوست نما دیرینہ دشمن سر جوڑ کر بیٹھے ہیں۔۔۔

تازہ ترین صورتحال، جس میں افغانستان کہ تین دہشت گرد نما جاسوس پکڑے گئے ہیں۔۔۔۔جس سے واضح ہوتا جا رہا ہے کہ پاکستان کا کوئی پڑوسی مخلص نہیں۔۔۔۔جن کی خاطر ہم نے اپنی سالمیت خطرے میں ڈال دی۔۔۔۔انگنت جانی و مالی نقصان اٹھا چکے اور اٹھا ہی رہے ہیں۔۔۔۔وہ ہی ہماری پیٹ میں چھرا گھونپ رہے ہیں۔۔۔۔ہمارے فوجی جوان ہماری فلاحی و سماجی تنظیمیں افغانستان کی بہتری کیلئے کوشاں ہیں۔۔۔افغانستان ہماری ہی صفحوں میں دراڑیں ڈال رہا ہے۔۔۔۔یقیناً یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہمارے معصوم بچوں کہ خون سے ہولی کھیلی کتنی ماؤں کی گود سونی کی۔۔۔۔ہم ان کہ بچوں کہ لئے پناہ گاہیں بناتے رہے اور انکی حفاظت کرتے رہے

۔۔۔۔

چین وہ واحد ملک ہے جو خطے میں پاکستان کہ استحکام کیلئے عملی طور پر اقدامات کرتا نظر آرہا ہے۔۔۔۔چین وہ ملک ہے جس نے پاکستان کی ترقی کیلئے اپنی افرادی قوت کی بھی قربانیاں دیں مگر اپنے مشن سے پیچھے نہیں ہٹا۔۔۔۔

،پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی پر نظرِ ثانی کرنی چاہئے۔۔۔۔خصوصاً انڈیا

ایران، افغانستان اور امریکہ کہ حوالے سے اپنے تعلقات پر نظرثانی کرنی چاہئے۔۔۔۔اس فہرست میں بنگلادیش کو بھی شامل کرنا چاہئے۔۔۔۔ان ممالک نے ایک بہت پرانی کہاوت " تین تگاڑا کام بگاڑا " کہ معنی بہت اچھی طرح سے سمجھا دیئے ہیں۔۔۔۔اب ہمیں بھی وہ سب کچھ سمجھ لینا چاہئے جو اب تک چھپ چھپ کر یہ تینوں ممالک کرتے رہے ہیں۔۔۔۔

پاکستان کہ دشمنوں کہ چہروں سے نقاب اٹھ چکے ہیں۔۔۔۔میری افواج پاکستان کہ سربراہوں سے فریاد ہے کہ پاکستان کہ داخلی اور خارجی دونوں دشمن کھل کر سامنے آچکے ہیں ۔۔۔۔اب آپ کسی مصلحت کا انتظار مت کیجئے اور ان تمام لوگوں کو دنیا کیلئے عبرت کا نشان بنادیں۔۔۔۔الحمدوللہ ! ہم ایٹمی طاقت ہیں۔۔۔۔کل 28 مئی بھی ہے ایک تاریخی دن ایک تاریخی تاریخ ۔۔۔۔اس دن رونما ہونے والے معجزے کہ حوالے سے چوہدری شجاعت صاحب کہ الفاظ جو بہت مشکل سے سمجھ آتے ہیں مگر انکا کہا گیا ایک تاریخی جملہ سماعتوں میں گونجتا رہتا ہے کہ " ایٹم بم ہم نے شبِ برات میں چلانے کیلئے نہیں بنایا " ۔۔۔۔اس جملے کا مقصد آپ صاحبِ اختیار لوگ بہت اچھی طرح سے دنیا کو سمجھا سکتے ہیں۔۔۔۔

تمام سیاسی، سماجی اور مذہبی جماعتوں سے درخواست ہے کہ جس طرح وہ جمہوریت کو بچانے کے لئے ایک ہو جاتے ہیں۔۔۔۔جس طرح وہ اپنے ذاتی مفادات کو بچانے

کے لئے ایک ہو جاتے ہیں۔۔۔۔یہ سب کچھ پاکستان کہ ہونے سے ہے۔۔۔۔ہمیں یہ بھی واضح کر دینا چاہئے کہ ہم ایسی ترقی سے باز آئے جس کہ لئے ہمیں اپنے وطنِ عزیز کی عزت اور وقار داؤ پر لگانا پڑے۔۔۔۔ہم ایسی کسی مفاہمتی پالیسی کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔۔۔یہی ہر محبِ وطن پاکستانی کہ دل کی آواز ہے۔۔۔۔چاہے وہ پاکستان کہ کسی بھی کونے سے تعلق رکھتا ہو۔۔۔۔وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو۔۔۔۔چاہے اسکی رنگت کیسی بھی ہو۔۔۔۔

آپ سب ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر دنیا کو اور خصوصی طور پر اپنی آستینوں میں چھپے بیٹھے سانپوں (جنھیں ہم نے دودھ بھی پلایا) کو کہ ہم اس سرزمینِ پاکستان کی بقا کیلیۓ سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرینگے۔۔۔۔دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کریں اور بغیر اختلاف رائے کہ بہت مختصر اور واضح الفاظ کہ ذریعے دنیا کو پیغام دیں۔۔۔۔ہم اپنی عرض پاک پر کسی قسم کی گندگی برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔۔جو کوئی ایسا کرنے کی خواہش رکھتا ہے پھر وہ اپنی تباہی کی تیاری کر لے۔۔۔۔ہم نہ ڈرنے والوں میں سے ہیں اور نہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے ہیں۔۔۔۔

جی ہاں! پاکستان ہم سے تجدید عہدِ وفا کا تکارہ کر رہا ہے۔۔۔۔کل 28 مئی ہے اس تاریخ ساز عہد کے لئے اس سے بہتر دن نہیں ہو سکتا۔۔۔۔اللہ پاکستان کا

حامی و ناصر ہو۔۔۔۔

گریجویٹ اسمبلی اب گریجویٹ کرکٹ ٹیم

ہم پاکستانیوں کا کرکٹ سے والہانہ لگاؤ دیکھ کر ایسا محسوس کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔کہ اگر اس
لگاؤ کا 70 فیصد اپنے دین سے ہوتا تو دنیا کا کئی گنا حصہ اسلام قبول کر چکا
ہوتا۔۔۔ محسوسات کہ بھی جواز ہوتے ہیں۔۔۔۔اور ایسا محسوس ہونے کا جواز یہ ہے
کہ جب ہماری کرکٹ کی ٹیم میدان میں جلوہ افروز ہوتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے
۔۔۔۔تو ہماری قوم کا تقریباً ہر فرد ہی اللہ رب العزت کہ حضور سر بسجود ہو کر گڑگڑا
کر آنسوؤں کہ ساتھ دعائیں مانگتا نظر آتا ہے۔۔۔۔قرآن کریم کی جو سورتیں یاد
ہوتی ہیں وہ بھی دہرا لیتا ہے۔۔۔۔ ایسا سمجھنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ مولویوں سے زیادہ
کرکٹ نے ہم مسلمانوں کو اسلام کے زیادہ قریب رکھا ہے۔۔۔۔ابھی مقابلہ شروع
بھی نہیں ہوا ہوتا کہ ساری قوم جو کرکٹ کہ ساتھ ساتھ سوشل میڈیا کہ فوبیا میں
بھی مبتلاء ہے۔۔۔۔۔دعائیہ پیغامات ایک دوسرے کو بھیجے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے
۔۔۔۔ خواتین اپنے گھریلو کاموں سے میچ کے شروع ہونے سے قبل فراغت کی متمنی
ہوتی ہیں۔۔۔۔

کرکٹ اور کوئی قومی سانحہ پاکستانیوں کو یکجاہ کرنے کا سب سے آسان طریقہ
ہے۔۔۔۔جو اربابِ اختیار اس اہمیت اور اس کی نزاکت سے واقف ہیں۔۔۔۔ وہ آپکو
زندگی کی

سے زیادہ بہاریں دیکھنے کہ باوجود بھی کرکٹ کا پیچھا چھوڑنے کو تیار 70 نہیں۔۔۔۔ گو کہ اب ان میں اتنی بھی قوت نہیں کہ اپنی کوئی اہم یا غیر اہم بات روانی سے کہہ سکیں۔۔۔۔ ایک طرف جہاں دنیائے کرکٹ کہ افق پر عمران خان، جاوید میانداد، حنیف محمد، وقار یونس، محمد یوسف اور انگنت کھلاڑی ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں۔۔۔۔ دوسری طرف کرکٹ ہی کی مرہونِ منت آپکو محمد عامر، محمد آصف اور سلمان بٹ جیسے لوگ پاکستان کا نام کالی کتابوں میں لکھوا آئے ہیں۔۔۔۔ یہ ساری کرکٹ کی کرشمہ سازیاں ہیں۔۔۔۔

ہم پاکستانی مردہ پرست ہجوم ہیں (قومیتوں میں بٹے قوم تو ہیں نہیں)۔۔۔۔ ہم نے کسی بھی باصلاحیت اور اہل انسان کی قدر کبھی نہیں کی۔۔۔۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے تکلیف ہورہی ہے۔۔۔ دوسری طرف یہ ایک بہت ہی تلخ حقیقت بھی ہے۔۔۔ ہم لوگ قائدِ اعظم سے بھی جان چھڑانے کہ درپے رہے دشمن کہ آلہ کار بنے رہے۔۔۔۔ ہم نے قائدِ ملت لیاقت علی خان (شہید) کہ خون سے بھی اپنی سرزمین کو رنگا۔۔۔۔ ہم نے فاطمہ جناح کہ ساتھ کیا کیا۔۔۔ ہم نے حبیب جالب کو سڑکوں پر گھسیٹہ۔۔۔۔ ہم نے فراز کو ملک بدر کروادیا۔۔۔۔ ہم نے وسیم اکرم، جاوید میانداد اور وقار یونس کی بے عزتی کرنے میں کوئی کثر نہیں چھوڑی۔۔۔۔ سب سے بڑھ کر ہم نے محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کہ ساتھ کیا کیا۔۔۔۔ ایسی ایک طویل فہرست پاکستان میں پیدا ہونے والوں کی ہے جنہیں مرنے کہ بعد تو پذیرائی میسر آئی۔۔۔۔ مگر

جیتے جی ہم نے چوروں اچکوں اور اغیار کی پذیرائی خوب کی ہے۔۔۔۔
بات کرکٹ کہیں اور نکل گئی۔۔۔۔ پچھلے دنوں پاکستان کرکٹ بورڈ کہ سربراہ کا ایک انتہائی "قابلِ اعتراض اور غیر شائستہ" بیان ٹیلی اور پرنٹ میڈیا کی زینت بنا۔۔۔۔جو کہ انکے شایانِ شان نہیں تھا۔۔۔۔بیان کچھ ایسا تھا کہ "پاکستانی کرکٹ کم تعلیم یافتہ یا پھر حرفِ عام میں جاہل کھلاڑیوں کی وجہ سے تباہ ہو رہی ہے"۔۔۔۔ ہم پاکستانی دنیا کو ہمیشہ اپنی کمزوریاں خود ہی بتاتے پھرتے ہیں۔۔۔۔چئرمین صاحب، آپ صاحبِ اختیار ہیں ایک عرصہ سے کرکٹ بورڈ سے وابسطہ ہیں اور معاملات چلا رہے ہیں۔۔۔۔آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم کرکٹ کی تباہی میں قلیدی کردار ادا کر رہا ہے تو آپ نے کیا اس سے نمٹنیے کیلئے کیا سدِ باب کئے۔۔۔۔ کہیں آپ کو بھی رات میں خواب تو نہیں دکھا اور یہ پتہ چلا کہ پاکستان کی کرکٹ کہ کھلاڑی کم تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ہماری کرکٹ برباد ہوتی جا رہی ہے۔۔۔۔ چیئرمین صاحب کو چاہئے تھا کہ پاکستان کی ٹیم جب سے وجود میں آئی ہے اس میں پڑھے لکھے کھلاڑیوں کا کیا تناسب رہا ہے۔۔۔۔جب پاکستان صفہ اول کی ٹیموں میں شمار کی جاتی تھی تو اس وقت ٹیم میں کون لوگ شامل تھے۔۔۔۔ ایک طرف آپ کرکٹ کہ ڈھانچے کو نئے سرے سے مرتب دینے کیلئے کمر کسے ہوئے ہیں تو دوسری طرف اس طرح کہ بیانات دے کر اپنے کھلاڑیوں کہ حوصلے پست کر رہے ہیں۔

محترم چیئرمین صاحب ! اگر آپ نے مرض کی تشخیص کر لی ہے تو آپ اس موضوع پر تحقیقاتی ٹیم بناتے ۔۔۔۔ گزشتہ اور حالیہ ریکارڈز کا موازنہ کروا سکتے ہیں۔۔۔۔آپ پاکستانی کرکٹ کہ سب کچھ ہیں پہلے داخلی سطح پر پوری رپورٹ تشکیل دیتے اسکے بعد اگر آپ کو لگتا کہ ایسا ہی ہے تو آپ بلکل یہ بیان دینے کہ مجاز دے۔۔۔۔ کوئی قومی تشخص کو مسخ کرنے کیلئے صرف یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھے ایسا لگا تو میں نے ایسا کہہ دیا۔۔۔۔آپ فقط ذمہ دار شہری ہی نہیں بلکہ ملک کہ انتہائی اہم ادارے کہ سربراہ ہیں۔۔۔۔داخلی اور خارجی امور پر آپ کو خاطر میں رکھا جاتا ہے۔۔۔۔آپ نے اس بیان سے قبل ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ ماضی یا حال میں جن کھلاڑیوں نے اپنی کارگردگی سے ملک و قوم کا سر فخر سے بلند کیا ان پر کیا گزرے گی۔۔۔۔آپ نے بلکل صیحح کہا مگر آپ گھر کہ ادارے کہ بڑے ہیں آپ کو اسطرح نہیں کہنا چاہئے تھا۔۔۔۔ اب آپ پر لازم ہے کہ آپ مستقبل میں کسی چیئرمین کیلئے ایسا موقع نہیں آنے دینگے ۔۔۔۔آپ اس خلاء کو پورا کرنے کیلئے کام شروع کردیجئے۔۔۔۔ قومی کرکٹ ایکیڈمی میں تعلیمی صحولیات کا اضافہ کروادیجئے۔۔۔۔آپ قوم کو باور کروادیں کہ گریجویٹ اسمبلی کی طرح اب پاکستان کی کرکٹ ٹیم میں جگہ بنانے کیلئے پہلی شرط گریجویٹ ہوگی۔۔۔۔اب یہاں بھی میرٹ کاغذ کہ ٹکڑوں پر تولا جائے

گا۔۔۔۔ گریجویٹ اسمبلی کہ بعد گریجویٹ کرکٹ ٹیم۔۔۔۔
مجھے نہیں معلوم اس سے کرکٹ کو کیا فائدہ ہوگا۔۔۔۔ مگر ایک غالب گمان ہے کہ جو لاڈلے کرکٹ کھیلنے کا شوق رکھتے ہیں اور خریدی ہوئی ڈگریوں کی بھتات ہونے کہ باوجود اپنا شوق پورا نہیں کرپاتے۔۔۔۔ وہ اب باآسانی اس شوق کو پورا کر سکینگے۔۔۔۔ آپ کا یہ اقدام اور بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے مگر اتنا ہی سرِ عام کافی ہے۔۔۔۔
پاکستانی کی کرکٹ کو کھلاڑیوں نے کم۔۔۔۔ کرکٹ کہ اربابِ اختیار نے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری بات سے اتفاق کرینگے۔۔۔۔ دعا تو ہم اپنی کرکٹ کیلیے کرتے ہیں۔۔۔۔

ایک نافرمانی کی سزا

دنیا اپنی بھرپور رعنائیوں کہ ساتھ چلی جارہی ہے۔۔۔۔لوگوں کی آمد و رفت لگی ہوئی ہے۔۔۔۔دنیا میں لاتعداد زندگیاں روزانہ جنم لیتی ہیں اور انگنت لوگ زندگی کی بساط سمیٹ کر دارِ فانی سے کوچ کرجاتے ہیں۔۔۔۔انسان کہ پیدا ہونے کی خوشیاں منائی جارہی ہیں اور فوت ہونے والے آہوں اور سسکیوں میں رخصت کئے جارہے ہیں۔۔۔۔ دنیا میں آسائشوں اور سہولیات کہ لحاظ سے لوگوں کی مختصر تعداد خوشحال ہے اور اس کہ بر عکس دوسری طرف ایک بہت بڑی تعداد دنیاوی آسائشوں اور سہولیات سے محروم ہونے کی وجہ سے بدحال ہے۔۔۔۔ قدرت کا کاروبار چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔۔۔۔

اللہ نے حضرت آدم علیہ اسلام کو تخلیق کیا اور تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں۔۔۔۔اللہ کہ حکم کی فرشتوں سے زیادہ کون بجاآوری کریگا۔۔۔۔مگر ایک فرشتے نے جو کہ فرشتوں کہ سرداروں میں تھا ایک حکم کی تعمیل سے منکر ہوگیا اور حضرت آدم علیہ اسلام کو سجدہ کرنے سے منع کردیا۔۔۔۔ جواز پیش کیا کہ میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے میں یہ سجدہ کیسے کروں۔۔۔۔مشیتِ الٰہی۔۔۔۔اس اہم ترین فرشتے سے ساری اہمیت چھین لی گئی۔۔۔۔اسے جنت سے نکال دیا گیا۔۔۔اسے ابلیس قرار دیا گیا اور رہتی دنیا تک کیلئے راندائے درگاہ قرار

دے دیا۔۔۔خدا کے بندوں کو ورغلانے کی ذمہ داری اس ابلیس نے اٹھالی۔۔۔بس یہ وہی وقت تھا کہ انسان کی مشکلات کا سلسلہ شروع ہو گئی۔۔۔خیر اور شر کی جنگ شروع ہو گئی۔۔۔اسی دن سے انسان حق اور باطل کی جنگ میں برسرپیکار ہوگیا۔۔۔اورگناہوں کہ دلدل میں پھنستا گیا۔۔۔

ہمارے آباؤاجداد کو یہ اس نافرمانی کا بہت اچھی طرح پتہ تھا۔۔ہمارے والدین کو بھی اس نافرمانی کا بہت اچھی طرح پتہ ہے۔۔۔اب ہم اپنی اولاد کو یہی سبق پڑھا رہے ہیں۔۔۔شیطان کی پیروی نافرمانی سے ہی شروع ہوتی ہے۔۔۔غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ہمارے آباؤاجداد نے یا ہمارے والدین نے اس بات پر اتنا غور کیا کہ نافرمانی کی شروعات کہاں سے ہوئی۔۔۔نہیں لگتا نہیں کہ اس اہم ترین سانحہ کو اتنی اہمیت دی گئی۔۔۔نافرمانی پر نافرمانیاں ہوتی گئیں۔۔۔

یہ مسلئہ ہمارے خاندان کا نہیں۔۔۔مسلئہ کراچی شہر کا نہیں۔۔۔پاکستان کا بھی نہیں۔۔۔یہ مسلئہ یقینا دنیا کا ہے۔۔۔ساری دنیا اس نافرمانی کی لپیٹ میں ہے ۔۔۔معاشرے میں بنیادی نافرمانی اپنے والدین سے شروع ہوتی ہے۔۔۔اساتذہ اس کا نشانہ بنتے ہیں۔۔۔اور پھر یہ نافرمانی پیشہ ورانہ ماحول میں ساتھ ساتھ گھومتی پھرتی ہے۔۔۔اس نافرمانی سے ہوتا کیا ہے۔۔۔۔اس نافرمانی سے ، نافرمانی کرنے سے ہم اس پہلے (ابلیس) نافرمان کہ اہلکار بن جاتے ہیں۔۔۔اب

جو ابلیس کا اہلکار ہو گا اس سے کیا کسی اچھے اور نیک کام کی توقع کیا جا سکتی ہے۔۔۔۔یقینا نہیں!

اگر ہم اپنی معاشرتی نافرمانیاں لکھنا شروع کریں تو ایک طویل فہرست بن جائے گی۔۔۔۔بلکل ایسا ہی حال ہے ہماری ان نافرمانیوں کا ہے جو ہم اپنے مذہب یا اپنے رب کہ ساتھ کر رہے ہیں۔۔۔۔ایک طرف تو دنیاوی نافرمانیاں ہیں تو دوسری طرف اللہ رب العزت کی نافرمانیاں۔۔۔۔پھر ہم کہتے ہیں سکون نہیں ہے زندگی میں۔۔۔۔سکون کہاں سے آئے گا۔۔۔۔ہم تو کسی اور کہ اہلکار بنے پھر رہے ہیں۔۔۔۔جو بے ترتیبی کا بانی ہے ہم اس کی مان رہے ہیں۔۔۔۔سجدے پر سجدے۔۔۔۔زار زار رونا۔۔۔۔نظر نیاز۔۔۔۔چڑھاوے۔۔۔۔یہ سب کچھ فرمانبرداری سے بچنے کیلیئے کر رہے ہیں۔۔۔۔کیا نہیں کر رہے اپنے رب کو منانے کیلیئے۔۔۔۔فرمانبردار ہو جائیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔۔۔۔سوائے نافرمانیوں سے پیچھا چھڑوانے کہ۔۔۔۔فرمانبرداری ہی تو عبادت کا اہم ترین جز ہے۔۔۔۔فخر سے، ادب سے، تعظیم سے آپ اسکے ہی سامنے کھڑے ہو سکتے ہو جس کہ آپ فرمانبردار ہوتے ہو۔۔۔۔ورنہ تو سب وقت کا ضیاع۔۔۔۔

نہ صرف ایک عام انسان کی بلکہ خاص انسانوں کی (جن کہ ذمہ انسانیت کو سدھارنے کا ذمہ دیا گیا ہے یا خود انہوں نے لیا ہے)۔۔۔۔ایک نافرمانی کی

ایسی سزا ہوتی ہے کہ اپنے انتہائی خاص فرشتے کو بھی نہ بخشا جائے۔۔۔۔ ہم نے نافرمانیوں کی دکان کھول رکھی ہے۔۔۔۔ نافرمانی در نافرمانی۔۔۔۔

اگر اس تحریر سے اتفاق ہے تو پھر نافرمانیوں سے پیچھا چھڑوانے کا عہد کریں ۔۔۔۔ عہد کس سے کریں۔۔۔۔ جناب اپنے ساتھ فرمانبرداری کریں اور اپنے ساتھ عہد باندھیں۔۔۔۔ اللہ ہمارے لئے آسانیاں پیدا فرمائیں۔۔۔۔

ہمارے عزم کا کوئی عنوان نہیں ہے

پاکستان وہ ملک ہے جہاں سیاسی و مذہبی جماعتوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔۔۔۔سیاسی جماعتیں لاسانیات پر سیاست کر رہی ہیں، علاقائی سیاست کر رہی ہیں۔۔۔۔مذہبی جماعتیں مسالک میں تقسیم کرنے کا ذمہ اٹھائے ہوئے ہیں۔۔۔۔پاکستان وہ ملک ہے جہاں غیر سرکاری تنظیموں کی گنتی کرنا مشکل ہے۔۔۔۔پاکستان میں فلاحی اور رفاعی اداروں کا شمار ناممکن ہے۔۔۔۔کتنے ہی اداروں کی درسگاہیں ہیں جو تعلیم کا ذمہ اٹھائے ہوئے ہیں۔۔۔۔یہ ادارے مختلف شعبوں میں اپنی اپنی خدمات فراہم کر رہے ہیں ۔۔۔۔ جیسا کہ آنکھوں کی امراض سے متعلق، سماعت کیلیئے ، گردوں کہ کیلیئے، اگر یہ لکھا جائے کہ انسانی جسم کے ہر حصے پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔۔۔۔مدارس ایک طرف تو دینی فرائض اور احکامات کی بالادستی کیلیئے برسرپیکار ہیں تو دوسری طرف یہ مدارس دارلامان جیسی اہم ذمہ داری بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔۔۔۔ان مدارس میں جہاں دینی و دنیاوی تعلیم کا انتظام ہے وہیں یہ مدارس کڑوڑوں کی تعداد میں بچوں کو کپڑا، کھانا اور رہاہش جیسی اہم ترین بنیادی سہولیات فراہم کیئے ہوئے ہیں (جو اصولی طور پر ریاست کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے) ۔۔۔۔تینوں اوقات میں کھانے کا مفت بندوبست جگہ جگہ کیا گیا ہے، مختلف ادارے دسترخوان لگائے بیٹھے ہیں اور بلا تفریق کھانا کھلا رہے ہیں۔۔۔۔ کہیں

کوئی لڑکیوں کہ جہیز اور شادی سے متعلق دیگر امور سرانجام دے رہے ہیں۔۔۔۔
مذکورہ بالا تمام ادارے اور افراد انسانیت کی بھلائی کیلئے برسرِپیکار ہیں۔۔۔۔بڑھ چڑھ کر اپنے اپنے امور میں سبقت لینے میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔۔۔۔یقیناً یہ لوگ ان تمام نیک کاموں کہ عوض قدرت سے جنت کہ متمنی ہیں۔۔۔۔ان تمام اداروں کو چلانے کیلئے خطیر رقم جو چندے کی صورت میں لوگ دے رہے ہیں۔۔۔۔ محرومی کتنے بڑے پردے میں پوشیدہ ہو کر کسی بھی شکل میں ہمارے سامنے ہو اس سے نمٹنے کیلئے ہم سب تیار ہیں۔۔۔۔اپنا اپنا حصہ کم یا زیادہ ڈال رہے ہیں۔۔۔۔یہ بھی نہیں کہ کچھ ہوتا نظر نہیں آ رہا۔۔۔۔بلکل آپ خود جا کر ان اداروں کا جائزہ لیں ۔۔۔۔تاکہ ہمارے ذہنوں میں اٹھنے والے تمام سوالوں کہ جواب اپنی آنکھوں کہ سامنے نظر آ جائیں۔۔۔۔
خدمت کو عبادت سمجھنے والے ۔۔۔۔خدمت کہ جذبے سے سرشار لوگ بغیر کسی تفریق اور تعصب کہ بغیر کسی سیاسی وابستگی کہ ، بغیر کسی مذہبی رجحان کہ لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں۔۔۔۔یہ نہیں پوچھتے یہ کون سی زبان بولتا ہے ، کس مسلک سے تعلق رکھتا ہے۔۔۔۔انہوں نے اپنے آپ کو خدائی فوجدار بنا رکھا ہے۔۔۔۔
قلم کار بھی معاشرے کو راستے کہ پیچ و خم سمجھانے میں مصروف ہیں۔۔۔۔اچھے برے

میں تفریق کرنے کی صلاحیتیں فراہم کر رہے ہیں۔۔۔۔وقت و حالات سے با خبر رکھنے کیلیئے کوشاں ہیں۔۔۔۔ ان کی زندگیاں بھی خطرے میں ہیں یہ لوگ بھی اپنی قیمتی زندگیوں کا نظرانہ پیش کر چکے ہیں۔۔۔۔یہ اپنا کام بہت احسن طریقے سے جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں ۔۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں جو معاشرے میں پیدا ہونے والی نفسا نفسی کو محسوس کرتے ہیں۔۔۔۔ کسی بڑے سا نحے حادثے سے پہلے خلقِ خدا کہ سامنے نکال کر رکھ دیتے ہیں۔۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں جو عوامی نمائندوں کو انکے علاقوں کہ مسائل سے بھی آگاہ کرتے ہیں تو دوسری طرف قانون نافذ کرنے والے کا بھی دھیان وہاں لے جاتے ہیں جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔یہ بغیر کسی عنوان کہ قلمی فوجدار ہوتے ہیں۔۔۔۔جو آگہی کی مشعل لئے آگے سب سے آگے چلتے نظر آتے ہیں۔۔۔۔کیا ان کی قدر کرنا معاشرے پر ایسے ہی لازم نہیں جیسے ہمارے ملک میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ہے۔۔۔۔ قلم کاروں کی بھی اخلاقی اور معاشرتی ذمہداری ہے کہ وہ فساد سے خود کو اور دوسروں کو محفوظ رکھیں۔۔۔۔بلا تفریق ایسے معاشرتی عوامل منظرِ عام پر لاتے رہنا چاہئں۔۔۔۔آج کہ دور میں قلمکاروں کو کردار بہت ہی اہمیت کا حامل ہوتا جارہا ہے۔۔۔۔کوئی قصیدے لکھنے کا پابند بنا بیٹھا ہے تو کوئی دنیا کی ترقی میں پوشیدہ رازوں پر سے پردے اٹھا رہا ہے ۔۔۔۔سب اپنی اپنی جگہ اپنا کام بہت احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں ۔۔۔۔ایک ضابطہ اخلاق کہ تحت انکے لئے سالانہ ایوارڈ کا انعقاد ہونا چاہئے۔۔۔۔ قلم کاروں کی خدمات کو بھی بھرپور طرح سے قومی سطح پر

سراہا جانا چاہئے۔۔۔۔ خوب سے خوب تر کی تلاش پر اکسانا چاہئے۔۔۔۔
ہم قلم کار معاشرے میں ایکتا اور سدھار کیلیئے اپنے لہو سے تحریریں رقم کر رہے ہیں۔۔۔۔ ہم بھی وہی سب کر رہے ہیں جو مذکورہ بالا ادارے کر رہے ہیں بس انکے کرنے میں اور ہمارے کرنے میں فرق اتنا ہے وہ بہت آسانیوں کہ ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔۔۔۔ جبکہ ہم قلم کار سیاہی کی جگہ اپنا لہو استعمال کر رہے ہیں۔۔۔

عدم توازن کی باتیں

پاکستان کو انگنت مسائل درپیش ہیں اور ہر مسئلہ سنگین نوعیت کا ہے۔۔۔۔اس فہرست کا آغاز دہشت گردی جیسے موذی اور لاعلاج مرض سے ہوتا ہے۔۔۔۔ہمارے ملک کی اعلی قیادت (سیاسی قیادت ہو یا فوجی قیادت) اپنی ساری طاقت اس ناسور نما دہشت گردی سے نمٹنے میں صرف کئے ہوئے ہے۔۔۔۔ہر پاکستانی اس عزم کہ تحت روز و شب گزار رہاہے کہ دہشت گردی کا خاتمہ کر کہ ہی دم لینگے۔۔۔۔اس دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے پاکستان کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کو یقینی بنانا ہوگا۔۔۔۔ہم داخلی مسائل میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ ہم نے اپنی سرحدوں پر خصوصی دھیان نہیں رکھا۔۔۔۔اس سرسری دھیان کا فائدہ ہمارے پڑوسی ممالک (جو ہماری سالمت و استحکام سے خوفزدہ رہتے ہیں) اپنے دہشت گردوں کو تخریب کاری کرنے کیلئے ہمارے ملک میں داخل کرتے رہے۔۔۔۔

بھارتی وزیرِ اعظم ان دنوں امریکہ کی یاترا پر ہیں۔۔۔۔ گزشتہ ایک مہینہ کا جائزہ لیں تو یوں لگ رہاہے کہ مودی سرکار کسی خاص مشن پر بھاگتے دوڑتے نظر آرہے ہیں۔۔۔۔ گو کہ عمر کہ اس حصے میں اتنی بھاگ دوڑ صحت کیلئے اچھی نہیں۔۔۔۔ کبھی عرب امارات میں پائے جاتے ہیں۔۔۔۔ تو کبھی سعودی عرب کہ فرمانروا

کہ سامنے اعزاز سے نوازے جاتے ہیں۔۔۔۔ افغانستان اور ایران ان سے ملاقات کیلیئے خود چل کر آئے یا انہیں بلوایا گیا۔۔۔۔اب جناب خود امریکہ کہ دورے پر امریکہ میں تشریف فرما ہیں۔۔۔۔آپ دورے کیجیۓ مگر پاکستان کہ کاندھے پر رکھ کر اپنی سیاست مت چلایۓ۔۔۔۔دوسری طرف امریکی صدر بارک اوباما مودی کی زبان بولتے سنائی دے رہے ہیں۔۔۔۔

آخر یہ پاکستان کی سالمیت سے اتنے خوفزدہ کیوں ہیں ۔۔۔۔کیوں پاک چین دوستی کو یہ تمام " الف " سے شروع ہونے والے ممالک اپنے لئے خطرہ سمجھ رہے ہیں۔۔۔۔پاکستان کبھی کسی کی سالمیت کیلیئے خطرہ نہیں بنا اور نا بننا چاہتا ہے۔۔۔۔لیکن یہ لوگ کیوں پاکستانیوں سے اتنے خوفزدہ ہیں۔۔۔۔

ساری دنیا ہماری قابلیت سے ڈرتی ہے۔۔۔۔یقیناً دنیا یہ بھی بہت اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہے کہ اس قوم کو پوری طرح کھانے کو نہیں ملتا۔۔۔۔گدھا اور دھوکا اس قوم کو کھانے کہ بعد پتہ چلتا ہے۔۔۔۔سکون کی نیند میسر نہیں ۔۔۔۔بجلی گیس پانی جیسے بنیادی مسائل میں گھری رہنے والی قوم ۔۔۔۔یہ تو قومی غم ہیں یا اجتماعی غم ہے ۔۔۔۔جن پر ہمارے ملک کہ شرفاء سیاست کرتے ہیں۔۔۔۔جس قوم کہ پاس بجلی کا بل دینے کیلیئے پیسے نہیں ہیں اور سیاسی قائدین اربوں روپے ملک سے باہر لے جا کر محفوظ بنا لیتے ہیں۔۔۔۔یعنی ڈر تو

بے ایمانوں کو ہی ہوگا۔۔۔۔ڈرتے ہیں کہیں یہ قوم ان سے اپنے مسائل کے حل کیلئے یہ پیسہ ان سے چھین نا لے۔۔۔۔مگر یہ قوم ان مسائل اور غموں سے باہر نکل نہیں پاتی۔۔۔۔کہ دوسری طرف اس طرح کہ چھوٹے بڑے انگنت گھریلو غم ہیں جو یہ قوم جھیل رہی ہے۔۔۔۔

ایک فرانسیسی فلاسفر والٹائر کا کہنا تھا کہ۔۔۔۔ " ان بے وقوفوں کو آزاد کرانا مشکل ہے جو اپنی زنجیروں کی عزت کرتے ہیں "۔۔۔۔ہمیں بطور پاکستانی اپنا موازنہ کرنا ہوگا کہ کہیں ہم ایسی کسی زنجیر سے محبت یا عشق تو نہیں کر بیٹھے ہیں۔۔۔۔جو ہمیں ہماری گزشتہ اور آنے والی نسلوں کو غلامی میں جکڑی ہوئی ہیں۔۔۔۔

اب خود مختاری اور اپنے فیصلوں میں آزادی حاصل کرنے کا وقت ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔۔۔۔اب امریکہ، ایران، افغانستان اور انڈیا کی سازشیں کھل کر نہ صرف عوام کہ سامنے بلکہ ساری دنیا کہ سامنے خود بہ خود ہی آتی جا رہی ہیں۔۔۔۔ جس طرح پاناما لیکس قدرت کی جانب سے دنیا جہان کہ بے ایمانوں اور کرپشن زدہ لوگوں کہ منہ پر سے نقاب ہٹنے کہ مترادف قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔ بلکل اسی طرح پاکستان کی سرحدوں سے جڑے پڑوسی ممالک اور ایک وہ ملک جس سے قربت بڑھانے میں ہم نے نہ صرف اپنا منہ کالا کروایا (حرفِ عام میں) بلکہ

انگنت جانی و مالی نقصان کہ بھی محتمل ہوئے۔۔۔۔

آج کہ آخبارات میں پاکستان کہ معمر ترین (ستاسی سالہ) مشیرِ خارجہ نے انڈیا اور امریکہ کہ تعلقات پر سوال اٹھادیا۔۔۔۔یہ وہ عمل ہے جو بہت پہلے ہو جانا چاہیئے تھا۔۔۔۔سوال اٹھانے سے کوئی فائدہ نہیں یہ لوگ آپکے دشمن ہیں اور یہ ہر اس عمل میں ایک ہوتے ہیں جس سے آپکو کسی قسم کا فائدہ ہوتا نظر آرہا ہو۔۔۔۔اس وقت دنیا کی نظریں تو شائد پاک چین تعلقات کو اتنی اہمیت نہ دے رہی ہوں مگر انڈیا اور آمریکہ کی توان تعلقات کی وجہ سے لگتا ہے نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔۔۔۔یہ چیز ہم بھارتی وزیرِ اعظم کہ تازہ ترین بیان کو پڑھ کر بھی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ "پاکستان اور چین خطے کہ چوہدری بننا چاہتے ہیں" ۔۔۔۔یعنی کوئی مودی صاحب کی چوہدراہٹ کو ٹھیس پہنچا رہا ہے۔۔۔۔جب سے پاک چائنا کوریڈور پر کام شروع ہوا ہے انڈیا اسی طرح کی بوکھلاہٹ کا شکار نظر آرہا ہے۔۔۔۔وہ ہر ممکن کوشش کہ درپہ ہے کہ کسی بھی طرح پاکستان میں چائنا کی سرمایہ کاری کو روک سکے یا کسی بھی طرح ان تعلقات میں دراڑ ڈال سکے۔۔۔۔

اگر ان کڑیوں کہ تناظر میں آگے بڑھیں تو گزشتہ دنوں ہونے والے دھماکے جس میں ہمارے عزیز دوست ملک چین کہ دو باشندے بھی اپنی قیمتی جانوں سے ہاتھ

دھو بیٹھے۔۔۔۔نوکری آپ کو راسے ملے گی۔۔۔۔کسی کلبھوشن تک ہماری ایجنسیاں ضرور پہنچ جائینگی یا شائد پہنچ بھی چکی ہوں۔۔۔۔

پاکستانی افواج کی قیادت کا کردار اس سارے معاملے میں بہت اہم ہے۔۔۔۔کیونکہ یہی وہ ادارہ ہے جس کی بدولت پاکستان کی سالمیت محفوظ ہاتھوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔۔۔۔ہم سب دعا گو ہیں کہ ہمارے سیاسی قائدین وقت کی نزاکت سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔۔۔۔یہ واضح ہوتا جارہا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی مفاد کی بنیاد پر قائم ہے اب ہمیں اپنی خارجہ پالیسی نئی طرز پر مرتب دینی ہوگی۔۔۔۔کیا ابھی بھی وقت نہیں آیا کہ آپ دشمن کو دشمن کہیں۔۔۔۔چاہے کوئی آپ پر الزامات کی بوچھاڑ کرنے سے نہیں چوکتے۔۔۔۔

میں ذاتی طور پر ان سارے حالات و واقعات کو پاکستان کیلئے بہت سازگار سمجھتا ہوں۔۔۔۔لیکن صرف اس صورت میں جب ہماری سیاسی اور عسکری قیادت ایک پیج پر ہوں۔۔۔اپنے سیاسی معاملات سلجھاتے رہیں مگر دنیا کو بتا ایک زبان میں بتا دیں کہ پاکستان کی بقا ہمارے لئے سب سے مقدم اور اہم ہے۔۔۔۔دنیا کو اپنی داخلی ایکتا سے منہ توڑ جواب دیا جاسکتا ہے۔۔۔

دعائے مغفرت

خلیل جبران لکھتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں نے ایک سمندری جہاز دیکھا، جب وہ ساحل سے دور ہوا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا تو لوگوں نے کہا کہ "چلا گیا"۔ میں نے سوچا دور ایک بندرگاہ ہوگی، وہاں یہی جہاز دیکھ کر لوگ کہہ رہے ہونگے کہ "آگیا" شائد اسی کا نام موت ہے، ایک پرانی زندگی کا خاتمہ اور نئی زندگی کی ابتداء۔۔۔۔!

جون 2016 ،بروز منگل ہمارے والدِ محترم نے بھی ایک پرانی زندگی سے پیچھا21 چھڑوایا اور ایک نا ختم ہونے والی ابدی زندگی کا آغاز کیا اور اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے (اناللیہ وانا علیہ راجعون) ۔۔۔۔۔۔ اللہ کہ حکم سے اسی روز نمازِ ظہر میں نماز جنازہ جامع مسجد اکبری میں ادا کی گئی ۔۔۔۔۔ امامت محترم جناب مفتی نجم الحسن صاحب دیئے۔۔۔۔۔۔ نمازیوں کی ایک کثیر تعداد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔۔۔۔۔ محمد شاہ قبرستان میں اپنے دیگر اہل خانہ ساتھ تدفین کی گئی۔۔۔۔۔

اللہ تعالی نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے" کل من علیہ فان " یعنی " ہر شے فنا ہونے کیلیئے ہے" دوسری جگہ " کل نفس ذائقت الموت " یعنی " ہر نفس نے

موت کا مزا چکھنا ہے "۔۔۔۔۔جو اس دنیا میں آیا ہے اسے دن دارِ فانی سے کوچ کرنا ہی ہے۔۔۔۔۔قدرت نے وقت کا تعین کر رکھا ہے۔۔۔۔اس وقت تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔یہ وقت کب ختم ہو جائے گا کسی کو معلوم نہیں ہے۔۔۔۔۔

اس اطلاع نما مضمون کہ توسط سے میں اپنے تمام قارئین، دوست احباب کہ سامنے ایک درخواست پیش کر رہا ہوں کہ رمضان کے اس بابرکت مہینے میں ہم سب ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کا اہتمام ضرور کرتے ہیں، ان عبادتوں کے بدلے اپنے رب سے کچھ تکازے بھی کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔یہ تکازے دعاؤں کی صورت میں کئے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ان تکازوں میں، ان دعاؤں میں ایک دعا میرے والدِ محترم (جناب شیخ چاند ذاہد) کی مغفرت اور اگلی زندگی میں آسانیوں کے لئے بھی ایک دعا شامل کرلیں۔۔۔۔۔اللہ رب العزت بہت غفور رحیم ہیں اور ہم سب کی دعاؤں کو رمضان میں خود سنتے ہیں۔۔۔۔میرے اختیار میں ہوتا تو میں دنیا کہ تمام مسلمانوں سے اپنے والد کیلئے کم از کم ایک دفع دعا کی درخواست ضرور سامنے رکھتا۔۔۔۔دعا ایک ایسا عمل ہے جس کی ضرورت ہم سب کو ہوتی ہے۔۔۔۔میری دعا کی درخواست پر اگر ممکن ہو سکے تو خصوصی دھیان دیں۔۔۔۔۔۔پورے رمضان کہ اہم دنوں میں آپکی دعائیں ہم سب کی زندگیوں پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔۔۔۔۔

پاکستان کی سالمیت اور بقاء

کیا ہم بطور قوم کسی فیصلے پر آج تک متفق ہوئے ہیں؟ کیا ہم لوگ سیاسی، مذہبی، علاقائی اور لسانی وابستگیوں سے ہٹ کر کوئی قدم اٹھا سکے ہیں۔۔۔۔ ہمارے رہنماؤں نام نہاد سیاستدانوں نے ہمیشہ ان عوامل کی بنیاد پر سیاست کی ہے۔۔۔۔ پاکستان دراصل سیاسی، مذہبی، علاقائی اور لسانی وابستگیوں کا مرکب ہے۔۔۔۔ پاکستان کا مطلب نا معلوم لوگوں نے " لاالہ الااللہ " رکھا۔۔۔۔ وہ لوگ دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔۔۔۔ ان کی نسلیں اپنی بقاء کی جنگ لڑتے لڑتے ہلکان ہوئیں اور شائد سسک سسک کر دم توڑ گئیں۔۔۔۔ اب یہ نعرہ جو کبھی روح کو گرما دیا کرتا تھا ناپید ہو گیا ہے۔۔۔۔ اب یہ نعرہ نصابی کتابوں میں تو ملتا ہے مگر اس نعرے کی روح بھی فنا ہو چکی۔۔۔۔ اگر ناپید نہیں بھی ہوا تو اس نعرے سے پیدا ہونے والی حلاوت اب نہیں رہی۔۔۔۔

ہم اس ملک کہ باسی ہیں جہاں مجرم کا پتہ بھی ہو جرم بھی ثابت ہو چکا ہو۔۔۔۔ لیکن اگر مجرم کہ حوالے بہت سارے ہوں یا چاہنے والے بہت سارے ہوں تو کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔۔۔۔ مجرم جو ملزم بن چکا ہے اس کو جیلوں میں بھی محلوں جیسی آسائشیں مہیہ کر دی جاتی ہیں۔۔۔۔ یہ یقیناً پاکستانی ہونے کا فائدہ ہے۔۔۔۔

ہم دنیا کو کیا کہہ سکتے ہیں جب اپنے ہی لوگوں میں کھوٹ ہو۔۔۔پاکستان ایک ایسی اسلامی ریاست ہے جہاں جج کو لے کر بھی کرپشن ہوتی ہے۔۔۔۔جہاں داڑھی اور امامے والے مالی کرپشن میں ملوث ہوتے ہیں اور انکو ان کی کرپشن سزائیں سنائی جاتی ہیں۔۔۔۔ہم نے یہ بھی سوچنا چھوڑ دیا ہے کہ عزت کس بلا کا نام ہے۔۔۔۔ملک کی سالمیت سے تو ہمارا دور دور تک کا کوئی واسطہ نہیں۔۔۔۔یہاں کسی بھی قسم کا نااہل انسان مخصوص وجوہات کی بنا پر اہم ترین عہدوں پر فائز ہو سکتا ہے۔۔۔۔یہاں مفاد ہی مذہب ہے اور مفاد ہی ملک و قوم ہے۔۔۔۔۔

ہمارے ملک کی عظیم ہستی جو دنیا جہان میں اپنی انسانیت کی بدولت بخوبی جانے اور پہچانے جاتے تھے۔۔۔۔۔جنہوں نے کبھی بھی اپنی محنت سے حاصل کی ہوئی شہرت کو اپنے لئے سیڑھی نہیں بنایا۔۔۔۔دنیا انہیں عبدالستار ایدھی کہ نام سے جانتی ہے۔۔۔۔جو پاکستان کی سب سے بڑی خیراتی فاؤنڈیشن کہ سربراہ تھے۔۔۔۔۔ایک ایسا سربراہ جو اپنے سفر کیلئے بھی اپنی ایک عام سے ایمبیولنس ہی استعمال کرتے تھے۔۔۔۔۔جنہوں نے اپنی تمام زندگی اللہ کی مخلوق کی خدمت کیلئے وقف کی۔۔۔۔۔ایدھی صاحب کی وفات کہ روز بھی ایدھی ایمبیولنس سروس جوں کی توں پاکستان کی سڑکوں پر رواں دواں تھیں۔۔۔۔۔۔ان کا کنٹرول اسی طرح پیغامات موصول کر رہا تھا اور آگے بڑھا رہا تھا۔۔۔۔ایدھی صاحب کو پاکستان آرمی نے پورے سرکاری اعزاز کہ ساتھ سپردِ خاک کیا۔۔۔۔۔جتنا اچھی طرح ہو سکتا

تھا ایدھی صاحب کی آخری رسومات ادا کی گیئں۔۔۔۔
اب ہمارے ملک کہ تمام معززین نے ایدھی صاحب کو لفظوں کی وہ مالائیں پہنائیں جنکی انہیں کبھی بھی ضرورت نہیں تھی۔۔۔۔۔وہ کام سے محبت کرنے والے انسان تھے ۔۔۔۔۔انہیں بہت جلد
دنیامیں اپنے مشن کا علم ہو گیا تھا۔۔۔۔یقیناً وہ اللہ رب العزت کہ مقرب بندوں میں تھے۔۔۔۔۔کیسے بھی حالات رہے انکی خدمات میں کمی نا آئی انکی دیکھا دیکھی اس بہت سارے لوگوں نے بھی انسانیت کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔۔۔۔۔مگر ایدھی صاحب نے کبھی کسی کہ ساتھ کوئی مقابلہ بازی نہیں کی۔۔۔۔۔انسانیت کی خدمت بنا تفریق جاری رکھی۔۔۔۔۔۔
اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو اپنی آنکھیں کھول لینی چاہیئں ۔۔۔۔۔زمین پر بیٹھ کر دلوں میں راج کرنے کی ایدھی صاحب نے جو اعلی ترین مثال قائم کی ہے اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ایدھی صاحب کو واقعی اگر کسی نے خراج عقیدت پیش کرنا ہے تو وہ اپنی زندگی کو ان کی طرز پر گزارنے کا عملی نمونہ پیش کرے ۔۔۔۔۔یوں تو ہم مسلمانوں کیلیئے ہمارے پیارے نبی ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے مگر اس دور میں بھی ایدھی صاحب جیسے دنیا میں جانی پہچانی والی شخصیت ہوتے ہوئے بھی اتنی سادا زندگی گزار کر ہم سب کیلیئے ایک

مشعل جلتی چھوڑ گئے ہیں۔۔۔۔۔۔

آئیں ہم پاکستانی اپنے سیاستدانوں سے ملک کی سالمیت اور ترقی کیلئے ایدھی صاحب جیسی سادا زندگی گزارنے کی اپیل کرتے ہیں درخواست کرتے ہیں کہ پاکستان پر اور پاکستان کی غریب عوام پر خدارا اب تو رحم کھاؤ۔۔۔۔اب فوج کہ شانہ بشانہ کام کرنے والے ایدھی صاحب نہیں رہے۔۔۔۔۔اب ہم زلزلوں، سیلابوں اور دیگر آفات کہ محتمل نہیں ہو سکتے۔۔۔۔۔۔اس وطن عزیز کی خاطر اپنے اندر تبدیلی لاؤ۔۔۔۔۔۔ورنہ کچھ بچنے والا نہیں ہمارا دشمن بہت چاروں طرف سے نگاہیں لگائے طاق میں بیٹھا ہے۔۔۔۔۔۔

پاکستان کی بقاء اور سالمیت کا تکازہ ہے کہ عوامی نمائندے عوام میں اجائیں۔۔۔۔۔ ورنہ جمہوریت کہ نام پر مفادات کا دفاع کرنے والے کسی کو منہ دکھانے کہ قابل نہیں رہینگے۔۔۔۔۔۔

ایدھی صاحب کا آخری جملہ جو ہم سب کیلئے ایک لائحے عمل ہونا چاہئے "میرے ملک کہ غریبوں کا خیال رکھنا"۔۔۔۔۔ ایسا ہی ایک جملہ قائدِ ملت خان لیاقت علی خان شہید کی خاموش ہوتی زبان پر بھی تھا "خدا پاکستان کی حفاظت کرے"۔۔۔۔۔کیا لوگ تھے مرتے دم تک اپنے مشن پر کابند رہے۔۔۔۔۔۔

داخلی بامقابلہ خارجی مسائل

ناجانے کیوں دل اہم ترین معاملات پر بہت بے رحمی سے اپنی رائے دینے کیلئے مچلنا شروع کر دیتا ہے۔۔۔۔۔۔ جیسے کوئی بچہ اپنے والدین کہ ساتھ بازار میں اپنی پسند کی کوئی بھی دیکھ کر مچلنا شروع کر دیتا ہے۔۔۔۔۔اب دل کے اس بے رحمی سے مچلنے کی وجہ وہ معاملات ہیں جو تقریباً عرش پاک پر قدم رکھنے والے، چلنے والے ہر دیہاتی و شہری کو درپیش ہیں (غور کرنے سے پتہ چلے گا کہ اب دیہات اور شہر کا فرق تقریباً ختم ہی ہوچکا ہے بجلی گاؤں میں بھی نہیں ہے ادھر شہر والے بھی اس نعمتِ سرکار سے محروم ہیں۔۔۔۔۔۔ نکاسی آب کا مسلہ گاؤں میں بھی ہے اور شہر کی سڑکیں سڑ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔شاہد کوڑا کرکٹ کہ معاملے میں گاؤں ہم سے اچھے ہوں کیونکہ ہماری تو ہر گلی سڑک میدان کچرا کنڈی کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔۔۔۔۔اسی طرح پینے صاف پانی کہیں بھی دستیاب نہیں۔۔۔۔۔۔اس کہ برعکس بیشتر امور گاؤں دیہاتوں میں شہروں سے اچھے ہونگے۔۔۔۔۔اب پاکستان کہ شہر تو نام کہ شہر رہ گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ نہ کوئی پوچھنے والا ہے اور نہ ہی کوئی سننے والا ہے۔۔۔۔۔۔۔پاکستان وہ ملک ہے کہ جس کا وزیرِاعظم ملک میں ہوں یا نہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔۔۔ جس کا جو دل چاہ رہا ہے (کئے جا رہا ہے۔۔۔۔۔ کم از کم کراچی کی صورتحال تو ایسی ہی ہے۔۔۔۔۔

مذکورہ بالا باتیں دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔ہم نے دل کہ مچلنے کا تذکرہ کیا تھا۔۔۔۔حکومتِ وقت اور اپوزیشن کتنی خوبصورتی سے وقت کو برباد کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ محترم وزیرِ اعظم صاحب کی ملک میں داخلہ کیسا شایانِ شان ہوا یہ دیکھنے والوں نے دیکھا اور پڑھنے والے پڑھ کر بیٹھ گئے۔۔۔۔۔اب اسے وزیرِ اعظم صاحب کی خوش نصیبی جانئے کہ جس دن انہوں نے پاک سرزمین پر قدم رکھنے تھے قوم کو ایک ایسا صدمہ برداشت کرناپڑا (ایدھی صاحب کی وفات) جسے قومی سانحہ قراد دیا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔۔۔۔۔وزیرِ اعظم صاحب بہت خاموشی سے آئے اور اپنے محل میں روپوش ہوگئے۔۔۔۔۔

حکومتی لوگوں کو جو کہ ان کہ خاندان کے افراد بھی ہیں اپوزیشن کہ ساتھ مل کر وقت کو گزارنے کا مشن سونپا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔دوسری طرف کشمیر جنت نظیر کہ حالات کا ایک دم سے خراب ہونا۔۔۔۔۔داخلی مسائل سے عوام کا دھیان ہٹانا ہے۔۔۔۔۔۔۔ بھارتی دراندازی کا نیا دور چل رہا ہے۔۔۔۔۔دنیا کو آج تک بھارتی افواج کی دہشت گردی نظر نہیں آئی اور نہیں آرہی۔۔۔۔۔ دوسری طرف دنیا کہ ی بھی کونے میں کچھ ہو جائے تو اس کچھ کرنے والے کا تعلق پاکستان سے بنا ہی دیتے ہیں

۔۔۔۔۔۔ یہ چیز تو دنیا کو بند آنکھوں سے بھی نظر آ جاتی ہے اور پاکستان مخالف میڈیا پاکستان کی تحضیک کرنا اپنا اولین فرض سمجھتے ہوئے دنیا جہان کی دہشت گردی پاکستان سے وابستہ کر دیتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ پاکستان اگر کشمیر کا حامی نہ ہوتا تو کوئی شک نہیں کہ دنیا بھارتی فوج کی وردیوں میں ملبوس بھارتی فوجیوں کو پاکستانی دہشت گرد کہنا شروع کر دیتی اور ساری اندھی بہری دنیا بھی اس بات پر یقین کر لیتی۔۔۔۔۔۔ بھارتی حکومت مزید فوج کشمیر بھیج رہی ہے ۔۔۔۔۔ آج اخبارات میں ہمارے قومی رہنماؤں نے جو بیان سب سے زیادہ دیا ہے "دنیا بھارتی جارحیت کا نوٹس لے" ۔۔۔۔۔ بھارتی جارحیت کی کوئی حد نہیں ہے کشمیری بوڑھوں، نوجوانوں اور بچوں پر بے میانہ تشدد کی کئی اعلی مثالیں قائم کر رکھی ہیں۔۔۔۔۔ تو دوسری طرف دنیا کہ انصاف کہ ٹھیکے داروں کیلیے آج کہ اخبارات میں شایع ہونے والی چودہ سالہ انشال ملک نامی بچی کو ظلم اور بربریت کی منہ بولتی تصویر بنا دیا ہے۔۔۔۔۔۔ کہیں کوئی آہ کی آواز تک نہیں آئے گی۔۔۔۔۔۔۔ خون ہمارا بہہ رہا ہے ہم دوسروں سے مدد کی اپیل کئے جا رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔ آخر ہم پاکستانی کب تک اپنے فیصلوں کیلیے دنیا کی طرف دیکھتے رہنگے۔۔۔۔۔۔ بھارتی مظالم کا سلسلہ بہت دیرینہ ہے ۔۔۔۔۔ معلوم نہیں ایسی کونسی معاملہ فہمی ہمارے حکمران کے ذہنوں میں پوشیدہ ہے جسکو لے کر ایسی چپ سادھے بیٹھے

رہتے ہیں جیسے کچھ ہو ہی نہیں رہا۔۔۔۔۔دوسری طرف الٹا چور کوطوال کو ڈانٹے کی مثال پر کاربند بھارتی بیان کہ "پاکستان دہشت گردوں کا حامی ہے" ۔۔۔۔۔یہ خبر خصوصی طور پر ہمارے ان تمام سیاست دانوں کیلیئے تحفہ ہے جو بھارت سے تعلقات بڑھانے کہ حق میں رہتے ہیں۔۔۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں جو دہشت گرد (بھارت) کہ حامی ہیں۔۔۔۔۔بھارت اپنی دہشت گردی صرف کشمیریوں کی جانیں اور عزتیں پامال کرنے تک ہی محدود نہیں رکھے ہوئے ہے۔۔۔۔۔بلکہ سماجی میڈیا پر بھی اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے ایسے لوگوں کہ فیس بک اکاؤنٹ بلاک کروا رہا ہے جو اس کا بھیانک اصلی) روپ دنیا کہ سامنے پیش کر رہے ہیں۔۔۔۔۔لیکن یہ تو روزِ ازل سے طے ہے) کہ "حق رہنے کیلیئے ہے اور باطل مٹنے کیلیئے" ۔۔۔۔۔۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ جنگ شروع کر دیں۔۔۔۔۔مگر دنیا کہ جتنے فورم ہیں بلخصوص اقوامِ متحدہ کہ انسانی حقوق کہ مندوبین کو مدوع کریں ۔۔۔۔۔سلامتی کونسل کا اجلاس بلائیں ۔۔۔۔۔۔اسلامی کانفرنس کا اجلاس ہنگامی بنیادوں پر بلائیں۔۔۔۔۔دولت مشترکہ کا اجلاس بلائیں۔۔۔۔۔غرض یہ کہ ہر سطح پر بھرپور طرح سے کشمیریوں پر ہونے والے مظالم بند کروانے کیلیئے کوشیشیں کریں۔۔۔۔۔

ابھی پانامہ لیکس کا معاملہ ختم نہیں ہوا۔۔۔۔۔بھارت کی جارحیت کہیں اس اہم ترین معاملے پر سے ہمارا دھیان ہٹانے کیلیئے تو نہیں۔۔۔۔۔یقیناً ایسا نہیں

ہو سکتا۔۔۔۔۔۔ کشمیر میں جہاں انگنت قیمیتی جانوں کا نظرانہ پیش کیا جا رہا ہے وہیں ہندو درندے وحشیانہ کاروایوں سے بھی باز نہیں آ رہے۔۔۔۔۔۔ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر کب سر جوڑ کر بیٹھے گی۔۔۔۔۔ یا دنیا سر جوڑ کر بیٹھی ہوئی ہے صرف اسی کام کیلئے کہ مسلمانوں کا استحصال کیا جائے۔۔۔۔۔۔ کیوں کہ ہم تو اپنی حالت پر خود ہی رحم نہیں کھا رہے تو کسی اور سے کیا توقع رکھیں کہ وہ ہمارے لئے کوئی پر امن حل نکالینگے۔۔۔۔۔۔۔ جی نہیں بلکل نہیں۔۔۔۔۔۔۔ ہم مسلمانوں کیلئے اور خصوصی طور پر پاکستانیوں کیلئے کوئی پر امن ڈھونڈنے کیلئے تیار نہیں۔۔۔۔۔

یہ تمام وہ حقیقتیں ہیں جن سے ہم انفرادی طور پر نمٹنا چاہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ یعنی پاکستان کا ہر شہری یہ سوچ رہا کہ یہ میرا مسلئہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ یہ میرا مسلئہ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ پاکستان کمزور سے کمزور ہوا جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔ ہم بٹے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ سیاسی و مذہبی جماعتیں روزانہ کی بنیاد پر پاکستان میں پیدا ہو رہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی لاسانیت کو فروغ دے رہا ہے تو کوئی فرقہ واریت پر کمر کسے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ مذے کرنے والے مذے کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ دشمن اپنی چالیں بہت احسن طریقے سے چل رہا ہے۔۔۔۔۔۔

ہم یہاں سرکاری خزانے سے ایک آدمی پر اتنا خرچ کر رہے ہیں کہ اگر کراچی

جیسے شہر کو یہ پیسہ مل جاتا تو کم از کم کراچی سے کچرا اور نکاسی کا پانی تو صاف کروادیا جاتا۔۔۔۔۔۔ لیکن اس ملک کہ وہ تمام ذمہ داران صاحب اختیار نہ جانے کب خوابِ غفلت سے جاگینگے۔۔۔۔۔۔

پانامہ لیکس اور دیگر اہم داخلی مسائل حل کرنے کیلیئے جن میں بلدیاتی اختیارات کی منتقلی کا معاملہ بھی بہت اہمیت حاصل کرتا جا رہا ہے اسے جلد سے جلد حل کیا جائے۔۔۔۔۔۔اس کیلیئے کوئی خصوصی کمیٹی تشکیل دی جائے اور خارجی مسائل پر تمام حکومتی اور اپوزیشن کہ اہم اراکین ایک میز پر بیٹھ جائیں اور دنیا کو پیغام دیں کہ ہم داخلی مسائل کو اپنے وطن عزیز کی بقاء کی خاطر نظرانداز کردیتے ہیں۔۔۔۔۔۔ہمیں ہمارے ملک کی کشمیر اور کشمیریوں کی فکر ہے۔۔۔۔۔ عوام ان مسائل میں بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔دشمن ان الجھے ہوئے لوگوں کو اپنے کسی ناجائز اور ملک دشمن عمل میں ملوث نہ کردے۔۔۔۔۔خداکیلیئے پاکستانی ہو کر سوچیئے۔۔۔۔۔۔ان چھوٹے چھوٹے مسائل سے خود ہی نمٹنا سیکھیں۔۔۔۔۔۔

ہم سب کو اپنی اپنی ذمہ داریاں خود اٹھانی ہونگی ورنہ ایک دن اس دارِفانی سے چلے تو جانا ہی ہے۔۔۔۔۔۔

فوزیہ عظیم اور پاکستانی بصیرت

ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رہتے ہیں جہاں ہمارے لیئے کم و بیش ہر دن یومِ سیاہ کہ طور پر نمودار ہوتا ہے یا کبھی کبھار دن کہ بیچ سے شروع ہوجاتا ہے۔۔۔۔۔۔ ہم اسی دن کی تیاری میں اپنے دن گزارے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جن کیلیئے یومِ سوگ منا رہے ہوتے ہیں انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ پاکستان بھی کوئی ملک ہے۔۔۔۔۔ ہمارے معمولاتِ زندگی میں اہم ترین معاملات جنازے اٹھانا، سوگ منانا، شمعیں جلانا، سیلفیاں بنانا اور آنسو بہانا رہ گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی حادثہ یا سانحہ رونما ہوتا ہے تو ہم پاکستانی اس حادثے، اس سانحے کہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ متاثرین شمار کرتے ہیں اور خوفزدہ ہوجاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ آج دنیا میں پاکستانی بطور دہشت گرد، اشتعال انگیز، غیرت مند اور اس طرح کہ دیگر کئی القابات سے یاد کئے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ دنیا ہمیں پاکستانی مسلمان سمجھی ہے اور ہم ایک دوسرے کو پنجابی، مہاجر، پٹھان، بلوچ اور سندھی سے پہچانتے ہیں یا پھر دیوبندی، بریلوی، شیعہ، شافعی نا معلوم کن کن حوالوں سے تفریق کر کہ جانتے ہیں۔۔۔۔۔ کسی پر انگلی اٹھانا ہمارے معاشرے کا سب سے محبوب مشغلہ ہے اور جو کہ بہت ہی آسان ہے۔۔۔۔۔ اصلاح کرنا یا اصلاح کی بات کرنا، کوتاہیوں کا ازالہ کرنا نہایت ہی مشکل بلکہ ناممکن کام

دیکھائی دیتا ہے۔۔۔۔۔۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اس رنگ و روشنی کی دنیا میں اس کا حصہ بننا یا مشہور ہونے کا شوق کسی بھی انسان کہ دل میں کبھی بھی پیدا ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ شوق بھی عقل سے ماوراء اور جذبات سے بھرپور ہوتا ہے بلکل محبت کی طرح۔۔۔۔۔ کبھی تو انسان دل میں انگڑائیاں لیتے شوق کو وقت کی بے رحمی کی نظر کر دیتا ہے اور دو وقت کی روٹی کمانے کی تگ و دو میں مگن ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ کچھ لوگ اپنے شوق کی تکمیل کر پاتے ہیں اور بہت کم لوگ اس بات خاطر میں رکھتے ہیں کہ وہ بلندی کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے صحیح یا غلط راستے سے گزر رہے ہیں یا نہیں۔۔۔۔۔۔ وہ اپنے مقصد کے حصول کیلیئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ وہ استعمال بھی ہو جاتے ہیں کبھی صحیح لوگوں کہ ہاتھ تو اکثر معاشرے کہ برے لوگوں کہ ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ شہرت کا بھوکا شخص بھول جاتا ہے کہ اسے کبھی مشہور ہونے کا شوق تھا۔۔۔۔۔

بیسویں صدی کی آمد سے معاشروں میں بہت تیزی سے تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوئیں۔۔۔۔۔۔۔ یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ ہم ٹوٹے پھوٹے اسلامی معاشرتی نظام کا حصہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ معاشرتی ترجیحات بہت تیزی سے تبدیل ہونا شروع ہوئیں۔۔۔۔۔ معاشرے میں وقت کی بڑی اہمیت ہوا کرتی تھی اس وقت کہ طفیل گھر

کہ امور و معاملات میں بھرپور شرکت کی جاتی تھی رشتہ داروں اور محلہ والوں کی خبر گیری کی جاتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ مسلئے مسائل بیٹھ کر حل کیئے جاتے تھے۔۔۔۔۔۔ غرض یہ کہ ایک دوسرے کا ہر طرح سے خیال رکھنے کی روایات تھیں ۔۔۔۔۔۔ پھر وقت قلیل ہونا شروع ہوا۔۔۔۔۔۔وقت کی قلت کہ سبب نئی نسل کی تربیت میڈیا نے لے لی۔۔۔۔۔میڈیا پر کسی کی حکمرانی ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔۔۔۔۔ اسلامی اقدار معدوم ہونا شروع ہوئیں۔۔۔۔۔۔ میڈیا سے متعلق سارے وسائل ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی نئی نسل کہ حوالے کر دیئے۔۔۔۔۔جن میں کمپیوٹر سے شروع کرتے ہوئے بات موبائل ٹیبلیٹ اور دیگر پر پہنچ گئی۔۔۔۔۔اس طرح کی چیزوں نے انسانوں میں طبعی دوریاں پیدا کردیں۔۔۔۔۔۔۔ اب طبعی ملاقاتوں کا سلسلہ بہت قلیل ہوچکا تو سماجی اقدار کی منتقلی کا کام بھی کم و بیش متروک ہوتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ بچے بہت جلدی بڑے ہونے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔۔۔۔۔۔ ہماری مصروفیتوں کہ باعث احساس سے عاری پرورش ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ ان تمام تر خرابیوں کا الزام کسی ایک رشتے پر نہیں ڈالا جاسکتا۔۔۔۔۔۔ پورے کا پورا معاشرہ اور معاشرے کی ہر اکائی اس سارے بیگاڑ میں برابر کی شراکت دار ہے۔۔۔۔۔

فوزیہ عظیم المعروف قندیل بلوچ بھی پاکستان کہ ایک ایسے معاشرے سے تعلق رکھتی تھی جہاں رات تاریکی سے پہلے ہی ہوجاتی ہے۔۔۔۔۔ گھریلو کام کاج بھی

جلدی سمٹ جاتے ہیں اور بظاہر کرنے کیلئے کچھ نہیں بچتا۔۔۔۔۔۔۔ پرانے وقتوں میں یہ لوگ سرشام ہی بستروں میں چلے جاتے تھے اور منہ اندھیرے اپنے کاموں میں مشغول ہوجاتے تھے۔۔۔۔۔۔ لیکن جب سے کیبل (ہم سب اس سے واقف ہیں) کی نشریات عام ہوئی ہے اور اس کا ایک نا ٹوٹنے والا تسلسل جاری و ساری ہے تو یہ سادہ لوح لوگ بھی اس کہ چنگل میں پھنستے چلے گئے۔۔۔۔۔۔دوسری طرف انٹرنیٹ کی سہولت بھی ان لوگوں تک پہنچ گئی ہے وہ بھی کبھی معطل نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔۔ اب نئی نسل کیلئے باقی سارا وقت ان چیزوں کیلئے بچتا ہے۔۔۔۔۔ ہمارے معاشرے نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ تعلیم ہو نہ ہو مگر انٹرنیٹ کیلئے استعمال ہونے والی تمام مصنوعات کا بہت احسن طریقے سے چلائی جا سکتی ہیں۔۔۔۔۔

مذکورہ بالا سطور کو ذہن میں رکھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا صرف قندیل بلوچ کا بھائی مجرم قرار دے سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔ معلوم نہیں کتنی فوزیہ اب تک غیرت کہ نام پر اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو چکی ہیں اور انکو خاموشی سے انکے مدفن میں دفن کردیا گیا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔پورا معاشرہ، پورا پاکستانی معاشرہ اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔۔۔۔۔

ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم مسلمان ہیں یا نہیں۔۔۔۔۔ بچوں کہ ساتھ

زیادتی کہ کتنے ہی کیسس میڈیا کی زینت بن چکے ہیں۔۔۔۔۔ کیا ہم اسلام سے پہلے والے دور میں واپس جارہے ہیں۔۔۔۔۔ دنیا نے ہمیں پیچھے دھکیلنے کیلئے ہمارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ دی ہیں کہ ہم خود بخود اندھی گہرائی میں گرتے چلے جائیں۔۔۔۔۔ دنیا کی چکا چوند کسی کی بھی آنکھیں خیرہ کر سکتی ہے۔۔۔۔۔ جہالت کا دور دورہ ہے۔۔۔۔۔ جنسی بے راہ روی اپنے عروج پر ہے۔۔۔۔۔۔ کیا ہم لوگ جانتے بوجھتے اپنی بڑھتی ہوئی آنے والی نسلوں کو اپنی آنکھوں کہ سامنے تباہ و برباد ہوتے ہوئے دیکھتے رہیں گے؟؟؟۔۔۔ فراز نے کہا تھا " قصہ ظلمتِ شب سے کہیں بہتر ہے۔۔۔۔ اپنے حصے کا چراغ جلاتے جائیں "۔۔۔۔۔۔ سینہ کوبی، نوحہ خوانی اور آہ و فغاں سے کچھ نہیں ہونے والا۔۔۔۔۔ عملی اقدامات کرنے ہونگے۔۔۔۔۔ اپنی نسلوں کو معاشرتی ضابطہ اخلاق مرتب کر کہ دینے ہونگے انہیں اقدار منتقل کرنے ہونگے۔۔۔۔۔ان میں رشتوں کی پاسداری کا فن پیدا کرنا ہوگا۔۔۔۔۔وہ نہ بھی چاہیں تو ان سے وقت مانگنا پڑیگا۔۔۔۔۔ ابھی عشق کہ امتحاں اور بھی ہیں "۔۔۔۔۔۔۔ پھر کسی قندیل بلوچ کے موت کا ذمہ " اٹھانے کیلئے تیار ہوجائیں۔۔۔۔۔ ہمیں اپنی بصیرت کی روشنی تیز کرنی ہوگی۔۔۔۔۔ ہمیں 1400 سال پہلے فراہم کیا گیا ضابطہ حیات و ضابطہ اخلاق دوہرانا ہوگا۔۔۔۔۔ ہمارے لئے حدیں مقرر ہیں۔۔۔۔۔۔ کیا ہم ان حدوں کے تعین کرنے میں کوئی غفلت تو نہیں برت رہے۔۔۔۔۔ لاتعداد سوالات ہیں اور ان

لاتعداد سوالات کہ انگنت جوابات ہیں۔۔۔۔۔ الجھنا چاہتے ہو تو الجھتے چلے جاؤ گے۔۔۔۔۔۔ ورنہ " سیدھا راستہ تو بتا دیا گیا ہے " فیصلہ کرنا ہے سمت کا تعین کرنا ہے ۔۔۔۔۔ معلوم نہیں کتنا کچھ لکھا جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔ کتنا کچھ بولا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ سب لکھنے والے سب بولنے والے ہمارے لئے قابلِ احترام ہیں۔۔۔۔۔ قابلِ تقلید نہیں۔۔۔۔۔ مکھی پر مکھی بیٹھانے والے کی طرح یا لکیر کہ فقیر کی طرح زندگی تو گزر جاتی ہے لیکن آخیر (مرتے وقت) میں ایک سوال پیدا کر دیتی ہے کہ " کیا یہاں تک کا سفر اسی راستے پر چلا جس پر چلنا تھا " اس وقت بہت سارے ابھام ہوتے ہیں بہت سارے " اگر اور لیکن " ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔

معاشرے میں تبدیلی لانے کیلیۓ ہماری باعزت اور قابلِ احترام خواتین کو اپنا کردار ادا کرنا ہے۔۔۔۔۔ اسکا مطلب قطعی یہ نہیں کہ مرد اپنی ذمہ داری سے بری الذمہ ہیں، مردوں کی ذمہ داری دہری ہے ایک گھر کہ اندر اور دوسری گھر سے باہر۔۔۔۔۔۔ دشمن اپنی بھرپور تیاریوں سے ہمیں ہر طرح سے نقصان پہنچانے پر کمربستہ ہے۔۔۔۔۔ جس کا اندازہ گزشتہ کچھ ماہ میں بہت واضح ہو چکا ہے۔۔۔۔۔۔۔ وہ ہمارے لئے ہر طرح کی چالیں چل رہا ہے۔۔۔۔۔۔ قندیل بلوچ بھی انہی چالوں کا حصہ

تھی۔۔۔۔۔۔اسکا قتل بھی انہی چالوں میں سے ایک ہے۔۔۔۔۔۔ہمیں اپنی من کی آنکھیں کھولنی ہونگی اپنی بصیرت سے کام لینا ہوگا اور بہت حقیقت پسندی سے، بہت بردباری سے بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے آگے کا لائحہ عمل اپنی نئی نسل کو ساتھ بٹھا کر طے کرنا ہوگا۔۔۔۔۔۔انشاءاللہ قدرت ہماری مدد ضرور کرے گی۔۔۔۔

سائبر دہشت گردی یا حکومتی دفاعی ہتھیار

جہاں دنیا بہت تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے وہیں تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے ممالک اس ششوپنج میں بتلا ہیں کہ اس ترقی کو کیسے روکا جائے یا اسے ہضم کیا جائے۔۔۔۔۔ترقی کہ اثرات کسی نہ کسی طرح دنیا میں نافذ ہر معاشرتی عمل پر پڑھ رہے ہیں۔۔۔۔۔ کسی نا کسی شکل میں یہ ترقی تیسری دنیا کہ ممالک میں داخل ہو رہی ہے۔۔۔۔۔دہشت گردی آج پوری دنیا میں ہو رہی ہے یہ بھی ترقی کا ایک بیج تھا اور اب نشونما پا کر ایک تناور درخت بن چکا ہے۔۔۔۔۔دہشت گردی بہت واضح شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جس کا مقصد لوگوں کو قتل کرنا، دھماکے کرنا اور معاشرے میں خوف و ہراس پھیلانا۔۔۔۔۔دہشت گردی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔۔۔۔۔پہلے پہل یہ صرف مسلم ممالک تک محدود تھی یا دہشت گردوں کہ ٹھیکانے مسلم ممالک تک محدود تھے۔۔۔۔۔اب دہشت گرد، دہشت گردی لے کر آمریکہ اور یورپ میں اپنے جلوے دکھلا رہے ہیں۔۔۔۔۔دہشت گردی ایک ایسا جن" بن چکا ہے جسکو قابو میں کرنے کیلیئے ساری دنیا سر جوڑ کر بیٹھ گئی، عملی" اقدامات کئے جو چاہ جیسا چاہ ویسا کیا مگر یہ جن ابھی تک بے قابو ہی ہے بلکہ اس کو قابو مین کرنے کی کوششوں میں معلوم نہیں کیا کچھ اور تباہ و برباد ہوگیا۔۔۔۔۔

دنیا، جہاں اس عملی دہشت گردی سے تاحال پریشان ہے وہیں دوسری طرف سماجی میڈیا نے اس دہشت گردی کے خلاف اپنا کردار ادا کرنا شروع کیا اور دنیا میں رونما ہونے والے ناانصافیوں کو منظرِ عام پر لانا شروع کیا۔۔۔۔آج دنیا کہ کسی کونے میں ہونے والی کسی بھی قسم کی کوئی کاروائی خبروں کہ ذریعہ تو اتنی جلدی پتہ نہیں چل پاتی کیونکہ وہ اپنے ضابطہ اخلاق کہ پابند ہوتے ہیں اور اس کاروائی کہ بعد ہی کسی بھی خبر کو عوام الناس کیلیئے شائع کرتے ہیں۔۔۔۔۔مگر سماجی میڈیا سے متعلق ویب سائٹس اگلے ہی لمحے میں اس واقعے کا ایسا چرچا کرتی ہیں کہ خبر پھر خبر نہیں رہتی۔۔۔۔۔اور سماجی میڈیا پر کوئی بھی خبر بھرپور حقیقت پر مبنی اور بلکل عینی شاہدین کی شائع کردہ ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ابتداء میں تو اس طرح کی باتوں کو خبروں کو سماجی میڈیا پر شائع ہونے پر کسی قسم کی تنقید کا سامنا نہیں تھا۔۔۔۔۔مگر وقت کہ ساتھ ساتھ انسان کہ ذہن کو وسعت ملتی گئی۔۔۔۔۔ وہ گھر بیٹھے یا چلتے الغرض کہیں بھی اسے وقت سے پیشتر ہی خبر میسر آنا شروع ہو گئی۔۔۔۔۔۔پھر بات اس سے اور آگے بڑھی اور ان سماجی ویب سائٹس کو سیاسی پارٹیوں نے استعمال کرنا شروع کیا اور اپنا منشور اپنی روزانہ کہ معاملات ان ویب سائٹس کہ ذریعہ سے عوام تک پہنچانے۔۔۔۔۔اور بین الاقوامی سیاسی سرگرمیوں سے بھی عام آدمی کو آگاہی ملنا شروع ہو گئی۔۔۔۔۔یعنی دنیا کی سیاسی بالیدگی میں خاطر خواہ اضافہ ہونا شروع ہوگیا۔۔۔۔

دہشت گردی سے سیاسی اور مذہبی ہم آہنگی کو ٹھیس پہنچی۔۔۔۔۔۔بہت ساری ایسے معاملات ہوتے تھے جو راز بن رہتے ہے۔۔۔اب کوئی راز راز نہیں کہ۔۔۔۔دیگر ممالک کی عوام سماجی ویب سائٹس پر آمنے سامنے آگئے اور ایک دوسرے کو اچھا یا برا کہنا شروع کردیا۔۔۔۔۔ کہیں معاملات سدھر گئے کہیں بگڑ گئے۔۔۔۔۔ دنیا نے مختلف حصوں میں بٹنا شروع کردیا۔۔۔۔۔

آج مشرق اور مغرب کہ سیاستدان یا حکمران سماجی ویب سائٹس کہ ذریعے سیاسی سمتوں کا تعین کرلیتے ہیں۔۔۔۔ کافی حدتک عوامی ردِعمل سے شناسائی ہوجاتی ہے۔۔۔۔۔ یہ ساری باتیں ایک تعلیم یافتہ اور باشعور معاشرے کی عکاسی کرتی ہیں۔۔۔۔۔

پاکستان اور پاکستانی مزاج دنیا سے بہت ہٹ کر ہے۔۔۔۔۔ یہاں چور کو چور کہنے والے کو سزا دے دی جاتی ہے۔۔۔۔۔ یہاں انصاف کرنے والے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ پاکستان ہی ہے جہاں سیاست کرپٹ ترین لوگوں کا وطیرہ ہے۔۔۔۔۔۔ ایک پڑھا لکھا باشعور آدمی سیاست تو کیا سیاست کہ نام سے بھی دور بھاگتا ہے ۔۔۔۔۔ اسے اپنے ذمے کفالت کرنے والوں کا بہت خیال ہوتا ہے اور یہ انہیں حلال رزق کھلانا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ یہ وہ حقائق ہیں جو پاکستان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔۔۔۔ چور کو کوئی چور بولنے کیلئے تیار نہیں

ہے۔۔۔۔۔ جبھی تو ہمارے ملک میں گھوم پھر کر کچھ مخصوص چہرے اقتدار پر ہنسی خوشی براجمان رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اب تو لگتا ہے کہ پاکستان کی عوام سے ہر طرح کہ ٹیکس کی مد میں وصول کیا گیا روپیہ پیسہ ان لوگوں کی ذاتی ملکیت ہے۔۔۔۔۔۔ انہیں پاکستان اور پاکستانی سے کچھ نہیں لینا دینا نہیں کیوں کہ ان کا تعلق پاکستان کہ بیت المال سے ہے۔۔۔۔۔۔ہم پاکستانی بھی انتہائی درجے کہ بے حس لوگ ہیں۔۔۔۔ چلتی پھرتی لاشیں ہیں جو ہر دفعہ وہیں سے ڈسے جاتے ہیں جہاں سے گزشتہ دہائیوں سے ڈسے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔

حکومت نے سائبر کرائم کا قانون بنا لیا ہے اور بہت سخت سزائیں بھی متعین کی ہیں۔۔۔۔۔۔ اب نشاندہی کرنے والے، بولنے والے، لکھنے والے سب کہ سب مجرم نا ٹھہر جائیں۔۔۔۔۔ جرم سے لتھڑے ہوئے اس معاشرے میں اب ان لوگوں کو بھی ملوث نا کر لیا جائے جو ظلم کو ظلم کہنے کی جرات کرتے ہیں۔۔۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مفاد پرستوں نے اپنے کارناموں پر اپنے مفادات پر انگلی اٹھانے والوں ڈرانے کیلئے یا انہیں حق گوئی سے روکنے کیلئے یہ قانون مرتب دیا ہے۔۔۔۔ تاکہ ان کہ کالے کارنامے عوام تک نہ پہنچ سکیں۔۔۔۔ ہم "سول ڈکٹیٹرشپ" میں زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ یہاں جمھوریت مفادپرستی کہ نام پر قائم ہے۔۔۔۔۔ سائبر کرائم کا قانون بنا کر شائد یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہم واقعی "تیسری دنیا" کی ریاست ہیں۔۔۔۔۔۔ اگر یہ سب باتیں اس قانون سے آزاد

ہیں یا بچ اس قانون سے آزاد ہے تو پھر کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔۔ اس کہ اطلاق سے قبل اس قانون کو منظرِ عام پر لانا چاہیئے تھا اس پر عوامی ردِ عمل دیکھنا تھا۔۔۔۔ سماجی ویب سائٹس سے اس پر تبصرہ کروانا تھا۔۔۔۔۔ ٹیلی میڈیا اور پرنٹ پیڈیا والوں سے آراء لینی تھی۔۔۔۔۔ پھر ان کی روشنی میں کوئی فیصلہ ہوتا۔۔۔۔۔

تعلیم کا یہاں برا حال ہے، صحت کا شعبہ زبوں حالی کا شکار ہے، ذرائع آمدورفت کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔۔۔۔۔ کراچی جیسا بین الاقوامی شہر کچرے کا ڈھیر بنا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔ گٹر ابل رہے ہیں گندا پانی جگہ جگہ کھڑا ہے۔۔۔۔۔ غور تو کیجئے ہمارے ملک کہ معزز سیاستدان پاکستان میں علاج کروانا تو درکنار ملکی امور کی مشاورت کیلئے بھی کبھی دبئ تو کبھی لندن کا رخ کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ان ساری چیزوں پر زباں بندی کیلئے حکومتِ وقت نے یہ کارنامہ سرانجام دینے کی کوشش کی ہے۔۔۔۔۔ قوانین تو ہمارے ملک میں سارے ہی ہیں۔۔۔۔۔ مگر پھر بھی قتل کرنے والا غیرت کا نام لے کر اپنی بہن، بیٹی اور بیوی کو قتل کردیتا ہے۔۔۔۔۔ مگر پھر بھی اربوں روپے کرپشن کر کہ لوگ معززین بنے پھرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ مگر پھر بھی معصوم بچوں کو اغواء وزیادتی کرنے والے سرِعام ہنستے مسکراتے گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔۔ مگر پھر بھی قانون کہ رکھوالے اپنی قیمتی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور ان کہ اہلِ خانہ

سڑکوں پر اپنے حقوق کی بھیک مانگتے ہیں۔۔۔۔۔۔ مگر پھر بھی جعلی ڈگریاں فروخت ہو رہی ہیں۔۔۔۔ مگر پھر بھی کوئی بڑی گاڑی والا کسی پیدل چلنے والے کو کچل رہا ہے ۔۔۔۔۔ قانون تو سارے ہیں مگر بالا دستی ہے۔۔۔۔۔

دعا کیجئے گا کہیں میرا یہ مضمون بھی اس نئے قانون کی زد میں نہ آجائے۔۔۔۔ واضح ضابطہ اخلاق ہر ادارے کا ہونا چاہئے۔۔۔۔۔۔ شتر بے مہار ہونے کی اجازت کسی کو نہیں۔۔۔۔ مگر سچ پر قدغن نہیں۔۔۔۔۔ ہم جیسے لوگ تو پھر گھٹن سے ہی فوت ہو جائینگے۔۔۔۔۔ خدا کرے کہ جیسا "میں" سوچ رہا ہوں ایسا بلکل نہ ہو۔۔۔۔ اللہ پاکستان کو اپنی آمان میں رکھے (آمین)۔۔۔۔۔۔پاکستان پائندہ باد

ووٹرز اور سپورٹرز

دنیا کے استادوں نے چار بنیادی موسموں کو نصابی تعلیم کا حصہ قرار دیا اور وہ ہی ہم سب نے پڑھا اب ہمارے بچے بھی پڑھ رہے ہیں۔ یہ کوئی اچھوتی اور انوکھی بات نہیں کہ انہی چار موسموں کی عینک ہم نے اپنی آنکھوں کی زینت بنائے رکھی ہے۔ ہمارا پیارا پاکستان دنیا میں اپنی بہت ساری خصوصیات کی بناء پر انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ان نمایاں خصوصیات میں سے سے ایک موسموں کہ حوالے سے ہے کہ پاکستان میں ایک ایسا موسم بھی ہے جو بارہ مہینے اپنے پورے آب وتاب سے رہتا ہے اور وہ موسم ہے جلسے جلوسوں کا" ۔ باقی ماندہ دنیا کیلئے یہ ایک نایاب موسم ہے جو صرف کسی ملک کی" حکومت اپنے معینہ مدت کی تکمیل کہ بعد الیکشن کہ انعقاد کہ اعلان کہ بعد آتا ہے اور بہت مہذب طریقے سے اپنی معینہ مدت کو پورا کرتا ہے۔ مگر ہمارے یہاں تو چاہے الیکشن سے پہلے کا دور ہو یا الیکشن کہ بعد کا یہ موسم اپنی تابناکیوں کہ ساتھ رواں دواں رہتا ہے۔ کوئی نہ کوئی سیاسی یا مذہبی جماعت اپنی سیاسی، مذہبی، معاشرتی یا معاشتی ذمہ داری سمجھتے ہوئے عوام کی پریشانیوں میں اضافے کا سامان کئے رکھتی ہے۔ ہم پاکستانی انگنت حصوں میں تقسیم ہیں۔ پہلے علاقائی تقسیم، پھر زبان کی تقسیم، پھر مذہب کی تقسیم، پھر مرتبوں کی تقسیم، پھر عمارتوں کی تقسیم، ان تقسیموں کا کوئی فائدہ اٹھائے

جا رہا ہے اور ہم کھڑے اپنا گھر (پاکستان) برباد ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔
ہم پاکستانی کسی بھی جماعت کا جلسہ ناکام نہیں ہونے دیتے۔ ان جلسوں کی کامیابی کی بہت ساری باضابطہ وجوہات ہیں۔ کہیں مخصوص رقم کا لالچ رکھا جاتا ہے، کہیں لوگ سلیبریٹی کو دیکھنے کہ شوق میں آتے ہیں، کہیں لوگ صرف شغل اور ہوا خوری کیلئے آتے ہیں، کہیں لوگ خوف کی وجہ سے آتے ہیں اور ان سب میں ایک بات تو ایک سی ہے اور وہ ہے بیروزگار لوگوں کی بھرمار جو اس نیت سے ان جلسہ گاہوں کا رخ کرتے ہیں کہ کھانے پینے کا اور پیٹ بھرنے کا سامان تو ہو ہی جاتا ہے۔اس پیٹ کہ چکر میں بطور سپورٹر جلسے کی کامیابی میں اپنا حصہ ڈال دیا جاتا ہے۔
سیاسی جلسے جلوس عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کیلئے منعقد کئے جاتے ہیں، لوگوں کا ذہن بنانے کیلئے کئے جاتے ہیں یا پھر اپنی سیاسی طاقت کا مظاہرہ کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ کون سا جلسہ کس کام کیلئے کیا جا رہاہے۔ یہاں تو جلسے صرف اور صرف ایک دوسرے پر تنقید کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف دشمن بنائے جاتے ہیں اور پھر ان پیدا کردہ دشمنوں کو اجتماعی دشمن استعمال کرتے ہیں۔ جلسے میں آنے والے اس حس سے عاری ہوتے ہیں کہ کون کیا کہہ رہاہے، کس کا

جلسہ ہے۔ یہ تو بس اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کی غرض سے ایسے اجتماعات ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

سپورٹرز وہ ہوتے ہیں جو جلسوں کو کامیاب دکھانے میں کارگر یا کارآمد سمجھے جاتے ہیں۔ سپورٹرز کی تعداد میں سماجی میڈیا اور اس پر چلنے والی "سیلفی" نے بہت حد تک اضافہ کیا ہے۔ اس کہ برعکس ووٹرز وہ ہوتے ہیں جو حکومت سازی، آئین سازی اور ملک میں نظامِ جمہوریت کیلئے اپنا حقِ رائے دہی استعمال کرتے ہیں اور عوامی نمائندوں کو عوام کہ مسائل کے حل کیلئے اسملیوں تک پہنچاتے ہیں۔ ہمارے یہاں ووٹرز کی تقسیم برادری نظام کہ تحت کی جاتی ہے یا پھر لسانیت پر اور یا پھر مذہبی فرقہ واریت پر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جلسہ آپ نے کسی کا بھی مذکورہ بالا وجہ سے سپورٹ کیا لیکن ووٹ آپ اپنی برادری والے کو دینگے یا پھر اپنے ہم زبان کو یا کوئی بھی ان سے ملتی جلتی وجہ سے آپ اپنا ووٹ دینگے۔

ہم تقسیم شدہ لوگ یہاں بھی تقسیم ہیں سپورٹرز سپورٹ کی حد تک جہاں تک جاسکتا ہے جاتا ہے۔ تبدیلی، انقلاب، استحکام اور پھر دوام پاکستان میں اسوقت آئیگا جب پاکستانی ووٹر اور سپورٹر ایک ہوجائے گا۔ پھر یہ ملک تعلیم یافتہ بھی ہوجائیگا اور ترقی یافتہ بھی۔ (انشاء اللہ)

کیا سندھ میں نئے دور کا آغاز ہوگیا؟

وزیرِاعلی سندھ صبح 9 بجے دفتر پہنچ گئے ، عملے کی دوڑیں لگ گیئں "2 اگست 16 کہ" اخبارات میں یہ خبر انتہائی اہمیت کی حامل تھی جس سے یقیناً اخبارات کی رونق بڑھ گئی۔اس سے پیشتر وزیرِاعلی کہ دفتر آنے تک کی خبر نظروں سے نہیں گزری۔ یہ خبر انتظامی امور سے تعلق رکھنے والے لوگوں کیلئے اور پیشہ ور لوگوں کیلئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ خبر ان گنے چے لوگوں کیلئے بھی بہت اہم تھی جو ملکِ خداد پاکستان سے تھوڑی سے بھی سچی محبت رکھتے ہیں۔ خبر کو پڑھ کر ایسا لگا کہ سندھ کی قسمت بدلنے کا وقت آگیا ہے۔ وزیرِاعلی کا 9 بجے دفتر پہنچ جانا ان تمام نااہل اور کرپٹ افسران کیلئے طبلِ جنگ سے کم نہیں۔ وقت کی پابندی ایسا بنیادی عمل ہے جس کی روح سے ادارے ترقی کی راہ پر گامزن ہوجاتے ہیں ہم اب امید کر رہے ہیں کہ سندھ اب بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا۔

سندھ میں عرصہ دراز سے "سائیں کی صورت" میں پاکستان پیپلز پارٹی برسرِاقتدار ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سندھ میں اکثریتی جماعت ہونے کی باعث کبھی بھی کسی دوسری جماعت کے بغیر حکومت بنانے میں کامیاب رہی ہے۔ مگر جماعت کہ روح رواں جناب آصف علی زرداری صاحب کی مفاہمتی پالیسی کی مرہونِ

منت اقتدار کی خواہش مند جماعتوں کو بھی احساسِ محرومی سے دور رکھنے کیلئے حکومت میں شامل کیا جاتا رہا ہے۔ وزیر بھی دیئے گئے اور مشیر بھی۔

پاکستان پیپلز پارٹی بظاہر ایک انتہائی منظم جماعت کہ طور پر جانی جاتی ہے۔ لیکن ایک تجزیے کہ مطابق پاکستانی قوم زبان کہ تعصب کہ باعث اس جماعت کو سندھ کی نمائندہ جماعت کہا جاتا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے بہت کٹھن ادوار دیکھے، اپنی اعلی ترین قیادت کی قربانیاں دیں۔ یہ جماعت پاکستان میں جمہوریت کی بقا کی جنگ میں ہراول دستے کی مانند کمربستہ رہی ہے۔ وقت کی بے رحمی کی بدولت پاکستان پیپلز پارٹی انتظامی امور میں کچھ غیر منظم ہوتی چلی گئی، اگر یوں کہا جائے کہ وقت پر ذمہ داریوں کی تقسیم صحیح لوگوں میں نہیں کی جا سکی۔ یہ پاکستان پیپلز پارٹی کا جماعتی مسلہ کہا جا سکتا ہے مگر یہ مسلہ ملکی سطح پر اثر انداز ہوتا چلا گیا اور جماعت کی مقبولیت میں خاطر خواہ کمی ہوتی چلی گئی۔ محترم مخدوم امین فہیم صاحب جہانِ فانی سے کوچ کر گئے مگر انہیں کسی بھی اہم انتظامی عہدے سے ہمیشہ دور رکھا گیا۔ آپ وہ شخصیت تھے جو انتہائی.برے وقت میں اپنی جماعت کا جھنڈا تھامے اسے آگے.بڑھاتے رہے۔ایسا بھی سننے میں آیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی ہائی جیک ہو چکی ہے۔ پاکستان کی حالیہ سیاست پر نظر ڈالیں تو پاکستان پیپلز پارٹی سیاسی بصیرت کہ حامل اور جہاں دیدہ لوگوں کہ معاملے میں کافی حد تک خود کفیل ہے۔

آج بھی ان لوگوں میں وہ سیاستدان شامل ہیں جنھوں نے جمہوریت کی بقاء کیلئے قید بند کی صعوبتیں جھیلی ہیں۔ ان اہم سیاسی شخصیات میں نبی داد خان صاحب، رضا ربانی صاحب، سید خورشید شاہ صاحب، سید قائم علی شاہ صاحب، نثار کھوڑو صاحب، آغا سراج درانی صاحب و دیگر جیسے قابلِ ذکر سیاست دان موجود ہیں۔ جو اس جماعت کہ اہم ترین ستونوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ناموں پر غور کیا جائے تو تمام کہ تمام کا تعلق سندھ سے ہی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی یقیناً انہی لوگوں کہ کاندھوں پر کھڑی ہے۔

وزیرِ اعلی سندھ جناب سید قائم علی شاہ صاحب المعروف "سائیں" کی حالیہ تنزلی اور انکی جگہ جناب سید مراد علی شاہ صاحب کی تعیناتی کچھ آنے والے اچھے دنوں کی نوید دے رہی ہے۔ محسوس یہ کیا جارہا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے پارٹی کی "تعمیرِ نو" شروع کر دی ہے۔ اب سندھ کہ دیہی علاقوں کی نمائندہ جماعت، سندھ کہ شہری علاقوں میں اپنے قدم جمانے کی کوشش کرے گی۔ سندھ کہ شہری علاقوں کی نمائندہ جماعت متحدہ قومی موومنٹ مختلف گھمبیر مسائل سے دوچار ہونے کہ سبب بظاہر شہری علاقوں میں اپنی گرفت کمزور کرتی نظر آرہی ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ عرصہ دراز سے سندھ کہ شہری علاقوں کی نمائندہ جماعت رہی ہے مگر کچھ عرصے سے اپنی حلقوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے اپنی مقبولیت سے ہاتھ دھوتی نظر آرہی ہے۔ شہرِ کراچی کی موجودہ صورتحال کسی سے

ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اس بات کا حتمی فیصلہ آنے والے الیکشن ہی کر سکتے ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی اعلی اور نوجوان قیادت نے وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنی جانب سے بہت اہم وقت پر مراد علی شاہ صاحب جیسے بیوروکریٹک ذہنیت کہ مالک وزیرِاعلی کو تعینات کر کہ خطرے کی گھنٹی بجادی ہے جن کہ صبح 9 بجے دفتر پہنچنے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کچھ کرنے کا جذبہ لئے 9 بجے دفتر پہنچ گئے۔ ہمیں ایسی چہ مہ گویوں کو قطعی طور پر نظر انداز کردینا چاہئے کہ یہ صرف سیاسی نوازشات ہیں۔ مذکورہ خبر سے اس بات کا عندیا تو ملتا ہے کہ "نئے شاہ صاحب" کچھ کرنے کہ موڈ میں ہیں اور صوبے کی سیاسی اور انتظامی صورتحال میں ہلچل مچانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آنے والے دنوں میں رینجرز کہ اختیارات بھی اس بات کی گواہی دینگے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کتنی جمہوریت کی حمایت کی خواہ ہے۔

دوسری طرف نئے شاہ صاحب کو چاہئے کہ انتظامی اداروں کو حکومتی ادارے کہ ماتحت کر کہ کام کرنے کی آزادی دیں آخر ایسا کب تک ہوتا رہے گا کہ شہروں کا کچرہ حکومتوں کی لڑائی کی نظر ہوتا رہے گا۔ ایک بین الاقوامی شہر لاپرواہی کی حدوں کو چھو رہا ہے کراچی کی حالت اس وقت بلکل یتیم نہیں بلکہ مسکین بچے کی جیسی ہے ایدھی صاحب کہ انتقال کہ بعد سے تو اس بات پر مہر ثبت ہو گئی ہے۔

خصوصی طور پر سندھ کہ شہری اس بات کیلئے دعا گو ہیں کہ ہمیں ہمارے بنیادی حقوق دیئے جائیں آخر کب تک یہ علاقائی، نسلی، لسانی اور سیاسی تعصب ہمارے لئے باعثِ ظلمت بنا رہے گا۔ سارا کا سارا شہر کچرے کا ڈھیر بن چکا ہے کوئی سننے والا نہیں ہے۔
صبح سویرے دفتر پہنچ کر شاہ صاحب نے یہ عندیہ تو دے دیا ہے کہ صوبہ سندھ میں نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے۔

ہر فرد کو سپاہی کا درجہ دے دیں

ابھی بچوں کہ اغواء کا معمہ حل نہیں ہو سکا تھا کہ پاکستانیوں کا ماہ مبارک آن پہنچا اور ہم پاکستانی سب کچھ بھلا کر آگست کی رونقوں میں منگن ہو گئے۔ آج کل ہم پاکستانی، پاکستان کی آزادی کا پر جوش جشن منانے کی تیاریوں میں مگن ہیں۔ ہر طرف خوب گہما گہمی ہے، سبز ہلالی پرچم لہراتے نظر آرہے ہیں۔ یہ سبز ہلالی پرچم چاہے گھروں کی چھتوں پر لگے ہوں، بجلی کہ کھمبوں پر لگے ہوں یا بیچنے والے کہ ٹھیلے پر لگے ہوں، ہماری اپنے وطن سے والہانے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جیسے جیسے دشمن کی چالوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے ویسے ویسے عرضِ پاک کی محبت ہمارے دلوں میں اور بڑھتی جا رہی ہے۔

دشمن تو دشمن ہے نا وہ ہمیں کیسے خوش دیکھ سکتا ہے، ابھی کشمیر میں ہونے والی ظلم و بربریت کی داستانوں پر ساری قوم غم و غصہ میں بتلا تھی۔ دوسری طرف ہمارے معصوم بچوں کہ چہروں پر دشمن نے خوف کہ بادل تان دیئے، ان اغواء کاروں کی وجہ سے آج پاکستان میں کسی بھی کونے میں ماں اپنے جگر کہ ٹکڑوں کو کس کرب اور تکلیف سے اسکول یا مدرسے بھیج رہی ہیں ہمارے لئے اس کا اندازہ لگانا اتنا آسان نہیں۔ ابھی ان مسائل میں الجھے ہی ہوئے ہیں کہ گزشتہ روز

کوئٹہ کہ سول اہسپتال میں دشمن نے اپنی عیاری، انتہائی ظلم اور سفاکیت کی نئی مثال رقم کردی۔

ہم پاکستانی مسائل کی بھٹی میں پک پک کر ہی بڑے ہوتے ہیں ہم ان سے گھبرانے والی قوم نہیں ہیں۔ جب ہم اپنے حکمرانوں کہ بچھائے ہوئے خوبصورت جالوں کو جانتے بوجھتے جھیل سکتے ہیں تو ہمارے لئے دشمن کا بچھایا ہوا کوئی جال کارگر ثابت نہیں ہوسکتا۔ ہم نے ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ ہر مسلئے کا حل پاکستان کی پرعزم اور پرجوش بہادر اور نڈر افواج پاکستان کہ پاس ہی ہے ۔ ہمیں یقین کرنا پڑے گا کہ ہماری افواج اگر ایسی نا ہوتیں تو پاکستانی عوام کبھی پسپا ہوچکی ہوتی، اللہ کہ بھروسے کہ بعد زمین پر جو "ہمارا حوصلہ اور ہمارا مان ہے وہ افواج پاکستان ہیں" ۔ ماضی یا حال میں آپ کوئی بھی مسلہ اٹھا کر دیکھ لیجئے، اس کی نوعیت کیسی بھی ہو اس کو حل کس نے کیا یا کس نے کروایا۔

جب ہم پاکستانی ان سیاسی مداریوں سے اتنے بری طرح سے متاثر ہوئے بیٹھے ہیں اور یہ ہمیں عرصہ دراز سے جانوروں سی زندگی گزارنے پر مجبور کئے ہوئے ہیں تو پھر ہم سیاسی طریق ترک کر کہ "سپاہ گری کی روش" کیوں نہیں اپنا لیتے اور دشمن کو باور کرادیتے کہ اب اس ملک کا ہر شہری و دیہاتی خواہ کسی بھی مذہب

کا ماننے والا ہو وہ اس ملک کا "سپاہی" ہے اور عرض پاک پر اپنا خون اور جان نچھاور کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہے۔ یہاں دھماکوں میں، اندھادھند گولیوں میں، سیلابی ریلوں میں، زلزلوں میں، مخدوش عمارتوں کہ گرجانے میں، فیکٹریوں میں آگ لگنے میں، موت کا رقص ہر وقت زوروشور سے ہمارے اردگرد جاری رہتا ہے۔

آخر کہاں تک اور کب تک عوام یونہیں لاشیں اٹھاتے رہینگے اور سینہ کوبی کرتے رہینگے۔ ہر گزرتا ہوا دن تہہ در تہہ خوف میں لپٹا ہوا ہے۔ ہمارے جسموں میں دوڑتا لہو اس خوف سے خشک ہوئے جارہا ہے۔ روزانہ یہ خوف ایک نئی شکل میں نمودار ہوجاتا ہے اور ہم نہتے لوگوں کو ڈرانے کھڑا ہوجاتا ہے۔

گزشتہ ہفتے انسپیکٹر جنرل سندھ جناب اللہ ڈنو خواجہ صاحب نے بھی ایک ایسے اقدام کی بھرپور پذیرائی کی جب انھوں نے کراچی کہ ایک شہری (یاسر جمیل) کو اسکی بہادری کہ اعتراف میں پچاس ہزار روپے کے انعام سے نوازا۔ یاسر جمیل کی بہادری اور لائسنس یافتہ اسلحہ کی مدد سے ڈاکوؤں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ اس اقدام سے دہشت گردوں کو یہ پیغام توضرور پہنچ گیا کہ اب انسانی شکار یا ڈاکا مارنا آسان نہیں رہا۔

اربابِ اختیار ایک ٹیبل پر بیٹھیں اور اسلحہ کہ حوالے سے کوئی ایسا باضابطہ

قانون مرتب دیں جس سے ایک عام پاکستانی اور دہشت گرد میں بہت آسانی سے فرق کیا جاسکے۔ پاکستان کا ہر شہری سپاہی بن جائے تو ہماری افواج اور دوسرے قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنی تمام تر توجہ ملک کہ دفاع پر مرکوز کر سکیں۔

یونین کونسل کی سطح پر ایسی قانون سازی کی جائے کہ یونین کونسل کہ ذریعہ جن لوگوں کہ پاس لائسنس یافتہ اسلحہ ہے وہ علاقے میں کسی اہم اعزازی ذمہ داری کہ اہل قرار دیئے جائیں۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے افراد کی جانچ پڑتال کریں اور علاقائی سطح پر تربیت کا بندوبست کریں۔ اس موضوع پر سیر حاصل مباحثہ کروالیا جائے سماجی ویب سائٹس کو استعمال کیا جائے ۔ اسلحہ تو مومن کا زیور بھی کہا جاتا ہے ۔ یہ ایک ایسا انقلابی قدم ہے جس سے نا صرف برائیاں ختم ہو سکتی ہیں بلکہ یہ جو خوف ہمیں گھیرے رہتا ہے یہ بھی بھاگ جائے گا اور بھاگ کر ہمارے دشمن سے چمٹ جائے گا۔ دہشت گرد جو خود کو آجتک ہر خوف سے عاری سمجھتے تھے خوفزدہ ہو جائینگے (انشاءاللہ)۔

کشمیر کی جدو جہدِ آزادی

کشمیر کی آزادی کی جدو جہد کو اقوامِ عالم عرصہ دراز سے خاموش تماشائی بنی دیکھے جا رہی ہیں۔ پاکستان بھی کسی بہت معصوم بچے کی طرح اس سارے معاملے کو اقوامِ متحدہ کی عدالت میں پہنچا کر بیٹھ گیا ہے اور ان سفاکیوں کی اماجگاہ پر چھوڑ دیا ہے اور اب انتظار کرتے کرتے کشمیریوں کی تین نسلیں اس آگ اور خون حولی کی نظر ہو گئیں ہیں۔ یہ دنیا کا انوکھا انصاف ہے، یہ دنیا کا دہشت گردی کا انوکھا فلسفہ ہے۔ دنیا کہ کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی ملک نے بین الاقوامی ذمہ داری نہیں نبھائی۔ نا ہی کوئی انسانی حقوق کا ادارہ انسانیت سوز مظالم کی روک تھام کیلئے میدان میں نکلا ہو۔ وادی کشمیر کو بھارتی وردی میں ملبوس دہشت گردوں کہ حوالے چھوڑ دیا گیا۔ بلاناغہ اپنے اپنے آرام دہ کمروں میں ٹیلیوژن کہ سامنے بیٹھ کر دکھائے جانے والے مظالم، ستم اور بربریت کہ نظارے دیکھ کر دل پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں، ایسا کر کہ ہم اپنے دلوں کو تسلی دیتے ہیں کہ ہمیں کشمیر سے اور کشمیریوں سے کتنی محبت ہے اور ہمارا دل انکے لئے کتنا غمگین ہو جاتا ہے۔ بس کچھ لمحوں میں چینل تبدیل کیا اور ظلم کی داستانِ رقم کرنے والوں کی رعنائیوں میں مگن ہو گئے۔ ہماری مخلصی تو اس بات سے بھی بہت واضح ہو جاتی ہے کہ "کشمیر کی آزادی تک ادھار بند ہے"۔

دشمن اپنی عیاریاں اور شیطانی چالیں تحریکِ آزادی کی ابتداء سے چل رہا ہے۔ 1971 میں پاکستان کہ دو ٹکڑے کر دئے اور کلمہ گو بھائیوں کہ دلوں میں ایسی نفرتیں پیدا کر دیں جس کہ الاؤ میں آج بھی پاکستان سے محبت کرنے والے ہمارے بنگالی بھائی اپنی جانوں کہ نظرانے تختہ دار پر لٹک کر دیتے جا رہے ہیں۔ کشمیر میں ہونے والے بھارتی مظالم رز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ بھارت ریاستی دہشت گردی کی مثالیں قائم کرتا جا رہا ہے اور ایک ہم ہیں کہ صفائیوں پر صفائیاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

اتحادی افواج افغانستان میں دندناتے ہوئے داخل ہو گئیں اور وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ان اتحادی افواج کی بے رحمی کا منہ بولتا ثبوت افغانستان آج کسی آثارِ قدیمہ یا کھنڈرات کی صورت دیکھائی دیتا ہے۔ مگر دکھ اس بات کا ہے کہ اتحادیوں کو وہ کچھ بھی نہیں مل سکا جس کی تلاش میں سنگلاخ پہاڑوں کو ریت کہ ڈھیروں میں تبدیل کرنا شروع کیا تھا۔ افغانستان کہ بعد تو آمریکہ اور اسکے اتحادیوں کو تو جیسے خون منہ کو لگ گیا۔ عراق کو تحس نحس کر دیا، شام، لیبیا، اردن اور دیگر ممالک پر بھی اپنے ناپاک عزائم مسلط کرنے کی کوششوں میں مصروفِ عمل ہیں۔ کشمیر اور فلسطین کیلئے کوئی اتحاد نہیں بن سکا۔ نا امریکیوں کا اور نا کسی ہم مذہب طاقتور ملک کا۔

آگست کا مہینہ جاری ہے، ایک دم سے کشمیر کی تحریک آزادی میں بہت زیادہ تیزی نظر آرہی ہے۔ ابھی پاکستان اپنا پوری طرح دھیان کشمیر کہ مسلہ پر مرکوز کرتا ہے کہ "را" ایک بار پھر ہاتھ دیکھا جاتی ہے اور اپنے مقاصد کہ حصول کیلیئے کوئٹہ میں ایک انتہائی ہیبت ناک بم دھماکہ ہوجاتا ہے۔ ہر طرف لاشیں، خون اور انسانی عضاء ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ ہر پاکستانی سوگ میں ہے اگست کہ مہینے میں سبز ہلالی پرچم سنگوں ہے۔

ہمارا دشمن بہت عیار ہے آنے والے دنوں میں وہ ہمیں ڈائیلاگ کی دعوت دے گا اور ہم لولی پاپ کی مانند اسے پکڑلینگے اور اسکے کہنے پر چلنا شروع کردینگے۔ پھر اپنی کامیابی کی تعریفیں اپنے منہ کرنا شروع کردینگے دوسری طرف ہمارا دشمن زیرِ لب مسکراتا ہوا کچھ اور کلبھوشن ہماری پاک سرزمین کو ناپاک کرنے کیلیئے بھیج دیگااور ہم مفاہمت کے مدِ نظر خاموشی سے اسے دیکھتے رہینگے۔

ضربِ عضب کامیابی کہ مراحل طے کرتا جارہا ہے مگر حتمی کامیابی دشمن سے کھلے میدان میں ہی ممکن دیکھائی دے رہی ہے۔ کیونکہ ہماری آستینوں میں چھپ کر بیٹھا ہے اور ایسا بیٹھا ہے کہ ہم سا ہی دکھتا ہے۔ اس لئے پہچاننے اور

شناخت کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا ہے۔ اس کا انتہائی حل یہی رہ جاتا ہے کہ ابتک پاکستان کو خفیہ کامیابیاں ہوئی ہیں اس کی مدد سے ان تمام ممالک سے سختی کہ ساتھ معاملات اٹھائے جائیں اور ان سے پوچھ لیا جائے کہ وہ امن سے رہنا چاہتے ہیں یا جنگ کرنا چاہتے ہیں ہم تو درپردہ عرصہ دراز سے حالتِ جنگ میں ہیں۔ اللہ کرے گا تو کشمیر کا مسلہ بھی اسی طرح حل ہوگا۔

آزادی کا جشن اور اہمیت

اسکول آتے جاتے بچوں کو بس یہی ایک بات سجھائی دیتی ہے کہ پاکستان کی آزادی کا جشن بہت دھوم دھام سے منانا ہے۔وہ اپنے معمولات سے بلکل بیخبر ہو جاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ اسکول کا کام بھی کرنا ہے ٹیوشن بھی جانا ہے اور مدرسے کا بھی سبق یاد کرنا ہے اور تو اور کبھی کبھی تو اپنے کھیلوں کی سرگرمیوں سے بھی اپنے آپ کو علیحدہ کر بیٹھتے ہیں۔ ان کہ لیے سب سے اہم ترین کام اپنے وطن عزیز کی آزادی کا جشن منانے کی تیاری ہوتا ہے۔ اب اس بات کو ممکن بنانے کی ہر ممکن کوشش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں، جیسے جیسے ۱۴ اگست کا دن قریب آتا جاتا ہے اپنے والدین سے مختلف چیزوں کا تقاضہ شروع ہو جاتا ہے۔ اب یہ والدین پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ ان معاملات کو کس طرح سے نبٹاتے ہیں۔ بہرحال ایک عدد سبز ہلالی پرچم تقریباً ہر گھر کی زینت بنتا ہے۔ بات ایک پرچم کہ لہرانے سے آگے بڑھتی ہے اور جھنڈیوں اور دیگر لوازمات پر آکر انجام پذیر ہوتی ہے یہاں تک کہ ۱۴ اگست کا سورج طلوع ہوا چاہتا ہے۔

ہمیں بہت اچھی طرح سے یہ سمجھایا جاتا ہے کہ پاکستان لاتعداد قربانیوں کہ طفیل وجود میں آیا۔ قربانیوں کی ایک نا ختم ہونے والی فہرست ہے۔ جو ہمارے

آ باو اجداد کہ دلوں میں محفوظ ہے۔ شاذونادر کوئی سچا واقع ہمارے سامنے کوئی بزرگ پیش کرتے ہیں تو انکی آنکھیں نم اورآ واز رندھ جاتی ہے، ایک فلم جو انکی بینائی سے کم ہوتی ہوئی آنکھوں میں چلنے لگتی ہے ، ان انکھوں میں آگ کہ شعلے بھی نظر آتے ہیں اور ادھر ادھر بھاگتے معصوم و لاچار لوگ بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہم اس درد کو اس تکلیف کو نہیں سمجھ سکے اور شائد نا ہی سمجھ سکینگے۔ وہ بزرگ آج بھی تصور میں وہ لال رنگ جس کی ہولی دشمن نے بہت بے رحمی سے کھیلی تھی اپنے کپڑوں پر محسوس کرنے لگتے ہیں، اور بے خیالی میں اپنے کپڑے جھاڑنے لگتے ہیں، تازہ تازہ لہو کی مہک پھرانہیں ستانے لگتی ہے۔ بکھری ہوئی بے سروپا لاشیں ، ابرو ریزی کی چیخیں انکا دل دھیلانے لگتی ہیں۔ ہم سب وہ سب کچھ ستر ۷۰ سال گزرنے کہ باوجود محسوس نہیں کرسکے ۔ ہم وہ محسوس نہیں کر سکتے ہم ان بزرگوں کی زخمی روحوں کو نہیں پہچان سکتے ۔ انکی خاموشی انکی ہنسی ہمارے لئے بہت بے معنی سی ہے ۔

ہمارے بزرگوں کی ساری قربانیاں ہمارے بے خوف مستقبل کیلیے تھیں، وہ ہماری بے خوف زندگی کہ خواں تھے۔ ہم نے آزاد وطن میں ، آزاد آب و ہوا میں ، آزادآذان کی گونج میں آنکھ کھولی ہے۔ ہم نے ہنستے بستے چہرے دیکھے ہیں ، ہم نے لہلاتے کھیتوں میں اپنے کسانوں کو ہل چلاتے دیکھا ہے ، ہم نے اپنی مرضی سے راستوں کا تعین کیا ہے ۔ ہمیں آزادی ورثے میں ملی ہے۔ ہمارے لئے آزادی کی

جدوجہد کی اہمیت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

آپ کسی سے اسکی خیریت دریافت کریں تو بے ساختہ جو جواب سماعتوں کی زینت بنتا ہے وہ یہ کہ اللہ کا شکر ہے ،یہ ایک رٹے رٹائے جملے کی طرح۔ یہ کیسا شکر ہے جو بہت خالی خالی سا لگتا ہے، مگر یہ خالی خالی شکر ہوتا تو اللہ ہی کا ہے۔ بلکل اسی طرح ہم آزادی کا جشن تو مناتے ہیں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں لیکن ہم ان بزرگوں کہ احساسات تک ساری زندگی رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ہم تحریک پاکستان کی جدوجہد آزادی کی روح تک رسائی کبھی نہیں پا سکتے۔

بات یہاں ختم نہیں ہوئی بلکہ یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ ہم جس احساس اور جذبات تک رسائی نہیں حاصل کرسکے ہیں تو کس طرح سے ہم وہ احساس اپنی آنے والی نسلوں میں منتقل کر سکتے ہیں۔یقینا اب یہ کام ناممکنات میں شامل ہوچکا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ جیسے چل رہا ہے کیا ایسے ہی چلنے دیا جائے اور آنے والی نسلوں کو اسی طرح سے بس جشن تک محدود کردیا جائے یا واقعی جشن سے آگے لے کہ جایا جائے۔ دراصل پہلے دن سے ہی ہماری دشمن قوتیں ہمیں کمزور کرنے پر کمر کسے ہوئے ہیں۔ یہ جشن ہمیں دوسرے معاشروں سے تحفے میں ملا ہے ہم نے دیکھا کہ کوئی جشن چراغاں کر کہ کرتا ہے تو کوئی جشن گانے بجا کر مناتا ہے تو کوئی

اپنی خوشی کا اظہار کیلیئے کوئی اور بے ہنگم طریقہ اپناتا ہے۔ ہمیں جو جہاں سے اچھا لگا ایک کو کٹیل نما جشن مرتب دیا اور اسے اپنی ثقافت کا نام دے کر منانا شروع کر دیا۔ اب ہمارے ہر طرح کہ جشن میں ناچ بھی ہے، گانا بھی ہے، چراغاں بھی ہے اور بہت کچھ ایسا ہے جو کہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ جس کی ہمیں نا تو ہمارا دین اجازت دیتا ہے اور نہ ہی ثقافت۔

اب ہمیں اپنی اور آنے والی نسلوں کو یہ آگاہی دینا ہوگی کہ وطن کیسے بھی حاصل کیا گیا ہو، کتنی اور کیسی بھی قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا ہو، اب یہ تمھارے مرہونِ منت ہے اسے بگڑنے سے بچالو، اپنے وقت کی اہمیت اور افادیت کو پہچانو۔ دشمن کی چالوں کو سمجھو اس کہ جھانسو سے خود کو بچاؤ۔ یہ جھنڈا اس وقت تک لہرا سکتا ہے جب تک تم اس ملک کی قدر کرتے رہوگے، اپنے علم سے اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں سے وطنِ عزیز کا نام ساری دنیا میں روشن کر سکتے ہو۔ ہر ۱۴ اگست ہم سے یہی تکارہ کرتی ہے کہ خوب محنت کرنی ہے خوب پڑھنا ہے انسانوں کو انسانیت کا صحیح سبق دینا ہے۔ ہمیں کسی کی سازشوں نے جو جشن کی صورت میں ہمیں الجھائے رکھتی ہیں بچنا ہے۔ یہ ہمارا مقصدِ حیات نہیں ہے، یہ ہمیں اپنی صحیح سمت پیش قدمی سے روکنے کیلیئے دشمن کی سازشیں ہیں۔ دشمن کہ اعلاء کار ہمارے درمیان ہم سے بن کر رہ رہے ہیں انہیں پہچاننا ہے، انکی نشاندہی کرنی ہے۔ یہ ملک ترقی کی راہ جب ہی گامزن ہوگا جب ہم جشن

آزادی پر وقار طریقوں سے منائینگے ہم زندہ دل قوم ہیں لیکن کیا زندہ دلی اس طرح سے دیکھائی جاتی ہے۔

ہمیں دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہییں، اول ہم اس نبی ﷺ کہ امتی ہیں جنھوں نے ہمارے لئے (اپنی امت کیلیئے) اللہ رب العزت سے خصوصی دعا فرمائی اور امتی امتی کرتے دنیا سے رخصت ہوئے، دوئم یہ کہ بانی پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناح کہ وہ تاریخی الفاظ کام، کام اور کام۔

ہم سب دل کی گہرائیوں سے اس عرضِ پاک کی بقاء کیلیئے دعا گو ہیں مگر ہم عملی طور پر اپنی اس محبت کا مظاہرہ کب کرینگے۔ آئیں اس ۱۴ اگست ہم یہ عہد کریں کہ امتی ہونے ثبوت اپنے ہر فعل سے دینگے اور محنت اور لگن سے کام کرینگے یہاں تک کہ پاکستان کو صف اول کہ ممالک میں لاکر کھڑا نا کردیں۔ انشاء اللہ۔

پاکستان زندہ باد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاکستان پائندہ باد

میرا پاکستان کیسا ہو!

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا اچھے سے اچھا جواب کم و بیش ہر پاکستانی بہت دلائل کے ساتھ دے سکتا ہے۔ ہر پاکستانی اپنی اپنی ذہنی صحت اور استطاعت کے تحت اس سوال کا جواب دینا شروع کر دے گا۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ ہر پاکستانی چاہے اسکا تعلق پاکستان کے کسی بھی شہر سے ہو اور کوئی سی زبان بولنے والا ہو یا کسی بھی فرقے یا مسلک کا ماننے والا ہو، وہ پاکستان کا خیر خواہ ہی ہوگا اور پاکستان کی خیر خواہی کے لیے بہترین سے بہترین تجویز پیش کر دے گا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب سب پاکستان کی ترقی اور بھلائی چاہتے ہیں تو پھر پاکستان کیوں تنزلی کا شکار ہوا جاتا ہے؟ کیوں پاکستان میں انارکی پھیلی ہوئی ہے؟ کیوں پاکستان فرقہ واریت کی آماجگاہ بنا ہوا ہے؟ کیوں پاکستان میں غیر ملکی خفیہ ایجنسیوں کا جال بچھا ہوا ہے؟ کیوں نقصان ہی نقصان، خسارہ ہی خسارہ بتایا جاتا ہے؟۔

ہم سب زبانی کلامی طور پر تو پاکستان کے خیر خواہ ہیں مگر عملی طور پر ہمارے مقاصد بلکل مختلف دیکھائی دیتے ہیں۔ وہ عملی مقاصد کیا ہیں؟ ایک مخصوص طبقہ ایک مخصوص سیاسی یا مذہبی جماعت کی نمائندگی کرتا ہے اور جب بات سیاسی

یا مذہبی بنیاد پر ہوتی ہے تو ہم پاکستانی، پاکستانی نہیں رہتے بلکہ اس سیاسی یا مذہبی جماعت کی تائید میں اندھی تقلید کے حامی دکھائی دیتے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ ایک طرف تو ہم پاکستان کی خیر خواہی کا دم بھر رہے تھے اور دوسری طرف مقاصد تبدیل۔ ایک سیاسی جماعت جو مخصوص مقاصد کے حصول کیلئے سیاست کا حصہ ہے ہم پاکستان کو بالائے طاق رکھ کر اس سیاسی جماعت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی تفریق ہے جسے ختم کرنا کسی معجزے کی مرہونِ منت ہی ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ہم انفرادی اور اجتماعی وجوہات کی تفریق میں پسی ہوئی پاکستانی قوم ہیں۔پاکستان کی خیر خواہی کی مثبت سوچ کے حامل لوگ جاہل یا انپڑھ نہیں ہیں ان میں اکثریت پڑھے لکھے لوگوں کی ہی ہے۔

میرے پاکستان میں ہر پاکستانی دوسرے شہری کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہو اور ہر پاکستانی بھرپور بھائی چارے کی اعلی سے اعلی مثال قائم کرنے کی کوششوں میں سرگرداں ہو۔ ایک دوسرے کیلئے راستہ چھوڑنے کہ جذبے سے سرشار ہو۔ بے لوث خدمت ہر پاکستانی کا شعار ہو۔پاکستانی ہونے پر فخر ہو۔

میرے پاکستان میں سڑکوں پر چلنے والی گاڑیوں کو دیکھ کر پتہ چلے کہ یہ مہذب معاشرے کے شہری کی گاڑی ہے جو سڑک پر چلنے کے اصولوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہے اور ان پر بھرپور طریقے سے عمل درآمد کرتا ہے۔ سب اپنی اپنی لائن میں

چلیں اور بے قاعدگیوں کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹ دیں۔ پیدل چلنے والے اپنے قوائد وضوابط سے واقف ہوں۔ ایسے اصول اور ضابطہ اخلاق کے پابند ہو جائیں کہ سڑکوں پر حادثات اور ٹریفک کی صورتحال خراب نا ہونے کہ برابر ہو۔

میرے پاکستان میں تعلیم کی اہمیت کو بھرپور طریقے سے ہر سطح پر اجاگر کرنا ہے۔ تعلیم اور اس سے وابسطہ تمام تر سہولیات بلکل مفت مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے تشہیری پروگرام کرنے چاہئیں جو بچوں کو تعلیم سے محبت اور اسکی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنے شوق اور ذوق سے تعلیمی اداروں کا رخ کریں۔ تعلیم کی ابتداء سے پہلے، بچوں کی تربیت ہونی چاہیۓ۔ بچوں کو یکساں ماحول میں آنے والی زندگی کے معاملات جیسے معاشرتی اقدار اور مذہبی عقائد کی بھرپور ذہنی نشو نما کی جانی چاہیئے۔ میرے پاکستان میں تعلیم سے بڑھ کر کسی چیز کی اہمیت و فوقیت نہیں ہونی چاہیۓ۔ تعلیم کا ایسا نظام رائج ہو جس میں کوئی تفریق نا ہو، کسی بچے کو احساسِ محرومی نا ہو۔ یونین کونسل کی سطح پر لائبریریاں بنائی جائیں۔

میرے پاکستان میں انسانیت کا ایسا قانون نافذ ہو جو کسی کی برتری اور کمتری کہ زیرِ اثر نہ ہو۔ جہاں انصاف کی ایسی مثالیں قائم ہوں کہ دنیا میں

پاکستان ایک مثالی ریاست بن جائے۔
میرے پاکستان میں سفارشی اور جعلسازوں کو ایسی سخت سے سخت سزائیں دی جائیں جو آنے والوں کیلئے عبرت کا نشان بن کر رہیں۔
میرے پاکستان میں مجرموں کو قانون کے مطابق سزائیں سرعام دی جائیں۔
میرے پاکستان میں کوئی لاوارث نا ہو۔
میرے پاکستان میں ریاست اپنے ہر شہری اور دیہاتی کی جان ومال کا حقیقی معنوں میں تحفظ فراہم کرے۔
میرے پاکستان میں بھکاری ڈھونڈنے سے نا ملتے ہوں۔ ریاست ایسے ادارے قائم کرے جہاں ہر طرف کے فرد کیلئے کوئی نہ کوئی کام موجود ہو اور اسے بھیک مانگنے کی نوبت نا آئے۔
میرا پاکستان ایسا ہو کہ وہاں مسجدوں پر مسلک کے بجائے اللہ کا گھر لکھا ہو۔
میرا پاکستان ایسا ہو کہ حوا کی بیٹی پاکستانی ہونے پر فخر محسوس کرے اور دنیا کے سامنے اپنے وطن کی وہ مثال پیش کرے کہ دنیا کے دیگر ممالک کی بیٹیاں پاکستانی معاشرے کو مثالی قرار دیں۔
میرے پاکستان میں بزرگوں کو انکی مرضی کہ مطابق سہولیات فراہم کی جائیں۔
میرے پاکستان میں صحت و صفائی کی ہر فرد ذمہ داری لے۔
میرے پاکستان میں ہر ادارہ پاکستان کی خدمت کہ جذبے سے سرشار ہو کر اپنی

تمام تر توانائیاں پاکستان کی سربلندی کیلئے۔

ہمارے آباؤاجداد کی قربانیوں کا مقصد بھی تو یہی تھا کہ پاکستان ایسا ہو کہ وہاں سب ایک دوسرے کا خیال رکھیں، اگر یہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ ان کی خواہش تھی کہ پاکستان ایک گھر کی مانند ہو جہاں مختلف کمرے ہوتے ہیں شور شرابا ہوتا ہے مگر سب کچھ گھر کہ اندر ہی ہوتا ہے اور باہر والوں کو کسی قسم کی کوئی بھنک تک نہیں پڑنے دی جاتی۔

میں ایسا کچھ نہیں چاہتا کہ میرے پاکستان میں دودھ اور شہد کی نہریں ہوں، شیر اور بکری ایک جگہ پانی پیتے ہوں اور ہمارے حکمران ہمارے درمیان سبزی والے سے بھاؤ تاؤ کرتے ہوں۔ میں ایسا بھی نہیں چاہ سکتا کہ ہمارے حکمرانوں کیلئے نعرے نا لگائے جائیں یا انکے لئے ٹریفک معطل نا کیا جائے۔پاکستان ایک آہنی زنجیر کا نام ہے اور ہم پاکستانی اس کی کڑیاں ہیں۔ آئیں اس زنجیر کو ایسا مضبوط بنائیں کہ کوئی اسے توڑنے کا سوچ بھی نا سکے۔ ایسا تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب ہر پاکستانی اپنے گھر کی طرح اپنی اپنی ذمہ داری خود اٹھالے اور احسن طریقے سے انہیں نبھائے جائے۔

میں جس ملک میں رہتا ہوں بس یہی ہے میرا پاکستان ۔ میرے پاکستان کے

نوجوانوں کو صحیح سمت کا تعین خود کرنا ہے ہمیں خود کو تعصب کی زنجیروں سے آزاد کروانا ہے۔ہر برائی کو اپنی صفوں سے نکال باہر کرنا ہے۔ ہم سب پاکستانی صرف اور صرف ایک نکاتی ایجنڈے پر کاربند ہو جائیں کہ پاکستان ہمارا گھر ہے۔ گھر میں کوئی تعصب نہیں ہوتا، گھر کو صاف ستھرا رکھا جاتا ہے، گھر کہ بڑوں کے بنائے اصولوں اور ضابطوں کو بھرپور طریقوں پر بھرپور عمل کیا جاتا ہے اور گھر تک کسی دشمن کو رسائی نہیں دی جاتی یہاں تک کہ گھر کی بات گھر میں بہت تحمل سے حل کر لی جاتی ہے یہاں تک کہ پڑوسی کو بھی نہیں پتہ چلنے دیا جاتا۔ اسے وضع داری کہتے ہیں۔ ہم ہر گھر کا نام پاکستان رکھدیتے ہیں۔

ایسی بہت معصوم سی خواہشیں ہر پاکستانی اپنے دل میں گزشتہ ۷۰ سالوں سے لئے جی رہا ہے اور نا جانے کتنے ان خواہشوں کو دل میں چھپائے اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ میرے پاکستان کی تکمیل اسی وقت ہی ممکن ہو سکتا جب ہم پاکستانی بن کر سوچنا شروع کر دیں اور اپنے حکمرانوں کو بھی ایسا سوچنے پر مجبور کر دیں۔

اس مضمون کا انجام اس دعا کے ساتھ کرنا چاہوں گا کہ اللہ ہمارے پاکستان کو تا قیامت سلامت رکھے (آمین یا رب العالمین)

دعائے خالد

اے رب ذوالجلال میرے وطن کو سلامت رکھنا

لاکھ ہو مشکلوں سے دوچار قائم تا قیامت رکھنا

مستقبل کے معمار – مسائل سے دوچار

پھر وہی ہوا، ابھی ہم موجودہ دیگر کئی سیاسی مسائل سے نمٹنے کیلئے کوشاں ہیں۔ جن میں سب سے اہم کشمیر میں نہتے کشمیریوں پر وردی میں ملبوس بھارتی فوجیوں کہ مظالم ہیں۔ مگر بہت خاموشی سے ایک ایسے مسئلے نے سر اٹھایا ہے جس کی جانب معلوم نہیں انتظامیہ کیوں سنجیدگی کا مظاہرہ کرتی نظر نہیں آرہی۔ پنجاب سے شروع ہونے والا یہ انتہائی گھمبیر اور خطرناک مسئلہ سندھ میں داخل ہو چکا ہے۔ لاہور جیسے منظم شہر سے دن دہاڑے بچوں کہ اغواء کا معاملہ ابھی ہم ہضم نہیں کر پائے تھے کہ یہ اغواء کار بہت آرام سے پنجاب کی سرحد پار کر کہ سندھ میں داخل ہو گئے ہیں۔ لیکن ایسا کیا کہ پورے پاکستان میں ان اغواء کاروں نے اپنا مرکز پنجاب کے مرکزی شہر اور جو حکومت کا بھی مرکزی شہر لاہور کو اپنی کاروایوں کا مرکز بنایا اور اربابِ اختیار کی ناک کے نیچے یہ سب کرتے رہے۔ سیکڑوں بچے اغواء اور لاپتہ ہو چکے ہیں۔ کچھ اغواء کاروں کی گرفتاریاں بھی عمل میں آئی ہیں مگر ایک انتہائی خوف کی فضاء ہم اپنے چاروں طرف محسوس کر رہے ہیں۔

کیا یہ اغواء کار ہمارے خفیہ اداروں سے زیادہ منظم ہیں؟ کیا یہ کوئی مافقل فطرت چیز ہیں جو کہ کسی کو دیکھائی نہیں دیتے؟ یا آخر میں ایک بات جو ہر

پاکستانی کیلئے جو پاکستان سے اور پاکستان کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے سچی محبت رکھتا ہے۔ ان اداروں کی کارگردگی پر سوالیہ نشان نہیں اٹھا سکتا۔ ایک طرف اخبارات کی سرخیاں چیخ چیخ کر یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ یہ سب افرا ہیں ان پر کان نا دھریں تو دوسری طرف آنکھوں دیکھے واقعات سن کر کیا کیا جائے۔

کیا مستقبل کے معماروں کو گھروں میں قید کرکے بٹھا لیا جائے جیسا کہ پشاور کہ آرمی پبلک اسکول پر حملہ کر کہ ایسا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ کیا ہمارا ڈرپوک دشمن ہماری نسل کشی کرنے پر اتر آیا ہے یا وہ ہمیں جہالت کے اندھیروں میں دھکیلنے کہ خواب دیکھ رہا ہے۔

میں اپنی لاعلمی پر شرمندہ ہوں کہ لاہور میں اس سارے معاملے میں اساتذہ نے اپنا کیا کردار ادا کیا اور پولیس نے کیا لاحہ عمل یا طرزِ عمل اختیار کیا۔

سندھ کہ تعلیمی ادارے خصوصی طور پر کراچی کہ تعلیمی ادارے اور ان کی نمائندہ جماعت انتظامیہ سے حفاظتی معاملات اٹھائے یا ہر اسکول اپنے علاقے کہ پولیس تھانے سے باقاعدہ مدد کی درخواست کرے۔ دوسری طرف علاقے کی پولیس اسکول لگنے اور چھٹی کی اوقات میں اپنی خصوصی نفری خصوصی لباس میں اسکولوں

کہ اطراف گشت بڑھائیں۔ اسکول انتظامیہ بڑی کلاسوں کہ بچوں کی مدد سے اپنے حفاظتی حصار کا انتظام کریں۔ سب سے بڑھ کر بچوں کو ایسی تربیت دیں کہ وہ کسی بھی ایسے واقع سے نمٹنے کیلیۓ اپنے آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر تیار رکھے۔ اسکول کہ آس پاس سنسان جگہوں پر اساتذہ اپنے اضافی فرائض سرانجام دیں۔

ہم ایسے مسائل میں اس وقت تک پھنسے رہینگے یا الجھے رہینگے جب تک ہماری صفوں میں خلا رہیگا اور اس خلاء کو ہم تعصب کے نام سے جانتے ہیں۔ ہمیں اپنی صفیں منظم طریقے سے باندھنی ہونگی۔ ہمارا دشمن ہم پر ہر طرح سے وار پر وار کیۓ جا رہا ہے مگر ہم پھر بھی اس کے جال سے نکلنے کیلیۓ تیار نہیں ہیں۔ ہمیں بھارتی میڈیا کا بھرپور طریقے سے اعلانیاں طور پر بائیکاٹ کرنا ہوگا۔ آخر ہم کب تک اپنے دشمن کی چالوں کو سمجھتے ہوۓ بھی ان میں الجھتے جائینگے۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیۓ کہ ہمیں دشمن سے نمٹنے کیلیۓ خود میدان عمل میں کودنا پڑے گا ورنہ ہمارے ادارے بہت کمزور ہو چکے ہیں وہ دہشت گردی کی جنگ لڑتے لڑتے ہلکان ہو چکے ہیں۔ ہم پاکستانیوں کو ایک سپاہی کی طرح اپنے آنے والے کل کی حفاظت کیلیۓ نکلنا ہوگا۔ اسکولوں کالجوں کی حفاظت اپنے ذمے لینا ہوگی۔ اپنے دشمن کو منہ توڑ جواب دینا ہوگا۔

ہم اپنے وطن کی کیاریوں کی آبیاری اپنے لہو سے کر سکتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے ملک پاکستان کی حفاظت فرماء خصوصی طور پر نونہالوں کی حفاظت فرماء اور پاکستان کہ دشمنوں کو اور انکے عزائم کو نیست و نابود کردے اور ہمیں پاکستان سے حقیقی معنوں میں محبت کرنے کی توفیق عطاء فرما (آمین یا رب العالمین)

"کیا پاکستان "را" چلا رہی ہے؟ "

ہر خاندان اور ہر محلّہ کسی نا کسی ایسے فرد کی زد میں ہوتا ہے، جس کی نظر سارے محلے اور خاندان پر ہوتی ہے اور جو سب کی خبر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ویسے تو محلوں میں حجام کی دکان خبریں جاننے کی بہترین جگہ ہوتی ہے۔ ایسا ہی کردار کی خواتین جو گھروں میں بطور ماسی اپنے فرائض انجام دیتی ہیں، ایک گھر سے سنی اور دوسرے گھر میں کچھ مصالحہ لگا کر سنا دی۔ ایسے لوگ خاندانوں میں لڑائیاں بھی کروانے کہ محرق بنا کرتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ معاشرے میں لازم و ملزوم سمجھے جاتے ہیں۔ کسی کیلئے ایسے لوگ بہت معزز ہوتے ہیں اور کوئی انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتا مگر بچارے کیا کریں انہیں قدرت نے ایسے کام کیلئے دنیا میں بھیجا ہوتا ہے۔ انفرادی طور پر تو یہ سب ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔ حجام کی دکان تک بھی ٹھیک ہے کوئی بات نہیں اور ماسیوں کہ معاملات بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ مذکورہ افراد کی نشاندہی بہت آسانی سے کی جاسکتی ہے اور ان سے سچ اور جھوٹ بہت آسانی سے اگل وایا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ اپنے پیٹ کیلئے لگائی بجھائی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

دنیا کا ہر ملک اپنی بقا کیلئے باقاعدہ ایسے ادارے قائم کرتے ہیں جو آس پڑوس

اور دور دراز کہ ممالک میں جا کر وہاں ہونے والی ہر قسم کی ضروری معلومات جمع کریں اور اپنے ملک کو فراہم کریں۔ ان اداروں کو خفیہ ادارے یا سیکریٹ سروسز کہا جاتا ہے۔ دنیا کہ چند ایسے اہم اور انتہائی مشہور اداروں میں پاکستان کی ائی ایس ائی، آمریکہ کی سی ائی اے، برطانیہ کی ایم ائی 6، روس کی ایف بی ایس، جرمنی کی بی این ڈی، بھارت کی را، فرانس کی ڈی جی ایس ای، آسٹریلیا کی ای ایس ائی ایس، چین کی ایم ایس ایس اور اسرائیل کی موساد قابلِ ذکر ہیں۔

پچھلے زمانوں میں ان اداروں کے بارے میں معلومات تو بہت دور کی بات، ناموں تک رسائی ناممکن سمجھی جاتی تھی۔ پھر دنیا میں معلومات کا طوفان آگیا اور دنیا نے تکنیکی ترقی کی تقریباً تمام حدوں کو چھولیا ہے، جس کی بدولت دنیا میں ہونے والے واقعات اور کون ان واقعات کی پشت پناہی کر رہا ہے جاننا کوئی مشکل بات نہیں رہا۔ یہ خفیہ ادارے اپنے ملک کی بقا کیلیئے بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں اور دوسرے ملکوں کو کمزور کرنے میں مصروفِ عمل رہتے ہیں۔

پاکستان اور بھارت دنیا کہ دو ایسے ممالک ہیں جو 1947 میں برِ صغیر کی تقسیم کے بعد وجود میں آئے۔ یہ دونوں ممالک آج تک ایک دوسرے کی اہمیت کو ماننے کیلیئے تیار نہیں ہیں۔ بھارت نے اپنی عیاری اور مکاری سے پہلے کشمیر

پر قبضہ کیا اور پھر مشرقی پاکستان کو بنگلادیش بنانے میں قلیدی کردار ادا دیا۔ کشمیری آج بھی اپنی آزادی کی جدوجہد کیلئے برسرپیکار ہیں اور بے دریغ اپنی جانوں کا نظرانہ پیش کر رہے ہیں بھارت کشمیریوں کی حق خود ارادیت کو ماننے کیلئے تیار نہیں بلکہ الٹا پاکستان کوگاہے بگاہے آنکھیں دیکھانے کی ناکام کوشش کرتا رہتا ہے۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے بہت تکلیف ہو رہی ہے کہ کم وبیش پورے کا پورا پاکستان، بھارت کہ میڈیا کا دیوانہ ہے خصوصی طور پر انڈین ڈراموں اور فلموں کہ اکثر جگھوں پر توان ڈراموں کہ بغیر دن ہی مکمل تسلیم نہیں کیا جاتا، انڈین گانے تو ہم ہماری روحوں کی غذائیں بن چکی ہیں کسی بھی قسم کی کوئی تقریب ہو انڈین گانوں کہ بغیر مکمل تصور نہیں کی جاسکتی۔ روز مرہ کی بول چال میں انگنت ایسے الفاظ شامل ہو چکے ہیں جو انڈین ڈراموں سے درآمد کئے گئے ہیں۔ ہمارے گھروں سے اٹھنے والی ہندو مذہب کی آوازیں کیا اس بات کی گواہی دینے کیلئے کافی نہیں کہ ہم معاشرتی طور پر بھارت کہ غلام ہو چکے ہیں۔ ہمیں وقت گزارنے کیلئے انڈین گانے یا انڈین فلموں کا سہارا لیناپڑتا۔ یہ پورے پاکستان کا المیہ ہے۔ وہ گاؤں دیہات بھی اس الودگی سے پاک نہیں جہاں ہمارا بزدل دشمن دن رات گولیاں برساتا ہے۔

اس انڈین میڈیا نے اپنی خفیہ تنظیم "را" کا کام بہت آسان کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے درمیان گھومنے اور رہنے والے لوگوں میں یہ تمیز کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے کہ کون کیا ہے اور کہاں سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ مسلئہ پاکستان کہ ہر شہر کو درپیش ہے۔ اس کا منہ بولتا ثبوت پشاور، کوئٹہ اور لاہور میں ہونے والے دھماکوں اور فائرنگ کہ واقعات ہیں۔ ہم نے اپنے آپ کو طالبان کے پیچھے لگایا ہوا ہے اور ان کو مارنے کا کوئی موقع ہاتھ سے ضائع نہیں جانے دیتے۔ یہ بھی ہمارے دشمن ہیں لیکن ہمارا اصل دشمن ہمارا وہ ہمسایہ ملک ہے جس سے ہمارے تقریباً سارے ہی سیاستدان دوستی اور محبت کی امید لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ بھارت نے ہمیشہ پاکستان کی پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے اور ہم نے ہر بار اس زخم کو انتہائی فراخدلی سے سہا ہے۔

گزشتہ چھ ماہ یا اس سے کچھ زیادہ عرصے سے ملک کہ وزیرِ اعظم پر بھارتی دوست ہونے کا الزام بہت زور و شور سے چل رہا ہے مودی سرکار نے میاں صاحب کی نواسی کی شادی میں شرکت فرما کر کچھ شک و شبہات اور بڑھا دیئے ، اسکے علاوہ کچھ اور ایسے ثبوت منظرِ عام پر آئے جن کی ایماء پر وزیرِ اعظم صاحب کی شخصیت پر سوالیہ نشان آگیا۔

بلوچستان کہ حالات گزشتہ کئی دہائیوں سے خراب چلے آرہے ہیں، پچھلی ساری حکومتیں ناراض بلوچوں کو منانے میں مصروف رہیں۔ آخر کار بلوچستان سے باقاعدہ انڈین خفیہ ایجنسی "را" کا نمائندہ پکڑا گیا

اور اس نے بہت اہم انکشافات بھی کئے، اور اس "را" کہ نمائندے کی مخبریوں سے اور بہت سارے معاملات پر سے پردہ اٹھا۔ محمود خان اچکزئی پاکستان کی اہم سیاسی شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ تیسری بار پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کہ ممبران منتخب ہوئے ہیں۔ گزشتہ دنوں ان کہ ایک بیان نے انہیں مشکوک بنا دیا، آج کہ اخبار میں علامہ طاہر القادری صاحب کو انکے سیاسی مخالفین نے "را" کا ایجنٹ قرار دے دیا ہے۔ پاکستان تحریک انصاف کہ سربراہ عمران خان صاحب کو ایک مخصوص طبقہ یہودی ایجنٹ قرار دیتا ہے۔ ایک نیوز چینل "جیو" جس پر انڈین فنڈنگ کا الزام لگا کہ یہ چینل یا گروپ "را" کیلئے کام کر رہا ہے۔

گزشتہ کل پاکستان کی سیاست میں ایک اور بھوچال آیا جب سندھ کہ شہری علاقوں اور خصوصی طور پر کراچی کی نمائندہ سیاسی جماعت کہ طور پر جانی جانے والی متحدہ قومی موومنٹ کہ قائد الطاف حسین صاحب نے وطنِ عزیز پاکستان کیلئے ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے جو کسی بھی محبِ وطن کیلئے لکھنا تو دور بولنا بھی گوارا نہیں کر سکتا اور یہ حادثہ پہلی بار بھی نہیں ہوا۔ کراچی میں آپریشن جاری ہے (ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے کراچی آپریشن کی زد میں ہی ہے) متحدہ قومی موومنٹ کا یہ کہنا ہے کہ یہ آپریشن ہمارے خلاف ایک بھرپور سازش کہ طور پر کیا جا رہا ہے۔ بارہا متحدہ قومی موومنٹ کو "را" سے منصوب کیا

گیا ہے کہ یہ وہ سیاسی جماعت ہے جو "را" کہ منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں برسرِ پیکار ہے۔

را" کبھی مذہبی نفرتیں پھیلا کر موت کا رقص کرواتی ہے تو دوسری طرف سیاست میں " تو بھرپور طرح سے قدم جمائے ہوئے ہے۔ "را" وہ لفظ ہے جسے کسی کہ ساتھ لگا دیا جائے تو وہ " شجرِ ممنوع" بن جانا چاہئے۔ مگر ہمارے یہاں ایسا نہیں ہو رہا۔ مندرجہ بالا سرسری سے تجزیے کی روح سے اپنے ملک کہ تمام قانون نافذ کرنے والے اداروں سے سوال یہ بنتا ہے کہ کیا پاکستان کو بھارت کی خفیہ تنظیم "را" چلا رہی ہے؟ کیا پاکستان کی خودمختاری کے فیصلے کوئی اور کر رہا ہے؟ کیا ہم پاکستانی اپنے گھروں میں محفوظ نہیں ہیں؟ کوئی بھی کہیں بھی ہمیں جب چاہے اپنے ہی وطنِ عزیز کہ خلاف استعمال کرلے اور ہم باآسانی استعمال ہو جائیں؟ ان سوالوں کی روشنی میں اب پاکستانی ہونے کی شناخت "شناختی کارڈ" نہیں رہا۔

اب تو پورا کہ پورا پاکستان مشکوک ہو چکا۔ پاکستان کی ساری سیاسی قیادت مشکوک ہو چکی۔ پاکستان اور پاکستانیت خون کہ آنسو رو رہی ہے ہر مخلص پاکستانی اپنے ہی خلوص کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ ہمارے آباؤاجداد کی روحیں مچل رہی ہو نگی کہ ہماری قربانیاں رائیگاں جا رہی ہیں۔

ہم دعاگو ہیں اللہ پاکستان کو استحکام و دوام بخشے اور ایسے تمام لوگوں کو جو ملک دشمن ہیں "را" یا کسی اور غیر ملکی خفیہ ادارے کا حصہ ہیں، بے نقاب کردے (آمین یارب العالمین)

فیصلہ پاکستانی عوام کو کرنا ہے

ہر روز ہم پاکستانیوں کو کوئی نا کوئی اپنی " تبدیلی " کی بھینٹ چڑھا رہا ہوتا ہے۔ ہم ہر روز وہی ڈر اور خوف لئے جیتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں "وی آئی پی کلچر" کوئی چھوڑنے کو تیار نہیں ہے، ملک سے باہر جمع کیا ہوا پیسہ کوئی پاکستان میں لانے کو تیار نہیں ہے، دوسروں کو پاکستانیت کا درس دینے والے پاکستانی اشیاء کو استعمال کرنے کو کوئی تیار نہیں ہے، ملک دشمن عناصر اور محبِ وطن میں کوئی فرق کرنے والا نہیں ہے، کوئی سچ بولنے، سننے کو تیار نہیں ہے سب بولنے اور بس بولنے کہ شوقین ہیں کوئی سننے کو تیار نہیں ہے (قدرت بھی سوچ میں مبتلا ہے کہ اب بغیر کانوں کہ بچے بھیجنا شروع کردے کیونکہ انہوں نے بھی سننا تو ہے ہی نہیں)، اخبار، ریڈیو، ٹیلیوشن اور دیگر خبر رساں وسائل سب اِدھر کی ادھر اور ادھر کی اِدھر کرنے میں مصروف ہیں۔ ہم پاکستانیوں نے تہذیب و تمدن کا جنازہ نکال دیا ہے۔ بغیر کسی تحقیق کہ مساجد میں امام رکھ لیتے ہیں اور بغیر کسی تصدیق کہ بچوں کہ استاد رکھ لیتے ہیں۔ الیکشن ہوتے ہیں تو جذباتی تقریروں کہ طوفانوں میں بہتے ہی چلے جاتے ہیں اور اسی خمار میں بہتے بہتے ووٹ بھی ڈال آتے ہیں پھر جب طوفان تھمتا ہے تو خمار اترتا ہے، پھر وہ سب خواب سا لگتا ہے اور تقریریں کرنے والے کہیں بہت دور جاچکے ہوتے ہیں۔ اسائشوں اور آسانیوں

کی زندگی میں۔ پھر ہم پاکستانی پانی کیلیئے برتن اٹھائے اٹھائے گھومتے رہتے ہیں، بجلی کی مر ہونِ منت گرمیوں سے جان بھی گنوا دیتے ہیں، ایک ایک روٹی کیلیئے مارے مارے پھرتے ہیں، سڑکوں پر بھیک مانگتے ہیں، کب تک بچوں کہ سامنے خالی ہاتھ لوٹیں خودکشی کرلیتے ہیں یا بچوں کی جان لے لیتے ہیں۔ سارے کا سارا قصور ہم پاکستانی عوام کا ہے۔ کوئی بھی کہیں بھی کھڑا ہو کر تقریر کرنا شروع کردے بس اس کی باتوں کو سمجھے بغیر تالیاں بجانا شروع کردیتے ہیں۔ معلوم نہیں کہاں سے ہمارے مزاج میں یہ چیز آ گئی کہ کسی بھی کام کو مکمل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، بس جہاں دل بھر گیا وہیں چھوڑا اور کچھ کرنے بیٹھ گئے۔

جس طرح گھر، گھر والوں سے ہوتا ہے بلکل پاکستان بھی ایک گھر ہے اور پاکستانی اس کہ مکین ہیں۔ یہاں خطیر رقم خرچ کر کہ سڑکوں پر سڑکیں تعمیر کی جارہی ہیں، میٹرو بس سروس چلائی جارہی ہے جس کیلیئے خصوصی راستے بنائے جارہے ہیں۔ اہم ترین تاریخی عمارتیں جنہیں تاریخی ورثہ کہ طور پر ابتک سنبھال کر رکھا گیا تھا ان راستوں کی وجہ سے مسمار کیا جارہا ہے، صرف اور صرف ان سڑکوں کو تعمیر کیلیئے، اورنج ٹرین کیلیئے۔ یہ سلسلہ لاہور سے شروع ہوا، راولپنڈی سے ہوتا ہوا اب کراچی پہنچ چکا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ ان سڑکوں کی تعمیر کا کام بہت تیزی سے جاری و ساری ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ " کیا

پاکستان کی طبعی شکل سدھارنے کی ضرورت زیادہ ہے یا پاکستان میں رہنے بسنے والے، پاکستان پر مرمٹنے والوں کی زندگیاں سدھارنے کی ضرورت زیادہ ہے"۔ انہیں پینے کو پانی نہیں مل رہا، انہیں کھانے کو کھانا نہیں مل رہا، انہیں ہسپتالوں سے علاج نہیں مل رہا، انہیں گیس بجلی نہیں مل رہی، تعلیم کا نظام بدترین ہوا جا رہا ہے، نکاسی آب کا کوئی انتظام نہیں دیکھ رہا، گلی محلے کچرا خانہ بنے ہوئے ہیں۔ ہر پاکستانی اپنے آپ سے سوال کر رہا ہے کہ کیسے ووٹ دیتے ہو کون تمھاری سنتا ہے کون تمھارے روتے بچوں کو چپ کرانے یا بہلانے آتا ہے، سب کو تو بس بولنے کا شوق ہے کون تمھاری سننے آتا ہے۔ ہر پاکستانی شرمندہ شرمندہ سا نظر آتا ہے اور سر جھکائے کھڑا رہتا ہے اور پھر اس وقت وعدہ کرتا ہے کہ اب کی ووٹ کا سہی استعمال کرونگا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا ہو ہی نہیں سکتا اسے ووٹ تو اپنی زبان بولنے والوں کو ہی دینا ہوتا ہے یا پھر اپنی برادری والے کو دینا ہوتا ہے یا پھر اپنے ہم مسلک کو دینا ہوتا ہے۔ گزشتہ 70 سالوں سے یہی سب چل رہا ہے۔

پاکستانی عوام نے جس دن اپنے " ضمیر " کی آواز پر لبیک کہہ دیا اس دن پاکستان میں تبدیلی آ جائے گی۔ پاکستان دنیا کا وہ ملک ہے جہاں سیاسی اور مذہبی رہنما اپنے اپنے ذاتی" مفادات کی خاطر عوام کو بھینٹ چڑھاتے رہتے ہیں اور خود آسائشوں کہ مزے" لوٹتے پھرتے ہیں۔ ہمارے حکمران ایسے ہیں کہ

عوام کو دیکھانے کیلیئے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور پھر حکومت یا اختیار کی خاطر گلے بھی لگ جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سڑکوں پر گھسیٹنے کی باتیں کرتے ہیں، پھر فرشی سلام کرکہ خوش آمدید بھی کرتے ہیں اور ساتھ بیٹھ کر انواؤ اقسام کہ ایک دوسرے کو کھانے بھی کھلاتے ہیں پھر گلے بھی لگاتے ہیں۔ ہم پاکستانی یہ سمجھتے ہیں کہ دیکھو ہماری خاطر انہوں نے اپنی لڑائیاں ختم کردیں سب گلے شکوے دور کردئے درحقیقت اس سارے معاملے کہ پیچھے انکا اور انکے خاندانوں کے مفاد ہوتے ہیں جو کسی پاکستانی سے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک ہی گھر میں مختلف جماعتوں کہ رہنما رہتے ہیں۔ ایک ہی خاندان مگر مختلف سیاسی و مذہبی مزاج۔ یہ ہمارے ملک کا بہت معزز اور مخصوص طبقہ ہے۔

اگر یہ واقعی پاکستان اور پاکستانی قوم سے مخلص ہیں تو آج تک ہمارے ملک میں اچھے سرکاری ہسپتال کیوں نہیں بنوائے گئے جہاں کم از کم ایک عام آدمی اپنا علاج معالجہ بغیر بھیک مانگے کرواسکے اور ہمارے ملک کہ حکمرانوں اور امراء کو دنیا کہ مہنگے ترین ہسپتالوں میں علاج کروانے نا جانا پڑے۔ اگر یہ واقعی پاکستان اور پاکستانی قوم سے مخلص ہیں تو کم از کم پینے کے پانی کی فراہمی تو یقینی بنائیں۔ اگر یہ واقعی پاکستان اور پاکستانی قوم سے مخلص ہیں تو کم از کم تعلیم پر ایسی توجہ تو دے دیں جیسی اپنے اور اپنے خاندان کہ رہن سہن پر دیتے ہیں۔ انصاف کہ بغیر معاشرے نہیں پنپتے جہاں منصف بکتا

ہو اور سزائیں صرف غریب نادار اور لاچاروں کے حصے میں آتی ہوں، کوئی سننے والا نا ہو۔ جہاں حکمران قانون سے بالاتر ہوں، قانون انکے جرائم کی حفاظت پر معمور ہو جائے، اگر یہ واقعی پاکستان اور پاکستانی قوم سے مخلص ہیں تو انصاف مہیہ کریں اور سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اگر اپنے اپنے کئے پر کوئی ندامت نہیں ہے تو اپنے آپ کو عوام کہ سامنے پیش کردو۔ بس پاکستانیوں کو وہ پاکستان دے دو جس کیلئے قربانی در قربانی یہ عوام یہ پاکستانی دیئے جا رہا ہے۔ دیر نہ کردینا اس قوم کو اسکا صحیح معنوں میں حق ادا کر دینا۔

فیص احمد فیض صاحب کہ اس شعر پر اپنے اس مضمون کا اختتام کرونگا کہ :

مِٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کروگے

منصف ہو تو اب حشر اُٹھا کیوں نہیں دیتے

قومی یا لسانی سیاست

پاکستان میں سیاست کم لسانیت زیادہ ہے، مفادات زیادہ ہیں، حق تلفیاں زیادہ ہیں، بہروپے زیادہ ہیں اور اقرا باء پروری زیادہ ہے۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کی ویب سائٹ پر موجود فہرست کے مطابق 327 سیاسی و مذہبی جماعتیں پاکستان میں اپنی سیاسی رنگینیاں بکھیر رہی ہیں۔

پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کا جائزہ لیں، پاکستان پیپلز پارٹی جو مزاجاً سوشلسٹ جماعت ہے 1967 میں وجود میں آئی، جسے پاکستان کی ایک بڑی اور مضبوط جماعت کے طور پر جانا جاتا تھا۔ یہ جماعت سندھ میں پیدا ہوئی اور پھر پورا پاکستان گھوم کر واپس سندھ میں آ گئی۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت بھی زبان کی بنیاد پر منقسم ہو چکی ہے کیونکہ اس کہ بانی سندھی زبان بولنے والے لوگ تھے تو آج بھی جماعت کی اعلی قیادت سندھی زبان بولنے والوں کہ پاس ہی ہے۔ یہ جماعت اب تک چار دفعہ وفاق میں اور اتنی ہی دفعہ صوبہ سندھ میں حکومت بنائی۔

پاکستان کی ایک اور بڑی سیاسی جماعت پاکستان مسلم لیگ (ن) جو 1985 سے کام

کرنا شروع کیا یہ جماعت مذہبی مزاج رکھنے والی معتدل مزاج جماعت کے طور پر جانی جاتی ہے، اس جماعت کو لیجئے یہ پنجاب کے وسیع علاقے کی نمائندگی کرنے والی جماعت ہے، ان کی اعلی قیادت کا تعلق پنجاب سے ہے تواہم ترین ذمہداریاں ان کے ہی پاس ہیں۔یہ جماعت بھی وفاق اور صوبہ پنجاب میں اقتدارپر براجمان رہی ہے۔

خیبر پختونخواہ سے تعلق رکھنے والی جماعت عوامی نیشنل پارٹی پشتون بولنے والوں کی نمائندہ جماعت رہی ہے 1986 میں بنی۔ صوبائی سطح پر بھرپور کامیابیاں بھی حاصل کرتی رہی ہے اس کی اعلی قیادت پر نظرڈال لیجئے۔ یہ جماعت وفاق میں اقتدار والوں کے ساتھ رہی ہے اور خیبر پختونخواہ میں اپنی حکومت بھی بنا چکی ہے۔ مگر عوامی کی امیدوں پر پورا نا اتر سکی۔

پاکستان تحریک انصاف 1996 سے انصاف کی تلاش نکلی یہ جماعت بھی ایک شخص کا احاط کئے ہوئے ہے، یہ عمران خان صاحب کے ساتھ ساتھ گھوم رہی ہے۔ تحریک انصاف پاکستان کی سیاست میں وہ پودا ہے جو تھوڑی بہت جمہوریت میں پیدا ہوا ہے۔ خان صاحب کو کرکٹ کی شہرت اور شوکت خانم ہسپتال کا فلاحی کام تیزی سے پاکستان کے سیاسی افق پر نمایاں کئے ہوئے ہے۔ خان صاحب کی شخصیت سحر زدہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ یہ قافلہ ایوانوں تک تو پہنچ گیا مگر ابھی اہم ترین

ذمہ داری کی تگ و دو جاری و ساری ہے۔ لگتا یوں ہے کے خان صاحب ملک سے کرپشن ختم کر کے ہی دم لینگے۔ یہ جماعت ابھی تک وفاق میں اکثریت لینے سے قاصر رہی ہے اور خیبر پختونخواہ میں پہلی دفعہ حکومت بنائی ہے۔

پاکستان کی واحد سیاسی اور مذہبی جماعت، جماعتِ اسلامی ہے اور یہ وہ جماعت ہے جو پاکستان بننے سے قبل بن چکی تھی یعنی اس جماعت کی بنیاد 1941 میں رکھی گئی یہ پاکستان کی وہ بڑی اور مضبوط جماعت ہے جو آج تک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اپنی حکومت نہیں بنا سکی۔ انہوں نے اسلام کی سربلندی کیلئے قربانیاں بھی دیں اور کام بھی کیا مگر سیاسی افق پر کوئی خاطر خواہ کارناماں سرانجام دینے سے قاصر ہیں انہوں نے احتجاجی سیاست کو اپنا شعار بنایا ہوا ہے اور اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے سرگردہ ہیں، یہ جماعت بھی پنجاب میں پیدا ہوئی۔

1984 میں پاکستانی سیاست میں مہاجر قومی موومنٹ کے نام سے ایک سیاسی جماعت نے اردو بولنے والوں کے حقوق کا الم اٹھایا اور ملک میں پہلی دفعہ متوسط طبقے کو اپنے مفادات کی آواز اسمبلیوں تک پہچانے کا موقع ملا۔ اس جماعت میں ایسے لوگ بھی تھے جو تعلیم یافتہ تو تھے مگر متوسط یا نچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ کرتا پاجامہ پہنے یہ سادہ لوح لوگ اردو زبان بولنے والوں کی

نمائندگی کرنے کا عزم لئے اسمبلیوں میں جا پہنچے۔ یہ خدمت کے ایسے جذبے سے سرشار تھے کے اپنے محلوں میں ہی رہتے رہے اور کسی بھی فرد کے کام آنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پھر اس جماعت پر ایک انتہائی پر خطر دور آیا اور اسے اپنی بقاء کی امید دم توڑتی نظر آئی مگر خدا کچھ اور منظور تھا عوامی طاقت نے اس جماعت کو دوام بخشا۔ ہمارے اداروں کو اس جماعت کی حب الوطنی پر یقین آگیا اور دوبارہ انہیں سیاسی جماعت کے طور پر جگہ دے دی گئی۔ انہوں نے پھر الیکشن میں حصہ لیا پھر بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ 1997 میں اس جماعت نے قومی سیاست کا حصہ بننے کیلئے یا لسانیت کا ٹھپہ ہٹانے کیلئے نام بدلا اور لفظ مہاجر کی جگہ متحدہ نے لے لی یوں اس جماعت کا نام متحدہ قومی موومنٹ ہوگیا۔ اب یہ جماعت کراچی سے اور سندھ کے شہروں سے نکل کر پاکستان کے دوسرے شہروں میں اپنے قدم جمانا چاہتی تھی اور اپنے آپ کو قومی دھارے میں شامل کرنا چاہتی تھی۔ ایسا ہوا بھی پنجاب کے مختلف شہروں میں بڑے بڑے جلسے کئے گئے، ریلیاں نکالی گئیں۔ بلوچستان، خیبر پختونخواہ اور گلگت بلتستان سے الیکشن میں اپنے امیدوار بھی کھڑے کئے اور کچھ نا کچھ حاصل بھی کیا۔ مگر یہ جماعت اپنے مرکز یعنی کراچی کو نا سنبھال سکی۔ کراچی کے مسائل روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ ٹارگیٹ کلنگ، بھتہ خوری، چھینا جھپٹی، چوری ڈاکا اور خوف وہراس روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ پانی کا مسلئہ حل کرنے والا کوئی نہیں تھا، کراچی کچرے کا ڈھیر بنتا جا رہا تھا دیکھنے والا سننے والا کوئی نہیں تھا ،

کواچی والوں کے سیاسی نمائندے ٹیلیویژن پر ضرور نظر آتے تھے۔ کراچی اور کراچی والے اپنے آپ کو لاوارث سمجھنے لگے تھے۔ مگر کراچی والوں نے متحدہ کے ووٹرز نے کسی حال میں متحدہ قومی موومنٹ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ بائی الیکشن میں نتیجہ نے سب کے منہ بند کردئے۔ کراچی والوں کی اکثریت پاکستان سے محبت کا دم بھرتے نہیں تھکتے۔ پاکستان یا پاکستان کے کسی بھی حصے پر کبھی کوئی برا وقت آیا کراچی والے سب سے آگے تھے۔ بہت کوشش کی گئی کہ کراچی والوں کو بھی لاسانیت کی گھٹی پلادی جائے انہیں ورغلایا جائے۔ مگر ایسا ممکن ہی نہیں، آج کراچی میں گنے چنے لوگ ہونگے جو پاکستان بننے کے چشم دید گواہ ہونگے مگر ہمارے بڑوں نے ہمیں بتایا کہ پاکستان کیسے بنا ہے ہم پاکستانی ہیں اس کے بعد اگر کچھ ہیں تو ہیں۔ پاکستان ہم سے ہے اور ہم پاکستان سے۔ متحدہ قومی موومنٹ کو کالی بھیڑوں سے پاک کرنا ہوگا اور اپنے ووٹرز کو یقین دلانا ہوگا کے وہ حقیقی معنوں میں ایسے کسی شخص کو اپنی جماعت کا حصہ نہیں بنائینگے اور نا اپنی جماعت کو پاکستان مخالف مقاصد کیلیئے استعمال ہونے دینگے۔

کراچی نہیں پورے پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو اپنے اندر موجود کالی بھیڑوں کو ڈھونڈنا ہوگا تاکہ پاکستان کی ترقی اور سالمیت کو لاحق خطرات سے دور کیا جاسکے۔

مذکورہ بالا سیاسی جماعتوں اور انکے سیاسی نمائندوں پر طویل مباحثہ

بھی کیا جاسکتا ہے اور زیادہ گہرائی میں بھی جایا جاسکتا ہے مگر اس سے حاصل وہی ہوگا جو ہمیں طائرانہ نظر ڈالنے سے مل چکا ہے۔ سندھ کے حوالے سے بات ہوتی ہے تو تمام سندھ کی سیاسی جماعتیں ایک صفحہ پر آجاتی ہیں اسی طرح دیگر صوبوں کا بھی حال ہے، اس روش کو بدلنا ہوگا لسانیت اور صوبائیت کی سیاست ترک کرنا ہوگی۔ متحدہ ایک بار پھر کراچی میں میئر شپ اور ڈپٹی میئر شپ جیت چکی ہے اور آج میئر وسیم اختر اور ڈپٹی میئر ارشد عبداللہ وہرہ صاحبان اپنی ذمہ داریوں کا حلف لے چکے ہیں۔ کراچی والے ایک بار پھر متحدہ قومی موومنٹ پر اپنے بھروسے کی مہر ثبت کر چکے ہیں اور اب وقت آگیا ہے کہ یہ لوگ اپنی بقاء کی جنگ عوامی مسائل حل کرکے جیت لیں۔

ہم انتظامی امور میں بہت قدامت پسند ہیں، جو جیسا چل رہا ہے چلنے دو کون وقت کے ساتھ بدلتے حالات کی روح سے ان معاملات کو جانچے اور نئی اصطلاحات پیش کرے۔ سرکاری اداروں میں تو آج بھی بوسیدہ نظام بہت بری طرح سے چل رہا ہے۔ ہم نظاموں پر تو بعد میں بات کرینگے یہاں رویے بدلنے کی کوشش نہیں کی جارہی۔ پچھلے دنوں این جی اوز کیخلاف کاروائی ہوئی اور پھر ضابطہ اخلاق مرتب دیا گیا، ریجسٹریشن کا نیا نظام متعارف کرایا گیا اور اسطرح سے بہت سارے معاملات کو اندھا دھند چل رہے تھے لگام ڈالی گئی۔ افغان مہاجرین کی ریجسٹریشن کا معاملہ بھی اس وقت قابلِ عمل ہوا جب ملک میں دہشت گردی کے

واقعات بڑھنے لگے۔ سن 2005 میں تاریخ کا بدترین زلزلہ آیا اس زلزلے سے نمٹنے کیلئے کوئی باضابطہ ادارہ نہیں تھا اور پھر نیشنل ڈیزاسٹر مینیجمنٹ کا ادارہ بنایا گیا۔ اگر یوں لکھوں تو شائد غلط نہیں ہوگا کہ ہم حادثے کا انتظار کرتے ہیں کہ ہوجائے پھر سدِباب کرینگے۔ ہم لوگ معاملات کو اس وقت تک سنجیدہ نہیں ہوتے جب تک پانی سر تک نا آجائے شائد یہ کہاوت ہمیں دیکھ کر ہی پیدا ہوئی ہوگی کہ "پانی سر سے گزر گیا"

وزارتِ داخلہ نے جسطرح لاتعداد این جی اوز کا "ضابطہ اخلاق" مرتب کیا ہے بلکل اسی طرح 327 سیاسی جماعتوں کی بھی جانچ پڑتال کی جائے تاکہ معلوم ہوسکے کون پاکستان کی بقاء کی سیاست کر رہا ہے اور کون کسی دشمن کا آلہء کار بن کر ہمارے وطنِ عزیز کو کھوکھلا کرنے میں مصروف۔ پاکستان میں قومی سیاست کو فروغ دینا ہوگا اور لسانی سیاست سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ جو سیاسی جماعتیں اپنا وجود نہیں رکھتیں یا کوئی ان کا والی وارث نہیں انہیں باقاعدہ اعلانیہ طور پر بند کیا جائے۔ انشاء اللہ پاکستان کو افاقہ ہوگا تو ہم سب کو بھی آفاقہ ہوگا اللہ ہمیں صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اللہ ہم سب کا اور ہمارے پاکستان کا حامی و ناصر ہو (آمین)

سیاسی آمریت سے نجات

کائنات میں موجود ہر شے اپنے ہونے کی کوئی نا کوئی وجہ رکھتی ہے۔ انسان ان وجوہات کو جاننے کیلئے سرگردہ ہے، اسی کوشش میں زمین کی تہہ تک چلا گیا اور کیا کیا قدرت کے پوشیدہ خزانے نکال لایا۔ ہم ان قدرت کے خزانوں کو مدنیات کے نام سے جانتے ہیں۔ پھر حکیم الامت علامہ محمد اقبال کی نشاندہی پر کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور آسمان کا رخ کیا۔ کہکشاؤں میں گھومنے لگا، رہنے کیلئے نئی جگھوں کی تلاش شروع کردی اور مریخ پر زندگی کے اثرات کی بحث چھیڑ دی۔ ایک طرف تو انسان کو ضرورت کچھ نیا کرنے پر اکساتی ہے تو دوسری طرف انسان یکسانیت سے چھٹکارا پانے کیلئے کچھ نیا کرنے کی جستجو میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اختلافِ رائے کی بنیاد پر مختلف نظریات نے جنم لینا شروع کیا۔ نظریاتی اختلافات کی بنیاد پر معاشرتی تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہوئیں۔ ان اختلافات کی بنیاد پر ہی سرحدیں بننا شروع ہوئیں۔ اب ان سرحدوں کی حفاظت کیلئے جدید ترین اسلحہ سے لیس فوجیں تعینات ہیں۔ ان سرحدوں کی حفاظت کیلئے انسان نے ایٹم بم بنا لیا ہے۔ سرحدوں کے ادھر بھی ادھر بھی ہماری طرح کے لوگ رہتے ہیں مگر سرحدوں کے تعین کرنے والوں نے ایک دوسرے سے ڈرنے اور خوفزدہ رہنا سیکھا دیا ہے۔

پاکستان دنیا کی وہ واحد مملکت ہے جسے نظریاتی مملکت کہا جاتا ہے۔ جس کیلئے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر تحریک چلائی گئی۔ یہ دو قومی نظریہ بنیادی طور پر ہندو قوم اور مسلمان قوم تھا۔ ہندوستان میں اور بہت ساری قومیں بھی آباد تھیں لیکن ہندو اور مسلمان دو اکثریتی قومیں تھیں یا اسکی کوئی اور وجہ۔ یقیناً ہندوستان میں ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی لیکن انگریز نے اقتدار مسلمان حکمرانوں سے چھینا تھا اور ہندو یہ کبھی نہیں چاہتا تھا کہ اقتدار واپس مسلمانوں کو ملے۔ تقریباً ہزار سالہ اقتدار کا آفتاب غروب ہوگیا اور حکمران طبقے کی زبوں حالی کا دور شروع ہوگیا۔ سال ہا سال سے محکوموں کو بدلہ لینے کا موقع مل گیا جلتی پر تیل ڈالنے کا موقع مل گیا۔ حقیقت میں دو قومی نظریہ سر سید احمد خان نے پیش کر دیا تھا لیکن ان کی نظر میں ان کا بنیادی مقصد مسلمانانِ ہند کی تعلیم کا مسئلہ تھا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کیلئے ہمیں تعلیم حاصل کرنا ہوگی۔ کسی مرکزی قیادت کا نا ہونا ان مسائل کو بڑھاتا چلا گیا۔ آخر کار ہندوؤں کو موقع مل گیا کہ وہ مسلمانوں سے چن چن کر اپنے اوپر حکومت کرنے کے بدلے لیں۔ ہندو بظاہر انگریزوں سے لڑتے جھگڑتے مگر ان کا اصلی دشمن انگریز نہیں تھا۔ وہ انگریزوں کہ ہاتھ مسلمانوں کے خلاف مضبوط کرتے اور انگریز سرکار سے قریب ہونے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ مسلم لیگ سن 1906

میں وجود میں آئی اور تحریک پاکستان کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مسلمانوں کے سارے رہنماء ایک پلیٹ فارم پر اکھٹے ہوگئے اور ایک مقصد کے حصول کیلئے دن رات ایک کر دیا۔ دن رات کی محنت رنگ لائی، انگنت قربانیاں رنگ لائیں اور دیکھنے والوں نے قیامت سے پہلے قیامت کے منظر دیکھے۔ اس سرزمین پاکستان کیلئے ماؤں نے اپنے جان سے پیارے لالوں کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اس سرزمین کو اپنے لہو سے سینچا اور اسکی ابیاری کی۔ پاکستان وجود میں آگیا۔ دنیا کی دو عزیم طاقتوں (ہندو اور انگریز) کو تاریخ کی بدترین سیاسی و نظریاتی شکست کا سامنا کرنا پڑا اور پاکستان قائدِاعظم کی انتھک کوششوں کہ نتیجے میں دنیا کہ نقشے پر ابھر گیا۔ پاکستان زندہ باد کے نعروں کی صداؤں سے نا جانے کتنے لوگوں کے دل خوشی سے پھٹ گئے ہونگے۔ وہ پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگانے کیلئے زندہ تھے۔ انکے لئے اس نعرے کی اہمیت کسی کلمے سے کم نہیں تھی۔

پاکستان ایک سیاسی جماعت کی مرہونِ منت وجود میں آیا۔ اس جماعت نے اپنی ساری توانیاں پاکستان کو بنانے میں پھر اس کو سنوارنے میں لگائے رکھیں۔ پاکستان بننے کہ کچھ عرصے بعد دوسری سیاسی جماعتوں نے جنم لینا شروع کیا پھر سیاسی جماعتوں کی دیکھا دیکھی مذہبی جماعتیں بھی منظرِ عام پر آنا شروع ہوگئیں۔ پھر تحریک پاکستان کی قیادت کو انتخابات کہ عمل سے گزرنا پڑا یقیناً وہ لوگ جمہوریت کی خاطر یہ سب برداشت یا سہہ گئے ہونگے۔ ان حقیقی

تحریکی لوگوں کہ ساتھ کیا کچھ ہوا ہم اس کی گہرائی میں پھر کبھی چلے جائینگے۔ پھر مارشل لاء لگائے گئے پھر جمہوریت بحال ہوئی پھر مارشل لاء پھر جمہوریت یہ آنکھ مچولی جاری و ساری ہے۔ ہمارے ملک میں فوجی حکومتوں کا دور حسبِ ضرورت ذرا زیادہ رہا جس سے یہ تاثر لیا جاسکتا ہے کہ ہمارے ملک کا عام ذہنیت کا آدمی فوجی سوچ رکھتا ہے یعنی حکم چلانے کا شوقین یا عادی۔ اب ان ہی ذہنوں نے سیاست کی باگ دوڑ بھی سنبھال رکھی ہے۔

پاکستان تقریباً تین سو سے زیادہ سیاسی و مذہبی جماعتیں جھیل رہا ہے یا پال رہا ہے۔ یہ جماعتیں مختلف نظاموں کو بچانے کے لئے اور کچھ نیا نظام لانے کیلئے برسرپیکار ہیں۔ کسی نے روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا تو کسی نے کوٹہ سسٹم ختم کروانے کی بات کی، کوئی نفاذ اسلام کا داعی بن گیا اور کوئی ملک میں انصاف کا بول بالا کرنے نکل کھڑا ہوا، کسی نے تعلیم کو ہتھیار بنانے کی باتیں کیں۔ مگر افسوس سیاست تو چل رہی ہے اور سیاست دان بھی مزے میں ہی ہیں عوام، عوام ہی ہو کر رہ گئی ہے۔ آجتک نا روٹی سہولت سے میسر آئی اور نا تن ڈھانپنے کو کپڑا، پانی، بجلی اور گیس آہستہ آہستہ ناپید ہوتی جارہی ہے۔ اتنے نظاموں میں سے نا تو کوئی نظام عوام کو کچھ دے سکا ہے اور نا ہی کسی نئے نظام سے کوئی امید لگائے رکھی ہے۔

اگر واقعی یہ ساری سیاسی جماعتیں جن میں سے اکثریت تو اپنے رہنماؤں کے ناموں سے جانی جاتی ہیں، وطنِ عزیز پاکستان سے مخلص ہیں تو یہ تین سو کیوں ہیں؟ یہ تین یا چھ کیوں نہیں ہیں؟ یہ جماعتیں اپنے اندر جمہوریت نہیں رکھتیں تو ملک کو کیا جمہوری طرز پر چلائینگی۔ اختلافِ رائے یا اختلافِ مزاج اتنے بڑے پیمانے پر نہیں ہوا کرتے اس ملک کو آمرنہ سوچ سے آزاد کروانے کی ضرورت ہے۔ ہم ایٹمی طاقت ہیں اور باقاعدہ طور پر پوری دینا میں صرف اور صرف آٹھ ایٹمی طاقتیں ہیں۔ دنیا اکیسویں صدی میں رہ رہی ہے اور کہاں سے کہاں جانے کے منصوبے بنا رہی ہے اور چلی بھی جا رہی ہے مگر ہم اختلافِ رائے پر پورے ملک کی سالمیت کو داؤ پر لگاتے نہیں چوکتے۔ ہر سیاسی جماعت ایک فرد کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ اگر سیاست نظریات کی ہوگی تو ملک آگے بڑھے گا ملک میں خوشحالی بھی آجائے گی۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کے آج کہ اخبارات میں ڈی جی رینجرز کی جانب سے اپیکس کمیٹی کے سامنے رکھے گئے کراچی کے وہ بنیادی مسائل ہیں جو سیاسی جماعتوں کو اٹھانے چاہیے تھے، آپکی ان مسائل کی جانب بروقت نشاندہی اور اقدامات قابلِ ستائش ہے۔ کراچی کا امن کافی حد تک بحال ہو چکا ہے اور اب ان ہی معاملات پر خصوصی توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ عوام کا اعتماد بحال کرنے کی ضرورت ہے، احساسِ محرومی ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ آپکا

نا صرف ایسا سوچنا بلکہ کہہ دینا یقیناً کراچی اور پاکستان کیلئے انتہائی خوش آئند ہیں۔ اب امید کی جاسکتی ہے کہ سیاسی حکمران ان تمام امور پر غور و خوض کرینگے اور جلد ہی کراچی والوں کو روشنیوں اور رونقوں کا شہر واپس مل جائے گا۔ کراچی کو اور کراچی والوں کو اب کھلی فضاء میں سانس لینے کا موقع ملنا چاہیۓ، گھٹن زدہ ماحول سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیۓ۔

ہمیں غلامی کی زنجیروں سے، ہمیں خوف ناک تقریروں سے، ہمیں آہ و فغاں اور نالوں سے آزادی چاہیۓ، ہمیں اناؤں کی بھینٹ چڑھانا بند کیا جائے۔ ہم بھی دنیا کے باقی انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں۔ سیاسی آمروں کو اور حکم چلانے والوں کو یہ بات سمجھ آجانی چاہیۓ کہ مفاہمت کی پالیسی پر ہی ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے ۔اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کے آمریت سے تو نجات ملتی رہی ہے اور مل ہی جاتی ہے مگر وطنِ عزیز کو سیاسی آمروں سے کب نجات ملے گی۔ ہم بھی اکیسویں صدی میں جانا چاہتے اور وہیں جینا چاہتے ہیں۔

اصل میں بوجھ کیا ہے

بوجھ کی دو قسمیں واضح ہیں ۔۔۔ایک بوجھ طبعی ہوتا ہے جو جسمانی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے جبکہ دوسرا بوجھ صرف من کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور جو بوجھ بھی من پر پڑتا ہے۔ اس کے لئے بصیرت کی ضرورت ہوتی ہےاور بصیرت ہر کسی کو نہیں ملتی یہ بھی محبت کی طرح خداوند تعالی اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔

دنیاڈیجیٹل ہوتی چلی جارہی ہے، اسمارٹ فون کی مرہونِ منت بہت سارا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے یا کم سے کم ہوگیا ہے۔ کیا بوجھ کو بوجھ کہا جائے یا نہ کہا جائے ؟؟؟بوجھ کو بوجھ کہنے کیلیئے معاشرتی اور اخلاقی دو مختلف جواز ہیں۔ کیا بوجھ کی ابتدائی شکل کچھ اور ہوسکتی ہے اور انتہائی شکل کو بوجھ کا نام دیتے ہیں؟؟؟ مختلف لوگ اس بحث کو مختلف زاویوں سے پیش کرینگے اور زیرِ بحث لائینگے۔ حقیقت میں بوجھ جو طبعی حیثیت میں ہے آپ ایک حد تک.برداشت کر سکتے ہیں کیونکہ یہ طبعی ہونے کی وجہ سے مخصوص جگہ گھیرتا ہے، وزن رکھتا ہے اور ایک حد تک ہی لادا یا اٹھایا جا سکتا ہے۔آپ ایسے کسی بھی طبعی بوجھ کو.برداشت کر سکتے ہیں۔ اب تو سائنس کی بیش بہا ایجادات نے انسان کی مشکل بہت آسان کردی ہے۔اسے طبعی بوجھ کی مشکل سے نجات دلا دی ہے۔ جب کہ بوجھ کی

دوسری صورت بغیر شکل کے ہوتی ہے۔ نہ ہی گھیری ہوئی جگہ کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی وزن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس بوجھ کے بڑھنے کا تقاضا بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ظاہری آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے۔

مشرق اور مغرب، بہت سارے دوسرے امور کی طرح بوجھ کے معاملے میں بھی مختلف ہیں۔ مغرب میں ہر فرد اپنی زندگی انفرادی حیثیت سے گزارتا ہے یا گزارنا چاہتا ہے۔ جو دل چاہا وہ کیا جو دل نہیں چاہا اسے کرنے یا کروانے کیلئے کوئی زبردستی نہیں کر سکتا۔ مشرق میں مشترکہ خاندانی نظام ہوتے ہیں جو وہ سب کرنے پر مجبور کرتے ہیں جسکا دل چاہے یا نا چاہے، اس عمل کو تربیت کا انداز یا حصہ بھی قرار دیا جاتا ہے، اس ماحول میں کوئی نا کوئی ضابطہ اخلاق ہر خاندان کا خاصہ ہوتا ہے جو اس خاندان کو دیگر خاندانوں سے منفرد کرنے میں اپنا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مشرق میں کوئی خاندان سے بغیر بغاوت کئے زندگی "شتر بے مہار" کی مانند نہیں گزار سکتے۔ صبح کب اٹھنا ہے اور رات کو کب سونا ہے۔ جبکہ مغرب میں والدین پر انکے اپنے پیدا کئے ہوئے بچے بوجھ بن جاتے ہیں اسی طرح ایک وقت آتا ہے جب بچوں پر انکو پیدا کرنے والے ماں باپ بوجھ بن جاتے ہیں۔ مغرب میں ہر فرد اپنا بوجھ خود اٹھاتا ہے اور اسے سخت زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ ان لوگوں کو اس پر فخر بھی ہوتا ہے لیکن انکا یہ فخر ان کی طبعیت میں کھردرا پن پیدا کر دیتا ہے جس سے انکی روح زخمی ہو جاتی ہے

اور پھر وہ روحوں کو زخمی کرتا چلا جاتا ہے۔ اپنے اوپر نا نظر آنے والا بوجھ بڑھاتا ہی چلا جاتا ہے۔

بوجھ کی پہلی صورت کو طبعیات کہ طالبِ علم بہت بہتر طریقوں سے سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں۔ ہم یہاں اس بوجھ کا تذکرہ کررہے ہیں جو نظر تو نہیں آتا مگر نظر آنے والے بوجھ سے بہت زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ ایسے بوجھ کو خیالی یا روحانی بوجھ بھی کہا جاسکتا ہے۔ انسان نا چاہتے ہوئے لوگوں کے کسی ایسے حلقے میں محصور ہوجائے جو اسکی طبعیت کے منافی ہو، وہ حلقہ یا اس حلقے میں موجود لوگ اس شخص پر بوجھ ہوگئے یا وہ شخص ان پر بوجھ ہوگیا۔ کسی بھی محفل کا حصہ بننے کیلئے یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ آپکی ذہنی ہم آہنگی اور مماثلت کسی حدتک ضروری ہے۔ کسی ظاہری خوبصورت شے کو دیکھ کر اسے پسند کرلیا جاتا ہے اس کے استعمال کے بعد جائزہ لیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کے یہ چیز مضبوط یا پائیدار نہیں ہے۔

اگر کوئی آج کل کسی سے میل ملاپ رکھنا چاہتا ہے تو زمانے بھر کی زبانوں پر اس تعلق کے حوالے سے سوال ہوتے ہیں اور آنکھیں سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہیں اور کچھ ایسی سرگوشیاں سماع خراشی کرتی ہیں کے "کوئی تو وجہ ہوگی اس میل ملاپ بڑھانے کی"۔ میل ملاپ کو ان جیسی وجوہات کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے، کسی

حد تک شائد ایسا ہی ہے مگر کیا بلکل ہی ایسا ہے؟ کیا آج کوئی بھی کسی سے بغیر کسی مطلب یا ضرورت کے نہیں ملتا، ایک کہاوت بڑوں نے مشہور کر رکھی ہے کے " بچے کو بھوک ماں کے پاس لے آتی ہے" کیا محبت اس بھوک کی محتاج ہے کیا ماں کا تعلق بھی کسی وجہ کا محتاج ہے" والدین پر اولاد بوجھ ہو سکتی ہے" اولاد پر والدین کیوں بوجھ بن جاتے ہیں" بہت عجیب و غریب سوالات اس دور میں جنم لے رہے ہیں۔ رشتوں یا تعلقات میں بوجھ کی بہت زیادہ اہمیت ہے ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں یہان لوگ بھائی بھائی کے بیچ نفرت کا بیج بونے کا بہانہ ڈوھنڈتے رہتے ہیں اور موقع ملتا ہی یہ بیج بو دیا جاتا ہے اور دو بھائیوں کو دو مختلف خاندانوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہاں لوگ ایسے ہو جاتے ہیں جیسے کعبے سے کافر۔

ہم اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کا بوجھ لئے ساری زندگی بوجھل بوجھل سے رہتے ہیں۔ دوسروں کو تنگ کرکے کسی تکلیف میں مبتلا کرکے اپنے نا معلوم مقاصد اور احداف تو حاصل کر لیتے ہیں مگر سکون سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور راتوں کو کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو دنیا کی رنگینیوں میں بہلانے کی ناکام کوششیں بھی کرتے ہیں کبھی کچھ تو کبھی کچھ کرتے چلے جاتے ہیں مگر بوجھ ہلکا نہیں ہوتا۔

آخر یہ بوجھ بڑھتا ہی کیوں جاتا ہے ؟اس بوجھ کے بڑھتے جانے کی اہم ترین وجہ جو بہت تلخ حقیقتیں ہیں، وہ ہیں حسد، غیبت اور جلن جیسے امراض کا کم یا زیادہ مقدار میں موجود ہونا ہے۔ انسان نے طبی امراض سے نجات حاصل کرنے کیلئے سائنسی علوم اور تجربات میں اہم ترین پیشرفت کی بدولت ایک سے بڑھ کر ایک ادویات تیار کر لی ہیں۔ درد اب درد نہیں رہا یہاں تک کہ اب دردِ زاہ جو ماں سے بچے کی تاحیات محبت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اب اس سے بھی نجات کے وسائل موجود ہیں۔ انسان ایک ایسے بوجھ سے جو نظر بھی نہیں آتا مگر بہت وزنی ہوتا ہے اٹھائے پھر رہا ہے۔ اپنے آپ سے چھپتا رہتا ہے۔ ہم سب اپنے اپنے بوجھ کو اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ اس بوجھ کی بدولت ہماری عبادات بھی بہت کم کم اپنے رب تک رسائی پاتی ہونگی اور دعائیں مقبول ہونے سے رہے جاتی ہیں۔

اس بوجھ سے نجات صرف اور صرف سچ اور حق گوئی میں ہے، ایک دوسرے کی خوشیوں کا سبب بننے میں ہے، ایک دوسرے کی خیر خواہی میں ہے، ایک دوسرے سے بانٹنے میں ہے، ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہونے میں ہے، ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک ہونے میں ہے، اپنی اپنی غلطیاں تسلیم کرنے میں ہے، دلوں کو صاف رکھنے میں ہے، ایک دوسرے کا حق دے دینے میں ہے اور ایک دوسرے کیلئے بھاگ دوڑ کرنے میں ہے۔ بوجھ خود با خود اتر کر کہیں گر جائے گا یا زائل ہو جائے گا یا پھر

ہوا میں تحلیل ہوجائے گا اور ہم حقیقی معنوں میں ہلکے پھلکے ہوجائینگے پھر اپنے رب سے سچی توبہ میں ہے یہ سچی توبہ رب سے سچی محبت پیدا کردے گی یہ سچی محبت دنیا اور دنیاداری سے محبت ختم کردے گی اور تمام بوجھ اتر جائینگے تن اور من ہلکے ہوجائینگے اور ہم ہواؤں میں معلق ہوجائینگے۔ ہمارے چہروں پر طمانیت آجائے گی ہر کوئی ایک دوسرے کو مسکراتا لگے گا۔ دل کی دھڑکنیں ردھم میں ہونگی۔ دعائیں مقبول ہونے لگینگی۔

دعائے اشفاق پر اس خاص مضمون کا اختتام کرونگا کہ اللہ ہمیں آسانیاں پیدا کرنے والا بنائے اور ہمارے لئے دنیا اور آخرت میں آسانی کا معاملہ فرمائے (آمین یارب العالمین)۔

اڑی کا واقعہ اور کشمیر

سیاست عوام کے مسائل کو حل کرنے کیلئے کی جاتی ہے، عوام کو سہولیات فراہم کرنے کیلئے کی جاتی ہے، عوام کی بھوک پیاس کے سدِباب کیلئے کی جاتی ہے، معاشرتی ضابطہ اخلاق مرتب دینے کیلئے کی جاتی ہے، معاشرے میں موجود اقدار کو دوام بخشنے کیلئے کی جاتی ہے، معاشرے میں اعتدال اور ہم اہنگی کے فروغ کیلئے کی جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر ناانصافی سے نجات اور انصاف کی بھرپور فراہمی اور بالادستی کے لئے کی جاتی ہے۔ دنیاکے دوسرے ممالک کے سیاسی ماحول کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کے ان ممالک کے سیاست دانوں کی سیاست ملکی استحکام کی صورت میں نظر آتی ہے اور اس کے ثمرات عوام تک پہنچتے ہیں، جسکی بدولت عوامی زندگی معمول کے مطابق گزاری جاتی ہے۔
عوام قابل ترین اور مخلص اشخاص کو ووٹ جیسی قیمتی شے دے کر منتخب کراکے اعوان میں بطور اپنا نمائندہ بھیجتے ہیں اور انکا اس یقین کے ساتھ کے منتخب شدہ نمائندہ معاشرے میں بہتری کیلئے کام کرے یہ ملک کی معیشت مستحکم کرنے کیلئے کام کرے گا، یہ ہماری زندگیوں سے مسائل کا قلع قمع کرے گا اور ہماری زندگیاں آسان بنائے گا۔
ہمیں پڑھایا کچھ جاتا ہے اور برتاؤ سے سمجھایا کچھ اور جاتا ہے۔ ہر فرد یہی کہتا ہوا سنائی دیتا ہے کہ سچ بولو، کسی کو تنگ مت کرو، لوگوں کیلئے

آسانیاں پیدا کرو اور اسی طرح نیکی کی نصیحتیں مگر یہ تمام کی تمام نصیحتیں کسی ایسی تصویر کی مانند ہوتی ہیں جو دیکھائی تو بہت خوبصورت دیتی ہیں مگر حقیقت میں بلکل مختلف ہوتی ہیں اور نصحیت کرنے والے ان پر عمل کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی سیکولر جمہوریت رکھنے والا ہمارا پڑوسی ملک کی سیاست کا ڈھنگ ہی نرالا ہے یہ عرصہ دراز سے نہتے کشمیریوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر ملکی سیاست کر رہے ہیں۔ آج جب میڈیا اتنی ترقی کر چکا ہے تو کچھ بھی چھپانا ممکن نہیں رہا آج کسی بھی خبر کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچنے میں بہت ہی قلیل وقت درکار ہوتا ہے۔ لیکن بھارت سفاکیت کی تمام حدیں پار کر چکا ہے، اخلاقیات کو تو پہلے ہی تار تار کر چکا، ساری دنیا سوشل میڈیا کے ذریعے بھارتی مظالم دیکھ رہی ہے مگر پھر بھی بھارت کو کسی قسم کے بین الاقوامی دباؤ کا سامنا نہیں کرنا پڑھ رہا ہے۔ ہم اس لمحہ فکریہ پر سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں۔

آخر ایسی کیا وجوہات ہیں کے دنیا جہان کے سیاستدان کشمیر کو لے کر بھارت کی بازپرس کرنے سے گریزاں ہیں۔ بھارتیوں کیلئے ایک گائے کا ذبح کرنا اور اسکا خون بہانہ اتنا بڑا مسلئہ ہے کے وہ اس ذبح کی گئی گائے سے کہیں زیادہ

مسلمانوں کا بہا دیتے ہیں ان کے نزدیک انسانیت کے قتل کی کوئی اہمیت نہیں انسانوں کے خون کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہر روز کشمیر کی وادی میں بھارتی درندے اپنے ظلم اور بربریت کی بدولت کسی گھر کا چراغ گل کردیتے ہیں، کسی کی عزت پامال کردیتے ہیں، کسی کی گود اجاڑ دیتے ہیں۔ یہ ایسے بے حس ظالم ہیں جو نا مرد عورت میں تمیز کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو معصوم بچوں اور بوڑھوں میں فرق نظر آتا ہے۔ ان سفاک درندوں نے وادی کی سنگلاخ زمین میں جو کچھ بویا ہے اب اس فصل کی تیاری کا وقت آگیا ہے۔ اب کشمیری اپنی آزادی کیلیۓ بہت منظم طریقے سے پر عزم دیکھائی دیتے ہیں۔ دوسری طرف غور طلب بات یہ کے اکیسویں صدی میں کشمیریوں کو پتھروں اور ڈنڈوں سے لڑتے دیکھ رہے ہیں بلکل ایسی ہی صورتحال فلسطین کی بھی دیکھائی دیتی ہے۔ ان دونوں کے خلاف دنیا کا جدید ترین اسلحہ سے لیس منظم افواج ہیں جو حق کی آواز کو دبانے میں پچھلی کئی دہائیوں سے برسرپیکار ہیں۔

آج کے اخبار میں ایک انتہائی مضحکہ خیز خبر چھپی ہے جس میں ہمارے پڑوسی ملک کے وزیرداخلہ محترم جناب راج ناتھ فرمارہے ہیں کے "پاکستان دہشت گرد ریاست ہے"، یعنی دہشت گردوں کو بھی کسی کو دہشت گرد کہنے کا معقع مل گیا۔ ہمسائے ملک کے وزیرداخلہ جو اپنے ملک کے داخلی امور ٹھیک کرنے میں تو مکمل ناکام رہے ہیں تو حسبِ معمول اور حسبِ عادت الزام تراشیوں کا ایک نیا باب کھول

دیا ہے۔ ہم پر اس الزام کے لئے جو منصوبہ بندی کی گئی کشمیر میں ہونے والے حالیہ مظالم سے بین الاقوامی میڈیا اور اربابِ اختیار کا دھیان ہٹانے کیلئے "اڑی" کا ڈرامہ رچایا گیا ہے۔ اس ڈرامے کا مقصد اقوام متحدہ کے اجلاس میں پاکستان کے موقف کو کمزور کرنے کی ایک انتہائی گھٹیا اور ناکام کوشش ہے۔ دوسری طرف دنیا کی بہترین اور صفحہ اول کی بہترین پیشورانہ امور سے لیس پاکستانی افواج کو بھی للکارا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستانی فوج کو للکارتے ہوئے انکی زبانیں بھی لڑکھڑائی ہونگی اور بہت محتاط طریقے سے ایسا بیان دیا گیا ہوگا اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ بیان صرف تحریری ہی ہو کیونکہ بزدل دشمن میں اتنی جرات ہے ہی نہیں کے اکی زبان شیر دل پاکستانی فوج کو للکار سکے۔

ہم تو عرصہ دراز سے حالتِ جنگ میں ہیں ہمارے لئے ایسے بیانات کی اہمیت "گیدڑ بھبکیوں سے زیادہ نہیں"۔ بھارتی سیاستدان اور انکی فوج کے افسران یہ جان لیں کے دراصل " پاکستان کا بچہ بچہ افواج پاکستان ہے"۔

اکیسویں صدی میں ہمارا پڑوسی ایسی بچکانا سازشیں کر رہا ہے جیسے "کبوتر کو آنکھیں بند کر کے لگتا ہے کے بلی اسے نہیں دیکھ رہی"۔ آج ساری دنیا میں بھارتی سیاست کا گھنونا کھیل فاش ہو چکا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خون بھانے

پر اپنی سیاست کرتے ہیں۔ کبھی یہ گھنؤنا کھیل گجرات میں کھیلتے ہیں تو کبھی کسی اور شہر میں۔ بھارتیوں کی بنیاد پرستی یا انتہا پسندی دنیا کی آنکھ کا تارا بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ ساری دنیا کے سامنے لگ بھگ ڈیڑھ ارب مسلمان دہشت گرد قرار پا چکے ہیں کسی کو باضابطہ سند دے کر دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے تو کسی ترچھی نظروں سے دیکھ اور کسی کو دنیا کے کسی بھی ہوائی اڈے پر گھنٹوں انتظار کروا کر دہشت گرد ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔

دوسری طرف دنیا میں جمہوریت اور سیکولر ریاست کہلوانے والا ملک اپنی فوج کے ذریعے نہتے کشمیریوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہا ہے کسی کو دکھائی نہیں دے رہا یہاں تک کے ہم پاکستانی بھی بھارتی میڈیا کی رنگینیوں میں ایسے دھت ہوئے بیٹھے ہیں کے زبانیں تو زبانیں سماجی میڈیا پر بھی کسی قسم کا استحصال کرنے سے قاصر ہیں۔ خدا کے لئے پچھلے دنوں سے کشمیر میں کہرام مچا ہوا ہے ہر طرف صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے مگر پھر بھی 70 ہمارے گھروں سے بھارتی ڈراموں، فلموں اور گانوں کی آوازیں سنائی دی جارہی ہیں اور ہم ساتھ ساتھ یہ دعوا بھی کئے جاتے ہیں کے "کشمیری ہمارے بھائی ہیں" کیا بھائی کے گھر میت ہو اور آپ اپنے گھر میں ناچ گانا کروگے، نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ایسا کرنے والے کیساتھ کبھی بھی اچھا سلوک نہیں کروگے۔

ہمارے حکمرانوں اور دیگر تمام سیاستدانوں کو چاہئے کے وہ اپنے چہروں سے اس وقت تک کیلئے "مسکراہٹیں" ہٹا دیں جب تک کشمیر کا معاملہ حل نہیں ہو جاتا چاہے اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق یا پھر بھارت کے جنگی جنون کے مطابق۔ اب یہ آگ اور خون کا کھیل ختم کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اب کشمیریوں کی قربانیوں کا صلہ ملنے کا وقت آگیا ہے۔ پچاس فیصد بھارتی اپنی حکومت سے اختلاف کر رہے ہیں مگر دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اور سیکولر حکومت کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی ہے۔ سچ پوچھئے تو اب کشمیر کا مسلئہ جیسے بھی حل کرنا ہے کرلیں تاکہ یہ روز روز کے مرنے سے نجات مل جائے اور کشمیریوں کو ان کا حق مل جائے۔

کشمیر کے مسلئہ کا حل خطے میں امن و امان کا ضامن ہے اور بھارت اپنی سازشوں سے خطے کے امن کو برباد رکھنا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے پاکستان ان ہی الجھنوں میں الجھاء رہے اور وہ اپنا کام کرتا چلا جائے۔ پہلے صرف کشمیر تھا اب تو بلوچستان اور کراچی میں بھی اپنی کاروائیاں کر رہا ہے جس کا مقصد تجارتی رہداری منصوبے کو کسی بھی حال میں نقصان پہنچانا ہے۔ اس راہداری کی بدولت پاکستان میں خوشحالی کا راستہ کھلنے والا ہے اور یہی وہ بات ہے جس نے ہمارے دشمنوں کی صرف راتوں کی نیندیں ہی نہیں بلکہ دن کا چین بھی حرام کر رکھا ہے۔ فتح حق کی ہی ہوا کرتی ہے اور وہ دن بہت قریب دکھائی دے رہا ہے۔

ریاستی نظاموں میں تبدیلی

دنیا نے بہت ترقی کر لی انسان چاند سے ہوتا ہوا کائنات کے دوسرے سیاروں تک رسائی حاصل کرتا چلا جا رہا ہے۔ مریخ پر پانی کی تلاش جاری ہے اور ہماری ہی طرح کے انسان دنیا کے علاوہ کائنات میں کوئی ہماری دنیا جیسی سہولیات تلاش کرنے میں سرگرداں ہیں۔ یہ لوگ بہت پر امید ہیں کے کب کہاں کس سیارے پر زندگی کے آثار نظر آ جائیں اور انسان ملکوں، براعظموں سے بہت آگے سیاروں میں بٹ جائے۔
انسان اپنی سہولیات میں انقلابی تبدیلیاں لاتا جا رہا ہے اور یہ تبدیلیاں روزانہ کی بنیاد پر رونما ہو رہی ہیں۔ ٹیلیوژن کے بہت بڑے سے ڈبے سے لے کر انتہائی باریک اور نازک سی ایل ای ڈی لو لیں یا پھر ائر کنڈیشنر کو لے لیجیے، اور دورِ حاضر کی سب سے نایاب اور منفرد چیز آپ کے ہاتھ میں کم و پیش ہر لمحہ موجود رہنے والا آپکا "اسمارٹ موبائل" جو دنیا جہان کی معلومات اور سہولیات سے آراستہ و پیراستہ ہے، اس موبائل نے اپنی ایسی اہمیت بنالی ہے کے اب لغت سے " تنہا" کا لفظ حذف کرنا پڑے گا۔ جدید طرز پر بنائی جانے والی گاڑیاں جن میں ایسی بھی گاڑی موجود ہے جو بغیر ڈرائیور کے چل سکتی ہے۔ ہمیں سورج اور چاند گرہن کا پہلے سے پتہ چلنے لگا ہے۔
ہمارے پاس ایسے جدید الات موجود ہیں جو قدرتی آفات کے حوالے سے پیشگی اطلاع دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں یہ بتا سکتے ہیں کے کون سا علاقہ

زلزلہ زدہ ہے یا سمندر میں کسی طوفان کے آنے کا اندیشہ ہے۔ ہم بنیادی طور پر سہولیات کے لحاظ سے "اسمارٹ ورلڈ" میں زندہ ہیں۔ ان جیسی سہولیات کی ایک نا ختم ہونے والی طویل فہرست ہے جس میں تقریباً روزانہ کی بنیاد پر جدت لانی پڑتی ہے۔
انسان نے ہر معاملے میں جدت لانے پر کمر کس رکھی ہے۔ اعتماد پہلے بھی ہوا کرتا تھا مگر اب ادب اور لحاظ کی جگہ بھی اعتماد نے لے لی ہے۔ آج اگر کوئی چھوٹا (عمر میں) اپنے بڑے سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے اور آگے سے آگے جواب دیتا ہے تو اسے بد تمیزی یا بد لحاظ نہیں بلکہ "با اعتماد" کہا جاتا ہے۔ مختصراً یہ کے معاشرتی اقدار" بھی جدت کی راہ پر گامزن ہیں۔"
جب پرانا طرزِ زندگی نئی نسل کی مرتب کردہ نئے طرز سے تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ جب بزرگوں کو نوجوان اپنے دور کے ڈھب پر چلنے پر قائل کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور بزرگ ناگزیر وجوہات کی بنا پر نئے ڈھب پر چلنے کو راضی ہوتے جا رہے ہیں۔ معاشرتی اقدار میں ایک بہت اہم تبدیلی اجتماعیت کی جگہ انفرادیت لے رہی ہے۔ مثلاً پہلے دوست کزنز وغیرہ مل کر گپ شپ کرتے تھے کچھ حلا گلا کرتے تھے مگر اب کیا ہے سب انفرادی طور پر اپنے اپنے موبائل میں مگن ایک ساتھ بیٹھے دیکھے جاتے ہیں۔ اس طرح کی اور بہت ساری اقدار متبادل کے طور پر سامنے آتی

جا رہی ہیں۔ مشرقیت پر مغربیت کا غلبہؑ بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ جب کوئی راز راز نہیں رہا، جب کوئی موضوع بحث سے سوا نہیں رہا۔

دنیا میں حکمرانی کرنے کے جو طریقے رائج ہیں ان میں بادشاہت، جمہوریت اور آمریت زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ بادشاہت اور آمریت میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے جبکہ جمہوریت ایک ایسا طرزِ حکومت ہے جس میں عوام کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر حکمرانی کرنے کیلئے اپنے مسائل اور ملکی باگ دوڑ چلانے کیلئے افراد کو چنتی ہے۔ جمھوری طرزِ حکومت تقریباً دنیا کے زیادہ تر ممالک میں نافذ والعمل ہے۔ یہ سارے نظام انسان نے مرتب دیئے ہیں جبکہ ایک نظام حکومت آفاقی بھی ہے جسے خلافت " کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ جمہوری نظام حکومت میں "مقدار" (گنتی) کی" اہمیت ہوتی ہے جبکہ خلافت میں "میعار" کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ خلافت کے علاوہ جتنے بھی طرزِ حکومت ہیں ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں کسی ملک کا کوئی بھی سرکاری مذہب ہو یا کسی ملک کا کوئی سرکاری مذہب نا بھی ہو تو وہ ان نظاموں کے تحت چلائے جا سکتے ہیں۔ خلافت وہ نظامِ حکومت ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے ذریں اصولوں پر تشکیل پاتا ہے۔ جمہوری نظام تحت دو طرح کا طرزِ حکومت ہوتا ہے اول صدارتی نظام اور دوئم پارلیمانی نظام۔ اگر ہم صدارتی نظام کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلے گا کے یہ نظام خلافت سے کافی حد تک مماثلت رکھتا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو امریکہ میں

نافذ ہے جبکہ دوسرا نظام جسے پارلیمانی نظام کہا جاتا ہے وہ برطانیہ میں نافذ ہے کیونکہ ہم نے تاج برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی تو ہم نے اس کا نظام قائم کر لیا یعنی پارلیمانی۔ پاکستان میں پارلیمانی نظامِ حکومت ہے۔

یہ مضمون قطعی طور پر کسی نظام پر تنقید یا تعریف نہیں کر رہا بلکہ یہ تکارہ کر رہا ہے کہ اس لمحہ لمحہ بدلتی دنیا نے جہاں ہر شے کو بدل کر رکھ دیا ہے کیا ان فرسودہ اور دھاندلی زدہ نظاموں پر کوئی دھیان دینے کیلئے تیار نہیں ہے؟ کیا ان نظاموں کو جدت دینے کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا ان نظاموں سے ہٹ کر کوئی نظام لانے پر سوچا گیا ہے؟ کیا دنیا میں اب صرف مادی چیزوں پر توجہ دی جارہی ہے؟ کیا سوچ بچار کرنے والے صرف معیشت پر ذہن سازی کر رہے ہیں؟ کیا تعلیمی ادارے صرف پڑھنا سکھا رہے ہیں؟ کیا اب رہتی دنیا تک یہی نظام رائج رہینگے؟ کیا یہ سارے نظام مل کر انسانیت کی تذلیل نہیں کر رہے؟

آج ہم سب (ساری دنیا) ان تمام نظاموں سے اکتا چکے ہیں اور ان سے آزادی کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں، اس دنیا کے سوچ بچار کرنے والے کسی نئے نظام کے بارے میں کیوں نہیں سوچ رہے یا پھر آفاقی نظامِ خلافت سے مماثلت رکھنے والا نظام متعارف کرا دیں تاکہ انسانیت کو امن و امان میسر آسکے۔

قومیتوں" سے "پاکستانی" کا سفر"

تاریخ گواہی دے گی کہ آج دنیا میں جتنی نفسا نفسی ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔ معاشرتی اقدار کا جنازہ نکلا ہوا ہے ہر شخص "سیلفیاں" بنا رہا ہے، تھوڑا سہی پر فاسٹ فوڈ پر گزارا کر رہا ہے۔ چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان ایک محدود تعلق ہوا کرتا تھا اب وہ لامحدود ہوچکا ہے۔ آج چھوٹے بڑوں کو زمانے کیساتھ چلنے کے ڈھنگ سکھا رہے ہیں۔ دراصل باقی دنیا بہت پہلے سے بدل رہی تھی اور ہم پی ٹی وی کے دور میں رہ رہے تھے اب نئی نسل اس "دیر" کا بدلہ پرانی نسل سے اسطرح لے رہی ہے۔ پھر اچانک سے میڈیا کو آزادی دی گئی اور جیسے میڈیا کی دنیا میں انقلاب آگیا لوگ تو پہلے ہی پی ٹی وی سے اکتائے ہوئے تھے انہیں تفریح کا اتنا سارا سامان ایک ساتھ میسر آئے گا انہوں نے تو کبھی سوچا نہیں تھا۔ یعنی ایک دم سے بڑے ہونے کا موقع مل گیا جیسے کوئی لڑکا وقت سے پہلے بڑے ہونے کے شوق میں "شیو" کرنا شروع کر دیتا ہے ہمارے میڈیا ہاؤسز نے بھی کچھ ایسے ہی کارنامے کر دیکھائے۔

جب میڈیا کو آزادی نہیں تھی اور بہت محدود معلومات کے ذرائع تھے تو بہت سارے لوگ اپنی مرضی سے اپنے اختیارات کا استعمال کر رہے تھے۔ نجی جیلیں بھی

تھیں، ہیروئن اور چرس کے اڈے بھی تھے، انسانی اسمگلنگ تب بھی ہوا کرتی تھی، ڈرایا دھمکایا جب بھی جاتا تھا، بھتے جب بھی لئے جاتے تھے، جوئے کے اڈے تب بھی تھے، قربانی کی کھالیں تب بھی جمع کی جاتی تھیں، زکوۃ کیلئے اس وقت بھی گھر گھر کا دروازہ کھٹکٹایا جاتا تھا، بے حیائی جب بھی تھی، مدرسے جب بھی تھے مگر بہت محدود ذرائع ہونے کی وجہ سے ان تمام کاموں کی پشت پناہی کرنے والے بہت طاقتور لوگ ہوا کرتے تھے۔ ایسا نہیں کے اب یہ کام بند ہوگئے ہیں یا نہیں ہو رہے، آج بھی یہ سارے کام جاری و ساری ہیں مگر آج یہ کام کہاں ہو رہا ہے اور کون ان کاموں کی پشت پناہی کر رہا ہے سب کا سب کسی بھی فرد سے معلوم کرکے دیکھ لیں اسے پتہ ہوگا۔ اس ترقی کی مرہونِ منت جو بہت نمایاں فرق آیا ہے وہ یہی ہے۔ آج ہر غلط کام پر بھرپور طریقے سے تنقید بھی کی جاتی ہے اور اسے سماجی میڈیا پر گھسیٹا بھی جاتا ہے مگر افسوس آج بھی پشت پناہی کرنے والے بہت مضبوط لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقصد کل بھی ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنا تھا اور وہ آج بھی اپنے مشن پر کاربند ہیں، افسوس اس بات کا ہے کے یہ کل بھی شاد آباد تھے اور یہ آج بھی شاد آباد ہیں۔

ترقی کا نا رکنے والا سفر جاری ہے مگر کیا ہماری اس ترقی نے ہماری ذہنی نشونما بھی کی کیا ہمارے افکار میں ہماری سوچ میں تبدیلی لائی، کیا ہم نے اپنے اندر سے تعصب جیسے ناسور کو نکالنے کیلئے کچھ سوچ بچار کیا؟۔ ان تمام

سوالوں کے جواب میں ایک لفظ "نہیں" سننے کو ملے گا۔ ترقی دوسری طرف یعنی مادی ترقی اور ہماری نسلی خامیاں نسل در نسل منتقل ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ پاکستان میں بسنے والی قومیتیں اپنی زبانوں سے جانی جاتی ہیں اسی بنیاد پر صوبوں کے نام رکھ دیئے گئے ہیں۔ سندھی زبان بولنے والا آج بھی سندھی کہلوانے میں فخر محسوس کرتا اور اس بات کا اعلان کرتا ہے اسی طرح ہمارے ملک میں بسنے والی دوسری قومیتیں بھی اپنی اپنی زبانوں کی بنیاد پر پہچانے جانے پر فخر محسوس کرتی ہیں، کیا یہ درست ہے؟ کیا یہ بھی ترقی کا حصہ ہے؟۔ یہاں پاکستانی بعد میں پہلے سندھی، بلوچی، پشتو، سرائیکی اور پنجابی ہیں۔ ہر زبان بولنے والے کا یہ اخلاقی اور سماجی حق ہے کہ وہ اپنی زبان کی ترویج کرے اور اس زبان سے وابسطہ ثقافت کا اظہار کرے اور اس کی ترقی اور ترویج کیلئے کام کرے۔ اس اظہار پر کسی کو کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔ مذکورہ زبانوں کے علاوہ اور زبانیں بھی پاکستان کی خوبصورتی میں چار چاند لگاتی ہیں۔ آپ یہ مضمون جس رسم الخط میں پڑھ رہے ہیں اس زبان کو "اردو" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اردو زبان کو پاکستان کی قومی زبان ہونے کا شرف بھی حاصل ہے مگر افسوس 70 سال گزر جانے کے بعد بھی یہ اپنا قومی ہونے کا حق ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ یعنی آج بھی اس زبان کو قومی زبان کی حیثیت نہیں مل سکی جبکہ اب اعلی عدلیہ نے اس زبان کے نفاذ کیلئے باضابطہ طور پر احکامات جاری کر رکھے ہیں۔

عرصہ دراز سے ایک مسلئہ حل ہونے کا نام نہیں لے رہا، دوسری طرف ترقی رکنے کا نام نہیں لے رہی، ایپل نے آئی 7 اور سامسنگ نے ایس 7 متعارف کروادیا۔ کراچی میں رہنے والے مقامی لوگوں کی مادری زبان "اردو" ہے اور ان میں اکثریت ان لوگوکی ہے جو 1947 میں انڈیا سے ہجرت کرکے یہاں آباد ہوئے، یہ اپنا سب کچھ ہندوستان میں چھوڑ چھاڑ پاکستان آگئے اور انہیں "مہاجر" کہا جاتا ہے۔ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک کل وقتی یعنی ملکی سرحدوں سے باہر کی طرف جانا اور دوسری جزوقتی یعنی ملک کی سرحدوں کے اندر ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ ترقی کے اس دور میں جب ترقی اپنی راہ پر سبک رفتار چلے جا رہی ہے۔ ایک ہجرت ہمارے باپ دادا نے عرضِ پاک کی آزادی کی صورت میں کی دوسری ہجرت وہ ہے جو افغانیوں نے کی یا سوات یا دیگر قبائیلیوں نے کی۔ آج دنیا کو جہاں بہت سارے بین الاقوامی مسائل کا سامنا ہے وہیں مہاجرین کا مسلئہ بھی بہت اہمیت اختیار کئے ہوئے ہے۔ ہمیں بہت اچھی طرح پتہ ہے کے ہجرت کی پہلی قسم میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں کیونکہ "سب کشتیاں جلا کر آئے ہیں" جبکہ دوسری ہجرت جز وقتی ہوتی ہے جیسے جیسے ہجرت کرنے والوں کے آبائی علاقے رہنے کے قابل کردئے جاتے ہیں یا پر امن ہونا شروع ہوجاتے ہیں، عارضی کیمپوں میں رہنے والے مہاجرین اپنی ہجرت ختم کرکے واپس اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ انکی کوئی نا کوئی قومیت ہے جس سے یہ جانے جاتے ہیں جیسے افغانی ہیں اور

پشتون ہیں۔ ہم نے پاکستان میں آنکھ کھولی اور اسی معاشرے میں پرورش پائی ہے یہاں کیوں ایک دوسرے سے پوچھا جاتا ہے کے آپ کون ہو (یعنی آپ کی قومیت کیا ہے)۔ کیا پاکستان 70 سال گزر جانے کے بعد بھی ہم پاکستانی نہیں بن سکے یا یہ مسلئہ صرف اردو بولنے والوں کے ساتھ ہے؟

ہجرت کرنے والا مہاجر ہی کہلاتا ہے، ہمارے دادا اور والد نے انڈیا سے ہجرت کی وہ مہاجر تھے، اب اس دارِفانی سے کوچ کر چکے، اب میں اپنی پہچان سوائے پاکستانی کے کچھ اور تو بتا ہی نہیں سکتا اور اگر دیکھا جائے تو مہاجر کوئی شناخت تو نا ہوئی۔ اگر کوئی کہتا ہے کے مہاجر ہوں تو اسکا مطلب یہ لیا جائے کے یہ جہاں ہے وہاں عارضی طور پر ہے اس کا آبائی وطن کوئی اور ہے۔ میں مہاجر کیسے ہو سکتا ہوں میں نے پاکستان میں آنکھ کھولی ہے میری قومیت تو پاکستانی ہوئی۔ اب یہ بتائیں کیا مہاجر قوم ہو سکتی ہے یا مہاجر قومیت ہو سکتی ہے؟ مہاجر تو صرف وہی ہو سکتا ہے جس نے طبعی طور پر ہجرت کی ہو؟ تو پھر اس کی نسل کس قومیت سے جانی جائے گی (ہم اپنے آپ کو ہندوستانی نہیں کہلوانا چاہتے)

۔

پاکستان میں رہنے والا ہر فرد جس کا قومی شناختی کارڈ ہے وہ پاکیستانی کیوں نہیں ہے کیوں یہ سوال کیا جاتا ہے کے آپ کون ہو۔ ویسے تو سب کے پاس جواب

ہیں مگر کراچی میں رہنے والے اردو بولنے والے اپنے آپ کو مہاجر نہیں کہہ سکتے یہ پاکستانی ہیں اگر یہ پاکستانی ہیں تو باقی زبانیں بولنے والے کون ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کے آپ سندھ میں رہتے ہو تو سندھی ہوئے۔ کیا جو پنجابی بلوچستان میں رہتے ہیں وہ بلوچی کہلوانا پسند کرینگے۔ کراچی میں رہنے والے دیگر زبانیں بولنے والے اپنے آپ کو مہاجر کہلوانا پسند کرینگے۔ ہمیں اس قسم کے تمام سوالات اپنے ذہنوں سے حذف کرنا ہونگے اور خصوصی طور پر اپنی آنے والی نسلوں کو صرف پاکستانیت کا درس دینا ہوگا۔ اردو بولنے والوں کو ملک کے دیگر شہروں میں تعلیم کے مواقع فراہم کئے جائیں انہیں دیگر شہروں میں نوکریاں دی جائیں، یعنی انہیں ملک کی باگ دوڑ چلانے والوں میں شامل کیا جائے۔ ہر وہ اقدام کیا جائے جس سے انکا احساسِ محرومی ختم ہو سکے۔

کراچی نے ہمیشہ پاکستانیت کی بات کی ہے، ہم بانیانِ پاکستان کی اولاد ہیں ہمارے آباؤاجداد نے پاکستان کیلئے قربانیاں دی ہیں اور ہمیں پاکستان سے محبت کرنے کا درس دیا ہے، ہم تو بلا اشتراکِ قومیت صرف پاکستانی ہیں باقی سب کے پاس پہلے سے اپنی اپنی شناخت ہے فیصلہ انہیں کرنا ہے کے وہ کتنے پاکستانی ہیں۔ اردو سے یا اردو بولنے والوں سے سوتیلاپن اب ختم ہونا چاہئے کیونکہ ہم سب پاکستانی ہیں۔ اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے کے دشمن اتنی خوبصورتی سے اپنی چالیں چلتا ہے کے ہمیں انکا احساس بھی نہیں ہوتا۔ ہماری

صفوں میں خلاء آجاتا ہے جس کی بدولت لوگ ہمارے درمیان دیواریں چن دیتے ہیں اور ہم بٹ کر رہ جاتے ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کے اللہ ہمارے دلوں سے ہر قسم کے تعصب کو کھرچ کھرچ کر نکال دے اور پاکستان کیلئے مر مٹنے کی توفیق دے (آمین یارب العالمین)

اس مضمون کا مقصد ہم آہنگی کو فروغ دینا ہے۔ دنیا ترقی کر رہی ہے ہم آج بھی پی ٹی وی والی سوچ کے ساتھ چل رہے ہیں، جس کا جو حق ہے اسے ملنا چاہئے۔ کیونکہ حق مارنے والا کبھی سکھ سے نہیں رہ سکتا۔ اگر کسی بات سے اختلاف ہو یا کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو اصلاح کیجئے گا، شکریہ۔

گوگل کی سالگرہ

معاشرے کا مقصد معاشرتی نظام کے تحت ایک انسان دوسرے انسان کی مدد کیلئے یا رہنمائی کیلئے بنایا گیا ہے۔ ایک اکیلے انسان کی کوئی اہمیت نہیں، کسی فیصلے اور رہنمائی کیلئے ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ شائد یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے جہاں افہام و تفہیم زیادہ ہے، جذبہ خیر سگالی زیادہ ہے اور ایک دوسرے کیلئے راستہ چھوڑنے یا دینے کے رواج زیادہ ہیں اور جہاں ایک دوسرے کا اعتبار باقی، جہاں اعتماد کیا جاتا ہے یہ سب انہی معاشروں میں پایا جاتا ہے جو ترقی کر رہے ہیں۔ معاشی اعتبار سے بھی اور معاشرتی اعتبار سے بھی۔ بقول حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کہ "فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ـــ موج دریا میں ہے بیرونِ دریا کچھ نہیں"۔ اس شعر سے بہتر کرہ ارض پر انفرادی اور اجتماعی حیثیت کی ترجمانی شائد ہی کسی نے کی ہو۔
وقت کی قلت نئے دور کا بہت سنگین مسئلہ ہے۔ ہر فرد جو شائد کچھ نہیں بھی کرتا ہو آپ کو یہی جواز پیش کریگا کے وقت ہی نہیں ملتا اور آپ بھی اسی کی طرح معصومیت سے جواب دینگے کے "ہاں یہ تو ہے"۔ اس نفسا نفسی کے اس دور میں

جہاں وقت کی قلت ہے وہیں کرنے کیلئے بہت کچھ ہے۔

آج کی نسل دنیا کو ایک اور نام سے جانتی ہے اور وہ ہے "گوگل"۔ گوگل ایک "ڈھونڈنے کی ویب سائٹ ہے"۔ 2004 سے اپنے کاروبار کی شروعات کرنے والا انٹرنیٹ کا ادارہ آج دنیا کا صفہ اول کا استعمال ہونے والا "ڈھونڈنے والی ویب سائٹ ہے"۔

گوگل کا پہلا نام شائد گوگول تھا۔ تصویر میں "گوگول" کو گوگل بنانے والے دو نوجوان (بیٹھے ہوئے) سرگے برین اور لیری پیج۔ ان کی بدولت نے ترقی کی منزلیں طے کیں اور آج دنیا اپنے آپ کو گوگل کے بغیر ادھوری سمجھتی ہے۔

جدید دور کو جدیدیت تک لے جانے میں بھی گوگل نے قلیدی کردار ادا کیا ہے۔
گوگل ایسی جگہ ہے جہاں دنیا کی شائد ہی کوئی ایسی معلومات ہو جسے آپ تلاش کریں اور وہ دستیاب نا ہو۔ گوگل پر ہی ڈھونڈ لیں کے دنیا میں کتنی ڈھونڈنے والی ویب سائٹس موجود ہیں اور اس میں گوگل کا کونسا نمبر ہے۔ دورِ حاضر میں گوگل کا "اینڈرونڈ سسٹم" دنیا میں تحلکہ مچایا ہوا ہے اور ایسی ضرورت بنا ہوا ہے کہ اس کے بغیر آپ کے موبائل فون کو کوئی موبائل فون ماننے کو تیار ہے اسی طرح گوگل پر کسی جگہ کی تلاش کیلیے متعارف کرائی گئی سہولت جس کی بدولت آپ بیٹھے بیٹھے دنیا کے کسی بھی کونے میں پہنچ سکتے ہیں۔ ایک اور اہم ترین سہولت ترجمہ کرنے کی ہے گوگل ٹرانسلیٹ کی بدولت آپ دنیا کی کسی بھی زبان میں اپنی زبان سے ترجمہ کر سکتے ہیں۔ بات یہاں ختم نہیں ہوئی گوگل نے بجلی سے چلنے والی خودکار اور بغیر ڈرائیور کے چلنے والی گاڑی بھی متعارف کروادی ہے۔

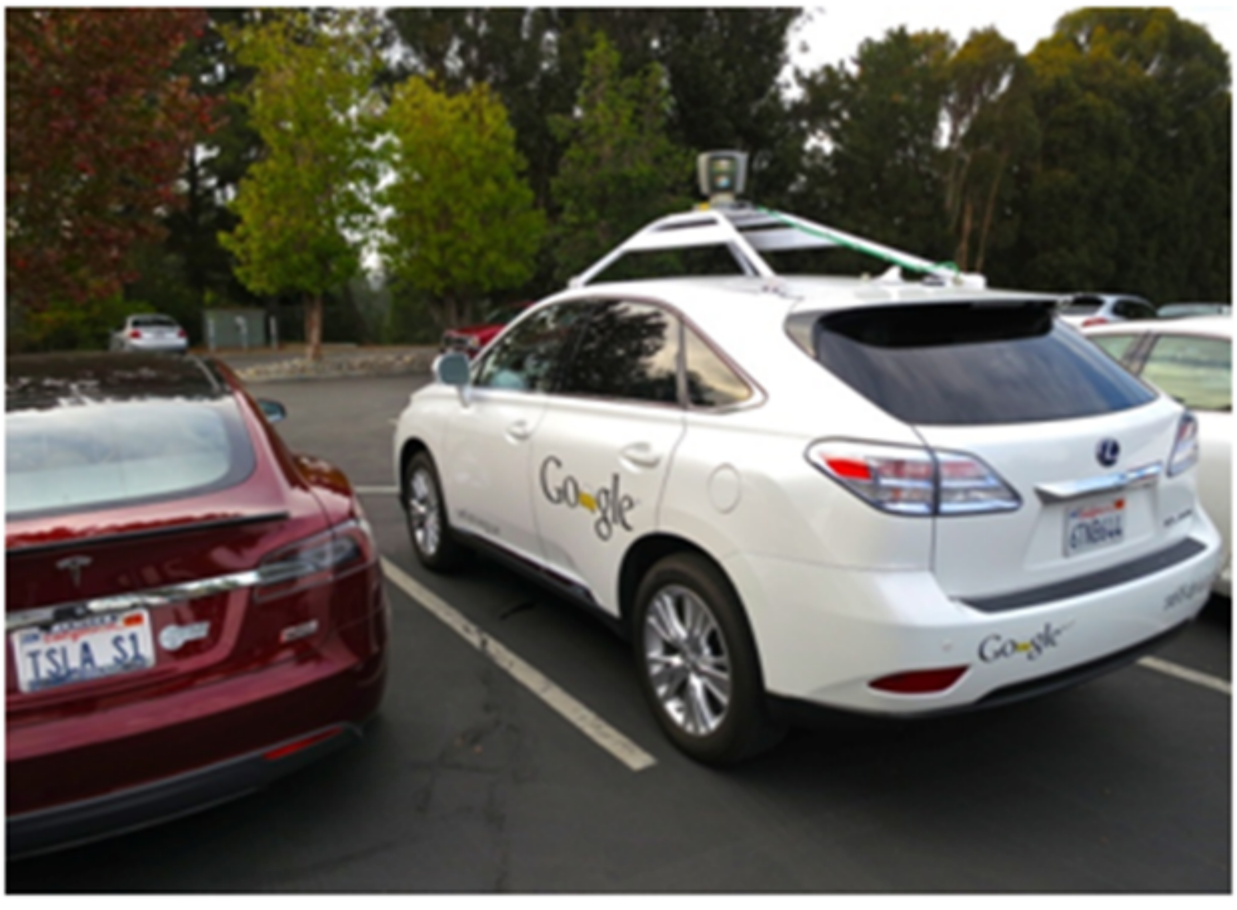

گوگل کی ایک اور خاص بات یہ ہے کے یہ دنیا میں رونما ہونے والے واقعات و حالات کا روزانہ تاریخ) کے حوالے سے) کی بنیاد پر آگاہی دیتا ہے جسے کسی نامور شخصیت کی سالگرہ یا پھر مرنے کا دن، کہاں دھماکہ ہوا تھا، کہاں زلزلہ یا سیلاب آیا تھا، کہاں کس نے حملہ کیا تھا.

گوگل ساری دنیا کی ترجمانی کا ٹھیکا اٹھائے ہوئے ہے اور روزانہ کی بنیاد پر ہمارے لئے ناگزیر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ گوگل نے ہماری زندگیاں کافی حد تک معلومات کے حوالے سے آسان کردیں ہیں. گوگل ہم سب کی نجی معلومات سے بھی بہت اچھی طرح واقف ہے جوگوگل کا اینڈراوئڈ استعمال کرنے کی وجہ سے انکے پاس جمع ہو رہا ہے۔ گوگل کی اہمیت کا اندازہ اس ایک لطیفے بھی لگایا جاسکتا ہے جو ہمارے ایک دوست نے پیش کیا بیگمات" اور گوگل میں ایک بات بہت مشابہ ہے، وہ یہ کے دونوں کو سب کچھ پتہ ہوتا ہے". گوگل کو ایک اچھے دوست کی حیثیت سے

بھی جانا جاتا ہے جو آپ کو کسی برے وقت میں اکیلا نہیں چھوڑتا۔ گوگل کا نا کوئی مذہب ہے اور نا کوئی مخصوص زبان، یہ سرحدوں سے بھی آزاد ہے اور وقت سے بھی یہ ہر فرد کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے اور معلومات فراہم کرتا ہے چاہے آپ کسی بھی پیشے سے وابسطہ ہیں۔ گوگل ہر لحاظ سے آپ کی ذہن کو سمجھتا ہے۔ گوگل کی ایک اور اچھی بات یہ ہے کہ یہ آسانیاں تقسیم کرنے کے جذبے سے سرشار نظر آتا ہے۔ ہماری طرف سے گوگل کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہے۔ (سالگرہ کی وجہ سے صرف گوگل کی اچھائیوں پر تذکرہ کیا ہے باقی تبصرہ پھر کبھی)۔

امن کیلیئے "جنگ" نہیں لڑی جاتی

دنیا میں ابتک ہونے والی جنگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیے تو ہمیں پتہ یہ چلتا ہے کہ امن کے قیام کیلیئے طویل طویل جنگیں لڑی گئیں۔ جس میں نا صرف انسان کی قیمیتی جانیں ضائع ہوئیں بلکہ معاشی اعتبار سے قوی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگیں طاقت کے دکھاوے کیلیئے لڑی گئیں، کبھی کسی کو نیچا دیکھانے کے لئے لڑی گئیں، کبھی اپنے اپنے خطے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کیلیئے لڑی گئیں اور اسی طرح کی دیگر وجوہات جنگی جنون کا باعث بنگی رہی ہیں۔ جنگوں میں انسانی "انا" کا قلیدی کردار ادا کیا۔ 1939 سے 1945 تک لڑی جانے والی جنگ جسے دنیا دوسری جنگِ عظیم کے نام سے یاد کرتی ہے اور جانتی ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی کے جس میں یورپ، ایشیاء، اور امریکہ جیسے تین بڑے برے آعظم شامل تھے۔ اس جنگ میں تقریباً 30 ممالک بلواسطہ اور بلاواسطہ شامل ہوئے یا دنیا کی تباہی میں اپنا حصہ ڈالا، ایک ارب کے قریب آبادی اس جنگ کی لپیٹ میں آئی۔ یہی وہ جنگ ہے جس میں آمریکہ نے جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی) پر ایٹم بن جیسا موذی ہتھیار استعال کرکے دنیا کو ایک نئی (مصیبت میں بتتلا کردیا۔ اس جنگ میں اہم کردار ادا کرنے والے ممالک میں جرمنی، اٹلی، فرانس،، برطانیہ، امریکہ، روس اور جاپان شامل رہے۔ اس جنگ کی ہیبت ناکی اور تباہی سے دنیاکے بہت سے

ممالک آج تک نہیں نکل سکے۔ ایٹم بن زدہ شہروں میں آج بھی پیدا ہونے والے بچے کسی نا کسی معذوری کو لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اس جنگ کے خاتمے پر روس نے سپر پاور کا تاج اپنے سر سجایا۔ اس جنگ کے خاتمے پر "اقوامِ متحدہ" کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے ساتھ ہی امریکہ اور روس نے ایک سرد جنگ کا آغاز کردیا۔ 1980 سے 1988 تک لڑی جانے والی ایران اور عراق کی جنگ نے بھی خطے میں امن وامان تباہ کیا اور پھر وہیں سے مزید تباہ کاریوں کا ایک سلسلہ شروع کردیا جو آج تک جاری و ساری ہے۔

ضرورت اور اہمیت میں کیا فرق ہوتا ہے؟ ضرورت آپ کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جبکہ اہمیت انسان کو انسانیت کے درجے پر فائز کرتی ہے۔ یہ بات بہت واضح طور سے محسوس کی جاسکتی ہے کے ہم میں سے اکثریت اپنی اپنی ضروریات کے حصول کیلئے برسرِروزگار ہیں اور برسرِپیکار ہیں۔ ہم دراصل ضرورتوں کے ماتحت ہوئے جا رہے ہیں۔ جیسے جیسے دنیا میں آسائیشیں بڑھ رہی ہیں ضرورتیں بڑھتی جارہی ہیں۔ انسان اہمیت سے بالاتر ہو کر ان اسائشوں کے حصول کیلئے کمربستہ ہے۔ یہ معاشرتی عنصر ہے کے آپکو ہر اس شے کی طلب شروع ہوجاتی ہے جو کسی بھی طرح سے آپ کے کام آسکتی ہو اور آپ کی دسترس میں بھی ہو۔ ضرورت اہمیت پر غالب آجاتی ہے۔ لوگ پائیداری چھوڑ کر خوبصورتی اور نزاکت کی طرف راغب نظر آرہے ہیں۔

ضرورت اور اہمیت پر مختصر سی یہ بحث صرف اسلیئے کی گئی کے ہمیں جنگ کی ضرورت اور امن کی اہمیت پر بات کرنا آسان ہوسکے۔ تقریباً دنیا کے تمام ممالک اسلحہ کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقط لیجانے کی کوشش میں ہیں اور ہر ملک کچھ نا کچھ تباہی کا سامان بنا رہا ہے اور دوسرے ممالک کو بیچ رہا ہے۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کے بہت سارے ممالک ایٹمی طاقت بننے کا سامان بھی تیار کر رہے ہوں یا پھر کر چکے ہوں بس کسی ایسے انتظار میں ہوں کے کہیں جنگ لگے اور ہم بھی منظرِ عام پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں۔ دوسری طرف موجودہ سپرپاور امریکہ کی تو معیشت ہی اسلحہ کی خرید و فروخت پر چلتی ہے۔ ضرورت یہ محسوس کی جارہی ہے کے ہر ملک اپنی طاقت دیکھانے کا خواہش مند دیکھائی دیتا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کا بنیادی مقصد بھی کچھ اس سے مختلف نہیں تھا۔ اسلحہ کی نمائش کیلیۓ، اور منظرِ عام پر لانے کیلیۓ ایک بہت بڑا معرکہ درکار ہے۔ چھوٹی موٹی چپکلشوں پر میڈیا دھیان اتنا ہی دے پاتا ہے کے پڑوسی ملک نے ہمارے سرحدی علاقے پر بھاری مشین گنوں اور توپوں سے حملہ کردیا جسے بہت بہادری کے ساتھ جوابی کاروائی کرکے پسپا کردیا گیا بس کچھ لمحوں کی ایسی خبر چلادی جاتی ہے۔ دنیا کے وہ ممالک جو ترقی یافتہ ہیں اگر جنگ وجدل کی باتیں کریں یا کسی

ملک پر چڑھائی کرنے کا سوچیں تو سمجھ آتا ہے کے وہ اپنے ممالک کو اور اپنے لوگوں کو ترقی کی اس معراج پر لے گئے ہیں کے اب وہ دنیا کو طاقت کا چیلنج کر سکتے ہیں۔ ان ممالک نے معاشیت کا چیلنج لیا ہوا ہے۔ وہ اتنی صلاحیت رکھتے ہیں کے کسی جنگ میں خود کو الجھا کر بھی اپنے ملک کی بقا اور سالمیت کو قائم رکھ سکیں یا سنبھال سکیں۔ درحقیقت وہ ممالک امن کی اہمیت کو سمجھ چکے ہیں انہوں نے اس امن کے قیام کیلئے بہت ساری قربانی دے رکھی ہیں اور اب اسے برباد نہیں کرنا چاہتے بلکہ اپنے لوگوں کو اپنے ملک میں رہنے والوں کو خوب سے خوب سہولیات فراہم کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔ انہیں جنگوں سے ہونے والے نقصانات کا بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے۔ آج دنیا میں ایسے بہت سارے ممالک ہیں جو حالاتِ جنگ میں ہیں جن میں عراق، افغانستان، فلسطین، کشمیر، شام قابلِ ذکر ہیں۔ ان ممالک کے حالات کسی کی سیکھ کیلئے کافی ہیں۔ اگر پھر بھی کوئی جنگ کیلئے تیار ہونا چاہتا ہے تو اسکا علاج پھر بھرپور جنگ ہی ہو سکتی ہے۔

دنیا میں علم کی اور دنیاوی عالموں کی ایسی بھرمار ہے کے اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بڑے بڑے معاملہ فہم دانشور، بڑے بڑے مسائل کو سلجھانے والے، بہت بڑے بڑے حالات و وقعات پر نظر رکھنے والے اور اس کے حساب سے اپنی حکومتوں کو مشورہ دینے والے مشیر، بہت بڑے بڑے دفاعی تجزیہ نگار اور وقت کی نزاکت کا

نبض دیکھ کر حالات کا بتانے والے جہاں دیدہ لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ آج سب بیٹھ کر جنگ کی باتیں کر رہے ہیں ایک دوسرے کو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ کیا یہ لوگ جنگ کی تباہکاریوں سے ناواقف ہیں کیا انہیں نہیں پتہ کے اب جو جنگ ہوگی وہ تیسری جنگِ عظیم ہوگی اور اس جنگ کے بعد کیا بچے گا اور کیا نہیں شائد کچھ بھی نا بچے۔ کیونکہ اب دنیا میں تو کوئی ایسی جگہ بچی نہیں جہاں انسان کی رسائی نا ہو۔ آج دنیا کے تمام ماہرین کہیں بھی ہونے والی جنگ کی تباہ کاریوں کا ایسا تذکرہ کریں کے عوام اپنے حکمرانوں کو ایسے کسی بھی اقدام سے باز رکھنے کیلئے قائل کریں اور ایسا دنیا کے تمام ممالک کے ماہرین میڈیا پر کسی بھی طرح کا اثر رسوخ رکھنے والے۔ جہاں تک بات ڈر یا خوف کی ہے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑنے والا جب جنگیں ہوتی ہیں پھر چاہے ڈرو یا نا ڈرو مرنا ہی پڑتا ہے۔ بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ بننا ہی پڑتا ہے۔

جتنے لکھنے والے ہیں سب "امن کی اہمیت" کو اجاگر کریں لوگوں کے دل سے میں امن سے محبت کرنے کی ترغیب دیں۔ ہم کسی سے ڈرتے نہیں ہیں نا ہی ہمیں کوئی ڈرا سکتا ہے کیونکہ ہمارا تو ایمان ہے کے جو رات قبر میں لکھی ہے وہ باہر نہیں گزاری جا سکتی۔ مگر دنیا کو انسانیت کا درس بھی ہم نے پڑھایا اور امن و امان سے رہنا سکھایا ہے۔ ان باتوں میں جنگ سے پیدا ہونے والی صورتحال کا ایسا تذکرہ کریں ایسی تباہیوں کا ذکر کریں کے سب جنگ کے شوقین توبہ توبہ

کرتے سنائی دیں اور جنگوں کو روکنے کیلئے سڑکوں پر نکل آئیں۔

ہم نے کبھی اپنی انا جنگی جنون کی بھینٹ نہیں چڑھائی، ہم پر ہمارے پڑوسی ملک نے ہمیشہ جنگ مسلط کی اور ہمارے ہمت اور جذبہ شہادت کے شوق کے آگے گھٹنے ٹیکے۔ وہ آج پھر ایسی ہی ایک غلطی کا مرتکب ہونے کی تیاری کر رہا ہے اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کے ہم تو جیتے ہی مرنے کے شوق میں ہیں۔ ہماری امن پسندی اور معاملہ فہمی کو ہماری بزدلی نا سمجھا جائے۔ ہم اپنی فوج کے پیچھے نہیں ساتھ کھڑے ہونگے۔

لیکن یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کے جنگیں امن کیلئے نہیں لڑی جاتیں بلکہ اپنی اپنی بڑائی کی مثالیں قائم کرنے کیلئے لڑی جاتی ہیں۔ یہ حکمرانوں کی انا کی جنگیں ہوتی ہیں ان میں بقاء کا کوئی عنصر نہیں ہوتا۔

! بھٹکے ہوئے لوگ

آپ کوئی راستہ بھٹک جائیں۔۔۔ کہیں کہ کہیں پہنچ جائیں۔۔۔بتانے والے بھی آپ کو غلط پر غلط راستہ بتاتے جائیں۔۔۔آپ تھک ہار کہ بیٹھ جاؤ گے ۔۔۔اگر واپسی کا راستہ بھی بھول گئے تو راستے میں ہی کہیں پیوندِ خاک ہو جائینگے ۔۔۔پرانے وقتوں میں جب کو ئی سفر پر روانہ ہوتا تھا تو سب سے مل ملا کر معافی تلافی کر کہ نکلتا تھا۔۔۔شائد اس کی وجہ کچھ یہ ہی ہوگی کہ واپسی ممکن ہو یا نہ ہو۔۔۔یوں تو قدرت کوئی نہ کوئی انتظام بھٹکے ہوئے لوگوں کیلئے کرکے رکھتی ہے۔۔۔ کبھی یہی بھٹکے ہوئے لوگ نیا راستہ دریافت کرلیتے ہیں۔۔۔

بھٹکے ہوئے لوگوں کی بظاہر دو قسمیں سمجھ آتی ہیں۔۔۔ایک تو وہ جنہیں راستے کا علم نا ہو اور وہ سفر شروع کردیں بغیر راستے کی جانکاری لئے ۔۔۔دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں راستہ تو معلوم ہوتا ہے مگر وہ منزل پر پہنچنے کیلئے کسی نئے راستے کی دریافت میں سرگرداں ہوجاتے ہیں یا الجھ جاتے ہیں۔۔۔یقیناً ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہونگے ۔۔۔دورِ حاضر میں دوسری قسم کی تعداد پہلی قسم کہ بھٹکے ہوئے لوگوں سے زیادہ ہے۔۔۔ ہم معلومات کے سمندر کہ دور میں ہیں۔۔۔ہر طرف جانکاری ہی جانکاری ہے۔۔۔سب کو کم و بیش کچھ نہ کچھ

معلوم ہے یا سب کچھ معلوم ہے۔۔۔اگر کوئی پوری بات نہیں جانتا تو اس نے پڑھ یا سن ضرور رکھا ہوگا۔۔۔کیا یہ ہی وجہ ہے کہ تہذیب و تمدن کے نقوش بننے کی بجائے مٹتے جارہے ہیں۔۔۔ معلومات کہ اس لا محدود ذخیرے کی مرہون منت آج بچہ کسی بڑے کی کوئی بات آسانی سے رد کردیتا ہے۔۔۔یقینا وہ معلومات کہ دور کا بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہے۔۔۔ عموماً یہ بھی سننے کو ملتا ہے۔۔۔ ہمیں پتہ ہے۔۔۔ ہم جانتے ہیں۔۔۔ لیکن اتنی معلومات کہ باوجود معاملات روز بار روز بگڑتے جارہے ہے۔۔۔سب کچھ الٹ پلٹ ہوئے جارہا ہے۔۔۔پرانے وقت میں معلومات تو تھی مگر ذرائع محدود تھے۔۔۔ مخصوص افراد کی جاگیر جانی جاتی تھی۔۔۔آج معلومات کا کوئی دعویدار نہیں ہے۔۔۔آج ذرائع بہت ہوچکے ہیں۔۔۔پہلے کتابیں، اخبارات اور رسائل معلومات کے بنیادی ذرائع تھے۔۔۔یا بزرگوں کا علم نایاب تھا۔۔۔آج ذریعوں کی بہتات ہے۔۔۔کتابیں، اخبارات اور رسائل تو اب بھی ہیں بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں ہیں۔۔۔ مگر آج برقی دور ہے۔۔۔ ہر چیز ہر معلومات باآسانی میسر ہے۔۔۔

ہم رکتے ہی نہیں۔۔۔ دیکھتے اور سننے پر دھیان نہیں دیتے۔۔۔سب کچھ چلتے چلتے ہوتا جاتا ہے۔۔۔ کسی کی تعریف کسی کی برائی۔۔۔ کسی کی عیادت کسی کی تعزیت۔۔۔ کسی کی شادی کسی کی میت۔۔۔سب جگہ ہم چلتے رہتے ہیں۔۔۔حال احوال بھی اشاروں میں معلوم کرلیتے ہیں۔۔۔بظاہر اس جگہ کھڑے ہیں مگر ذہنی طور سے

کہیں اور آگے پہنچے ہوتے ہیں۔۔۔ ٹھہرنے سے اور دھیان سے عاری ہوئے جا رہے ہیں۔۔۔ جہاں بیٹھے ہوتے ہیں وہاں سے کہیں آگے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔۔۔ جہاں جانا ہوتا ہے وہاں سے آگے کیا ہے یہ سوچ رہے ہوتے ہیں۔۔۔ جیسے روح اور جسم آپسی ناراض ہوئے ہوں۔۔۔ ایک کہیں تو دوسرا کہیں۔۔۔ سڑکوں پر آئے دن ٹریفک جام ملتا ہے۔۔۔ نکلتے کہیں جانے کیلئے ہیں مگر راستے میں خیال آیا وہاں سے ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔۔۔ اچانک راستہ بدل لیتے ہیں۔۔۔ اس طرح کا معاملہ کم و بیش سب کہ ساتھ ہے۔۔۔ ابھی بچہ بہت چھوٹا ہے۔۔۔ مگر اس سے توقعات ایسی وابستہ کر رکھی ہیں۔۔۔ جیسے ایک بہت با شعور اور بڑا فرد ہو۔۔۔ ہماری کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔۔۔ روز بروز الجھتے جا رہے ہیں۔۔۔

ہر روز انگنت لوگ اپنی زندگی کی لڑائی ہار جاتے ہیں۔۔۔ کچھ لوگ بیماریوں سے لڑتے ہوئے مارے جاتے ہیں۔۔۔ کچھ لوگوں سے ان کے جینے کا حق انہیں بتائے بغیر ہی چھین لیا جاتا ہے۔۔۔ دھماکے ہو رہے ہیں۔۔۔ نا معلوم افراد دندناتے پھر رہے ہیں۔۔۔ عمارتوں میں آگ لگ رہی ہے۔۔۔ عبادگاہیں محفوظ نہیں۔۔۔ تعلیمی ادارے محفوظ نہیں۔۔۔ ہمارے محافظ محفوظ نہیں۔۔۔ کون مار رہا ہے۔۔۔ کیوں مر رہا ہے۔۔۔ سگنلز پر کوئی رکنے کو تیار نہیں۔۔۔ قانون اور قانون کہ رکھوالوں کا خوف نہیں ہے۔۔۔ بس سب چل رہا ہیں بلکہ دوڑ رہے ہیں۔۔۔ دھرنے دیئے جا رہے ہیں۔۔۔ دھرنوں کی حفاظت ہو رہی ہے۔۔۔ ہمارے پیارے وطن پاکستان میں قانون کی

بالا دستی نہیں۔۔۔ایسا لکھنے میں کوئی شرمندگی بھی نہیں۔۔۔اگر کسی کو کوئی ملک قومیت دینے کو تیار نہیں تو وہ پاکستان آجائے۔۔۔یہاں شناختی کارڈ بن جاتا ہے اور پاکستانی کہلایا جانے لگتا ہے۔۔۔پاسپورٹ بھی بن جاتا ہے۔۔۔ڈرائیونگ لائسنس بھی بن جاتا ہے۔۔۔پاکستان کے ارباب اختیار ایسے لوگوں کو پناہ دے دیتے ہیں۔۔۔کیوں یہ ہم سب کو پتہ ہے۔۔۔اور پھر کسی حادثے کہ بعد اسے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔۔۔پہلے زخم دیتے ہیں۔۔۔پھر زخموں پر مرحم رکھنے پہنچ جاتے ہیں۔۔۔ہمارے سیاست دان اپنی حفاظت کیلیئے پورے وطنِ عزیز سے محافظوں کے دستے منگوا لیتے ہیں۔۔۔بلیٹ سے محفوظ رکھنے والی گاڑیاں مہنگے داموں منگوا لیتے ہیں۔۔۔عوام کی زندگی کوئی معنی و حیثیت نہیں رکھتی۔۔۔

پاکستان میں رشوت اور چور بازاری عام ہے۔۔۔یہاں ادارے روز بروز زبوں حالی کا شکار ہو رہے ہیں۔۔۔پاکستانی عوام چاہے وہ کسی بھی صوبے یا زبان والی ہو۔۔۔چاہے اس کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو۔۔۔پانی نہیں ، بجلی نہیں، گیس نہیں، ہسپتالوں میں دوائیں نہیں۔۔۔مگر ہمارے سیاست دانوں کی عیش و عشرت میں کوئی کمی نہیں۔۔۔اور انہیں کوئی شرمندگی بھی نہیں۔۔۔ہمارے ملک میں زبانی جمع خرچ اتنا ہے کہ کوئی اندازہ نہیں۔۔۔خبروں کی بھرمار ہے۔۔۔مگر کوئی سدِ باب نہیں۔۔۔دہشت گردی کی مذمت کی گونج ہر وقت ہماری سماعتوں سے ٹکراتی رہتی ہے۔۔۔دہشت گرد بھی خوش ہوتے ہونگے ہمارے کیئے کو اتنا چرچا ملتا

ہے۔۔۔دہشت گرد اپنی دہشت گردی سے مخصوص علاقے کو دہشت زدہ کرتے ہیں۔۔۔مگر میڈیا کی گونج اسے گھر گھر پہنچا دیتی ہے۔۔۔پورے ملک کو دہشت زدہ کر دیتی ہے۔۔۔

پاکستان ہماری لگن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔۔۔آج ہم اپنی لگن کی بدولت ایٹمی طاقت ہیں۔۔۔ہم میں لگن کی کمی نہیں۔۔۔ہم بھٹکے ہوئے لوگ نہیں تھے۔۔۔ہمیں باقاعدہ بھٹکایا گیا ہے۔۔۔ہمیں ہماری منزل سے دور کیا گیا ہے۔۔۔کبھی ہماری سرحدوں پر گولہ بارود پھینک کر۔۔۔کبھی ہم پر الزامات کی بھرمار کر کہ۔۔۔کبھی ہمارے اندر سیاسی غلط فہمیاں پیدا کرکے۔۔۔تو کبھی فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا کر۔۔۔ہماری حکومتوں کو عوامی مسائل کی طرف توجہ دینے کی مہلت ہی نہیں دی جاتی۔۔۔ہم سب الہ کار بنے ہوئے ہیں۔۔۔اپنے ہاتھوں سے اپنے وطن کی عزت و عصمت پامال کر رہے ہیں۔۔۔ہمارے اربابِ اختیار ان باتوں پر دھیان کیوں نہیں دیتے۔۔۔ملک کی سالمیت ملک کی عوام سے ہے۔۔۔عوام نے آپ پر اعتماد کرنا شروع کر دیا تو آپ کو الیکشن کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔۔۔آپ کچھ نہیں کر سکتے تو عوام کہ ساتھ روزانہ کی بنیادوں پر کچھ نہ کچھ وقت گزارئے۔۔۔عوام کی اور اپنی راہ پر چلنے کی کوشش کیجئے۔۔۔بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ مل جائے گا۔۔۔آپ دیکھیں ایسے مشکل حالات میں بھی پاکستان آئے دن کسی نہ کسی جگہ اپنا جھنڈا اونچا کئے جاتا ہے۔۔۔ایسے ہی حالات میں نیوکلئیر پاور بن

گئے۔۔۔اگر ہم بھٹکے ہوئے نہ ہوتے تو ذرا سوچئے کہاں ہوتے۔۔۔
ہمیں باقاعدہ طور پر اپنے راستے سے اپنی منزل کی جانب پیش قدمی کرنے سے روکا جا رہا ہے۔۔۔یہ تمام مسائل جو ہمیں درپیش ہیں۔۔۔یہ دراصل مسائل نہیں راستے کی رکاوٹیں ہیں۔۔۔اب ہمیں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ دشمن کی رکاوٹوں سے اپنا راستہ اپنی منزل بدل لیں۔۔۔یا پھر ان سے نبرد آزما ہونے کیلئے سدِ باب کریں۔۔۔

"خون میں لپٹا ہوا" سچ

دنیا میں ہر طرف رنگ و نور کی بہتات ہے اور آج اسی کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ موسیقی کی اہمیت ہے اور ہر اس چیز کی اہمیت ہے جو اپنے ہونے کا بے ہنگم احساس دلانا جانتی ہو۔ کیا اسکی وجہ لوگوں کی حقیقت پسندی کا سامنا کرنے سے معذوری ہے۔ دنیا کی مشقت بہت تھکا دینے والی ہے ہلکان کر دینے والی ہے۔ اپنی توانیاں کسی ایک جانب مبذول کرنا بہت مشکل کام ہوتا جا رہا ہے۔ آج کامیابی کا صحرہ اسی کے سر سجتا ہے جو بیک وقت مختلف امور پر عبور رکھتا ہو۔
کشمیر تاریخ کی وہ حقیقت ہے جو خون میں لتھڑے ہوئے ہونے کے باوجود دنیا پر اپنی سچائی ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ کشمیر کی آزادی کیلئے قربانیوں کی ایک طویل فہرست ہے جو عمر کی حد سے آزاد ہے اور جس میں صنف کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ قربانیاں ہی قربانیاں ہیں صعوبتیں ہی صعوبتیں ہیں۔ چیخ و پکار ہے ہر طرف ظلم بے شمار ہے۔ بھارتی افواج کشمیر میں ظلم اور بربریت کی تاریخ رقم کر چکے ہیں، یہ انسانیت کے روپ میں درندے ہیں۔ بھارت ابتک سات لاکھ تربیت یافتہ بھارتی فوج کشمیر میں اتار چکا ہے اور پھر بھی کشمیر کو اپنے قابو میں کرنے سے قاصر ہے۔ کشمیر، بھارت کیلئے شائد خطے میں اپنے اثر و رسوخ کی

لڑائی ہو مگر کشمیریوں کیلئے یہ نظریاتی جنگ ہے۔ کشمیری دو قومی نظریے کی بنیاد پر برسرِپیکار ہیں۔

جدو جہد کی ایسی بہت سی مثالیں تاریخ کی ورق گردانی کرنے پر مل جائینگی، لیکن تاریخ میں جب دنیا میں روشنی کی سورج کے بعد نا ہونے کے برابر ہوا کرتی تھی۔ جب کوئی ایک چیخ پورے قبیلے کو سہادینے کیلئے کافی تھی۔ جب کسی کی کوئی سنوائی ہونا یا اس امر کیلئے کھڑے ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ ڈنڈوں سے لڑنا پڑتا تھا حقوق کیا ہوتے ہیں کسی کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ جیسے ملا کھایا، طاقتور نے چھین لیا چھین لیا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ تاریخ میں تاریکی بہت تھی اسلئے کچھ سجائی نہیں دیتا۔ ہم بہت دور نہیں جاتے تحریکِ پاکستان" تک چل کے آتے ہیں۔ چل کے جانے میں قدم قدم پر لاشیں" ہمارے قدموں سے ٹکرائینگی، کہیں جسم کے کٹے پھٹے عضاء بھی مل جائنگے، کہیں عزتیں بچانے کیلئے کنوں میں کودنے والیوں کی چیخوں کی آواز بھی سماعتوں کو بہت تکلیف دہ گزرے گی، کہیں معصوم جسوں سے خاک ہونے کی باس بھی آئے گی۔ مگر تاریخ کے اس دور میں حقائق کی ترجمانی کرنے کیلئے کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ اپنی نوحہ خوانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ تاریخ کی چیخیں بھی سسکیوں کی مانند تھیں۔ جو زور آور دشمن تھا اس نے بے رحمی ایسی ایسی مثالیں قائم کیں مگر خوش قسمتی سے وہ صرف لفظوں میں محفوظ رہے سکی اور بس تاریخ کا حصہ بن گئی۔

آج ہم سن 2016 میں سانس لے رہے ہیں جب زمانہ ترقی کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ معلومات کا طوفان ہے انگنت ذرائع ادھر کی خبر ادھر اور ادھر کی خبر ادھر کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ زبانوں کی قید سے آزاد ہے، سب کو سب کچھ تصویروں سے سمجھ آجاتا ہے۔ کشمیر کا بچہ بچہ آج بھی کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے۔ ظلم آج بھی تحریکِ پاکستان جیسا ہی ہو رہا ہے مگر آج دنیا کے کونے کونے میں یہ ظلم اور یہ بربریت اور انصاف کی دھجیاں آڑائی جانے کی مثالیں براہِ راست دیکھی جارہی ہیں دنیا کے کئی ممالک میں احتجاج بھی ہو رہا ہے۔ دنیا میں امن قائم کروانے والے ادارے اور باہمی رابطے کے ادارے کشمیر پر کیوں چشم پوشی کر رہے ہیں کیوں اپنے اختیارات مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلانے کیلیئے استعمال کر رہے، آخر کب تک دنیا اور دنیا کے منصفین خون میں لپٹا ہوا "سچ" کشمیر جھٹلاتے رہینگے اور کشمیری اپنی نسلوں کی قبریں بناتے رہینگے۔

ماڈل سٹی یا مثالی شہر!

نیو یارک، ٹوکیو، ویانا، سیول، پیرس، استنبول، اوسلو، شنگھائی، ایتھنز، اسٹوک ہوم، ٹورنٹو، زیورخ، لندن، ریاض، ڈبلن وغیرہ۔۔۔ان شہروں کہ نام سے کیا چیز آپ کہ ذہن میں آئی۔۔۔یقینا ان کہ نام پڑھ کر ذہن میں ایک مثالی شہر کی سی تازگی کا احساس ہوا ہوگا۔۔۔ان شہروں کی اور ان جیسے لاتعداد شہروں کی کوئی نہ کوئی مخصوص خصوصیات ہونگیں۔۔۔ مگر یہ خصوصیات مثبت پہلومیں ہوں توتاثر مثالی شہر کا آئے گا۔۔۔ان شہروں میں رہنے والے افراد زمینی دنیا کہ ہی لوگ ہیں نہ کہ خلاء سے آئی ہوئی کوئی مخلوق ہیں۔۔۔ہماری طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے اشرف المخلوقات ہیں۔۔۔ معلوم نہیں انہیں اس بات کا علم بھی ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہیں۔۔۔ہم جس ملک کہ باشندے ہیں یہاں تو لوگوں کو یہ بہت اچھی طرح پتہ ہے کہ وہ قدرت کی خلق کی گئی اعلی ترین مخلوق ہیں۔۔۔ خصوصی طور پر وہ افراد جو کسی نا کسی دنیاوی عہدے یا منصب پر فائز ہیں۔۔۔

مثالی شہر پر لکھنے کا خیال کیوں آیا۔۔۔ کراچی پچھلے کئی ماہ سے اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے۔۔۔ گو کہ کراچی وہ شہر ہے جو ساحلِ سمندر پر آباد ہونے وجہ سے مضطرب ہی رہتا ہے۔۔۔ ہوا یہ کہ ٹریفک پولیس نے اچانک فیصلہ کر لیا کہ

کراچی میں بغیر لائسنس کہ کسی بھی قسم کی گاڑی نہیں چلائی جائے گی۔۔۔یعنی بغیر لائسنس ڈرائیونگ پر پابندی۔۔۔ایسا ہی ہونا چاہئے مگر مدتوں بعد کیوں۔۔۔کچھ وقت پہلے اسلحہ کہ لائسنس کیلئے بھی ایسا ہی ہوا مگر نتیجہ ہم سب کہ سامنے ہے۔۔۔ویسا ہی نتیجہ اس حکم نامے کہ بعد ہوا۔۔۔کراچی میں اس سے پیشتر شناختی کارڈ رکھنے پر بھی اسی قسم کا اعلان ہوا۔۔۔گاڑی کہ کاغذات پر بھی اس طرح کا فرمان جاری ہوا۔۔۔ہمارے ملک میں قائدِ اعظم کی اہمیت کہیں ہو یا نا ہو مگر آپ کی تصویر والے کاغذوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔۔۔اس تصویر والے کاغذ کی ہمارے ملک کی پولیس سب سے زیادہ عزت و تکریم کرتی ہے۔۔۔مگر سب لوگ اس کا استعمال نہیں کر سکتے (نا ہونے کی وجہ سے) ۔۔۔دوسرے ہی دن ٹریفک پولیس کہ دفاتر پر لائیسنس بنوانے والوں کا تانتا بلکہ جمِ غفیر جمع ہوگیا۔۔۔یہ جم اتنا بڑا کہ فارم ہی ناپید ہوگئے۔۔۔خیر ہو اربابِ اختیار کا جنہیں خیال آیا کہ ہم بھی یہاں کچھ کرنے بیٹھے ہیں۔۔۔ایک ماہ کی مدت کا اصافہ کردیا گیا۔۔۔اس سارے معاملے سے قطع نظر کیا کسی بھی صوبے یا شہر میں اس قسم کا کوئی بھی حکم نامہ کوئی بھی ادارہ بغیر حکومتی عملدرامد کہ شائع یا لاگو کر سکتا ہے؟؟؟میری ناقص العقل تو یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں۔۔۔پھر حکومت بھی جمہوری ہو۔۔۔

بلدیاتی انتخابات سلسلہ وار جاری ہیں۔۔۔جلد ہی یہ عمل پایہ تکمیل کو پہنچے

گا۔۔۔پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلی دفعہ ہونے جا رہا ہے کہ کسی جمہوری حکومت نے بلدیاتی انتخابات کروائے ہیں۔۔۔ گو کہ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ اس میں بھی اعلی عدلیہ کا بڑا کردار ہے۔۔۔انشاءاللہ جلد ہی تمام صوبوں میں بلدیاتی ادارے ایک بار پھر بھرپور طریقے سے فعل ہو جائینگے۔۔۔امید کی جا سکتی ہے کہ کافی حد تک تیزی سے بڑھتے ہوئے بنیادی مسائل پر قابو پا لیا جائے گا۔۔۔

وفاقی حکومت کو اب ایک اعلان کرنا چاہیۓ کہ بلدیاتی ادارے جو شہری سطح پر کام کرتے ہیں۔۔۔اپنے شہر کو ماڈل سٹی یا مثالی شہر بنا کر دیکھائیں۔۔۔ شہر کو مثالی بنانے کیلئے ایک ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے۔۔۔ جس کے تحت شہر کو مثالی یا ماڈل قرار دیا جائے۔۔۔ شہر، شہریوں سے ہے اور شہری معاشرے کی اکائی ہے۔ مثالی شہر یا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ جو پرسکون ہو طبعی و معاشرتی اعتبار سے۔۔۔مثالی شہر سے ہماری کیا مراد ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں؛

سب سے پہلے شہری اداروں میں کام کرنے والوں سے حلف لیا جائے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دینگے۔ حرام سے خود دور رکھینگے۔ بغیر انکی ایمانداری کہ شہر آہستہ آہستہ گاؤں اور پھر بیابان کی صورت اختیار کرلے گا۔ یہ شہر آپ کہ بچوں کا بھی ہے، آپ کہ اہل خانہ بھی یہیں رہتے ہیں۔ آپ یقینا

اپنے خاندان کہ سامنے شرمندہ ہونا نہیں چاہینگے۔ شہری یا بلدیاتی انتظامیہ ہفتہ وار پرچہ شائع کرے جس میں اپنے بہترین کارندے کا اعلان کرے چاہے وہ خاکروب ہی کیوں نہ ہو۔

انصاف و قانون کی بالادستی ہو۔ شہریوں کو قانونی مدد شہری حکومت کی طرف سے فراہم کی جائے۔انصاف بلا تفریق ہو۔

شہر بھر کی سڑکیں (چھوٹی چھوٹی گلیوں ، محلوں سے لے کر اہم ترین شاہرائیں) ہموار ہوں۔

شہری ٹریفک کہ قوانین کی پاسداری کو یقینی بنائیں۔

نکاسی آب کا بقاعدہ اور واضح انتظام ہو۔

پانی کی سپلائی کا نظام واضح ہو (دن اور وقت علاقے کہ حساب سے متعین ہو اور شہری آگاہ ہوں)۔

گلی محلوں اور شاہراہوں پر نصب بجلی کہ بلب کام کرتے ہوں۔

ذرائع نکل و حمل (ٹرانسپورٹ) کا واضح نظام ہو۔پبلک ٹرانسپورٹ شہریوں کی ضرورت کہ مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہو۔دستیاب ٹرانسپورٹ کا با قاعدہ فٹنس سرٹیفیکیٹ موجود ہو۔ٹرانسپورٹ اپنی مخصوص جگھوں پر رکے ۔ ٹرانسپورٹ کا عملہ بھی نظم و ضبط کی اعلی مثال ہو۔

بازاروں کی کھلنے اور بند ہونے کہ اوقات کار واضح ہوں اور ان پر عمل درآمد

ہو۔ پارکنگ کا انتظام لازمی قرار دیا جائے ۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ عام ٹریفک کی آمد ورفت میں کوئی خلل نہیں پڑے۔

مساجد، امام بارگاہ، چرچ اور مندر تمام عبادت گاہوں کہ مخصوص رنگوں سے تخصیص کی جائے۔

اسکول، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو بھی رنگوں سے موسوم کیا جائے۔

شہر میں موجود تمام صنعتیں رجسٹرڈ ہوں (اس بات کا خیال رکھا جائے کہ چھوٹی چھوٹی صنعتیں کارخانے گھروں کہ بیچ چل رہے ہوتے ہیں ۔ انہیں جلد از جلد صنعتی علاقے میں منتقل کیا جائے)۔

شہر میں موجود تمام صنعتوں کی سالامتی اور حفاظتی سرگرمیوں پر خاص توجہ دی جائے۔

تعمیراتی کاموں پر معینہ وقت پر تکمیل کیلئے زور دیا جائے اور اسے یقینی بنایا جائے۔

پولیس کا کردار مثبت ہو عام شہری پولیس کو دیکھ کر ڈرنا چھوڑ دیں اور بد معاش، چور، ڈاکو دیکھ کر یہ کام کرنا چھوڑ دیں۔ پولیس کا نعرہ ہے کہ پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی پر بھرپور عمل درآمد کرے۔

سرکاری ہسپتالوں کا انتظام ایسا ہو کہ لوگ نجی ہسپتالوں میں جانا بھول جائیں۔ پیدائش اور موت کہ سرٹیفیکیٹ ہسپتالوں سے جاری ہوں

شہری حکومت، شہریوں کہ کیلئے مختلف موضوعات پر آگاہی سیمینار منعقد

کریں۔ جن میں بیماریوں کہ حوالے سے ، دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے، بارشوں اور زلزلوں کی احتیاطی تدابیر کہ حوالے سے وغیرہ وغیرہ۔

کوئی بھی مہم شروع کرنے سے پیشتر شہریوں کو آگاہ کیا جائے۔اس مہم کہ حوالے سے امکانات پر بھرپور توجہ دی جائے۔

ادیبوں شاعروں اور مفکرین کو خصوصی اہمیت دی جائے اور ان سے معاشرتی اقدار پر رہنمائی لی جائے۔

.بزرگ کمیٹیاں بنائیں اور ان کو فعال بنائیں۔

کھیلوں کی کمیٹیاں تشکیل دیں۔شہریوں خصوصا نوجوانوں کو صحت مند سرگرمیاں فراہم کرنے کیلئے زیادہ کھیلوں کہ مقابلے منعقد کئے جائیں۔

مندرجہ بالا چند اقدامات ہیں جن کا بھرپور اطلاق معاشرے میں انقلابی تبدیلی لاسکتا ہے۔یہ تجاویز نا صرف شہروں کی طبعی شکل سدھارنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہیں بلکہ معاشرے میں رہنے والے افراد بھی ان تجاویز کی بدولت اپنی اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانا شروع کردینگے۔

حکومتی ادارے عوام سے جو توقعات وابستہ رکھتے ہیں اس سے کہیں زیادہ عوام حکومت سے توقعات رکھتی ہے۔امید کی جاسکتی ہے کہ ان تجاویز کا خلوص کہ ساتھ اطلاق کی بدولت شہری حکومت اور شہریوں کہ درمیان ایک خوشگوار تعلق قائم

ہوگا۔ نصرت فتح علی خان مرحوم کی آواز میں گائی گئی غزل کا ایک شعر نا جانے کیوں مجھے
یاد آرہا ہے اس کہ ساتھ ہی اپنے مضمون کا اختتام کرونگا کہ

تمھیں دگگی بھول جانے پڑے گی
محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو

اگر ایسا ہوگیا تو آنے والے وقتوں میں جب کوئی مثالی شہر کی بات کرے گا تو پاکستان کہ
شہر سب کیلیے ضرب المثل ہونگے۔

ہم "کرپشن" کیخلاف "ایک" کب ہونگے؟

پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ پاکستانیوں نے ملک پر آنے والی ہر قسم کی آفات سے نبرد آزما ہونے میں فوج اور سیاسی قیادت کا ہمیشہ بھرپور ساتھ دیا ہے۔ جنگِ ستمبر دیکھ لیں یا 8 اکتوبر کا زلزلہ، پاکستانی قوم کے جذبے نے دنیا کو ہمیشہ ہلاکے رکھا۔ چاہے وہ ہمارا ازلی دشمن بھارت ہو یا ہماری آستینوں میں پلنے والے، سب کو پاکستانی عزم و حوصلے کا صحیح معنوں میں علم ہے۔ تن، من اور دھن کے ساتھ ملک پر آنے والی ہر مشکل کو اس قوم نے اپنے سینے پر لیا ہے اور ہمہ وقت میں یہ قوم سر بکف حاضر رہی ہے۔ اس جذبے کو پیائش کیلئے "یومِ آزادی" "یومِ پاکستان" "یومِ دفاع" اور "یومِ تکبیر" پر نظر ڈالئے، ان قومی اور قومی نوعیت کے دنوں کو ہم پاکستانی کتنے بھرپور اور پرجوش طریقے سے مناتے ہیں۔ ہر سال ملک سے محبت کیلئے اخراجات کی مد میں نئے نئے ریکارڈ بنائے جاتے ہیں، اب تو یہ سارے قومی دن کسی مذہبی تہوار کی سی حیثیت کر چکے ہیں۔ ہم ایک غیریب قوم ہں مگر ملکِ خداداد کی خاطر اور آنے والی نسلوں میں وطن سے والہانہ محبت کو اجاگر کرنے کی خاطر خرچہ کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اس سے یہ تو ثابت ہوگیاکے قومی جذبہ کسی شق و شبے سے عاری ہے۔ ملک سے عوامی محبت کی ایسی انگنت مثالیں موجود ہیں اور یقینا روزانہ کی بنیاد پر بنتی جاتی ہیں۔ یہ تو بات ہوئی ملی جوش و

جذبے اور قومی فریضے کی۔

کسی بھی تکلیف کو نظر انداز کرنے سے تکلیف بڑھتی چلی جاتی ہے اور ایک مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اگر مرض کی تشخیص بر وقت ہو جائے تو علاج کرنا آسان ہو جاتا ہے، ورنہ یہ ایک عام سا مرض کینسر جیسے مرض میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر مریض آہستہ آہستہ آخری سانس کی جانب تیزی سے پیش قدمی شروع کر دیتا ہے اور آس پاس بیٹھے عزیز و رشتے دار ملنے جلنے والے سوائے دعاؤں اور تسلیوں کے کوئی کیا کر سکتا ہے۔ ایسے ہی ایک مرض میں ہمارا پیارا وطن پاکستان بھی مبتلا ہے۔ تشخیص ہر وہ سیاسی جماعت کرتی ہے جو حکومت میں نہیں ہوتی اور کہیں وہی حکومت کا حصہ بن جائے تو وہ اپنی تشخیص سے منہ پھیر لیتی ہے۔ ایسا ہی ایک مرض ہمارے پیارے وطنِ عزیز کو لاحق ہوا اور آہستہ آہستہ ملک کو کمزور اور نحیف کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس مرض کو ہم پاکستانی "کرپشن" کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ لفظ بہت سارے لفظوں کا مجموعہ ہے۔ ہمارے ملک میں کرپشن اس طرح سرائیت کر چکی ہے کے اگر آپ کے ساتھ کوئی اچھائی یا نیکی بھی کر رہا ہو تو آپ اسے مشقوق نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ یہاں اب کوئی کام شاذ و نادر ہی سیدھے طریقے سے ہوتا ہے۔ پیدائش کا سرٹیفیکیٹ بنوانے سے لے کر موت کا سرٹیفیکیٹ بنوانے تک آپ کو کچھ نا کچھ دینا دلانا پڑتا ہے۔ ادارے کمپیوٹرائز ہو گئے مگر لوگوں کی ذہنیت کا کیا کرینگے۔ انہیں

تو رشوت منہ کو لگ چکی ہے۔ پولیس یا قانون پر ہمارا اعتماد نہیں ہے۔ آپ تھانے چلے جائیں بس پھر کیا جیب تو خالی کروا کر ہی باہر نکلنا ہوگا ورنہ آپ اندر تو آ ہی چکے ہیں۔ سرکاری اداروں میں کوئی درخواست بغیر کیس سفارش کے بڑھانا انتہائی ناممکن کام ہے۔ آپ کو ہر صحیح کام کیلئے بھی کچھ مختلف کرنا پڑتا ہے۔ سرکاری ہسپتال چلے جایئے وہاں آپ کو انگنت ایسے لوگ ملینگے جو پتہ نہیں کب سے وہاں بے یار و مددگار پڑے ہیں۔ کسی بھی سرکاری ادارے میں چلے جایئے آپ کا سامنا کرپشن سے ضرور ہوگا۔

اس کرپشن کی مرہونِ منت ملک کے منافع بخش ادارے ایسے خسارے میں گئے کہ کتنوں کو تو بند کرنا پڑ گیا۔ پاکستان اسٹیل مل وہ نامی گرامی ادارہ ہے جو انتہائی منافع بخش ادارہ تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے کرپشن دیمک بن کر اس ادارے کو کھوکھلا کر کے چاٹ گئی۔ اس ادارے کی تباہی میں ایک ادنیٰ مزدور سے لے کر اعلیٰ افسران تک سب کا ہاتھ ہے۔ اگر آپ غلط کو غلط نہیں کہینگے اور آنکھیں بند کر لینگے تو ایک دن ایسا ہی ہوگا جیسا اسٹیل مل کے ساتھ ہوا۔ تھوڑے تھوڑے فائدے کیلئے آنکھیں اور منہ بند کرنے والے ملک کی بربادی کے ذمہ دار ہیں۔ ایسا ہی کچھ حال پاکستان کی مایہ ناز ہوائی جہاز کمپنی کا ہوا۔ ایک وقت میں پی آئی اے وہ ادارہ تھا جہاں دنیا کے دیگر ممالک کے لوگوں نے آ کر تربیت لی۔ مگر آج دنیا میں تضحیک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مجبوراً

استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ذرائعے آمدورفت کا سب سے بڑا ادارہ پاکستان ریلویز آجتک معلوم نہیں ہو سکا کے یہ ادارہ جہاں ٹرین میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی خسارے میں کیسے جاتا ہے۔ پاکستان پولیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی 10 کرپٹ ترین پولیس میں سے ایک ہے۔

مرض کی تشخیص ہو چکی ہے مگر ابھی تک علاج نہیں شروع کیا جارہا۔ نئی حکومت آتی ہے پرانی حکومت کے خلاف کرپشن کے الزامات پر کام شروع کردیتی ہے۔ باقاعدہ ادارے بنائے جاتے ہیں اور ان میں منظورِ نظر افسران رکھے جاتے ہیں۔ ان افسران سے توقع یہی کی جاتی ہے کہ یہ کرپشن کے خاتمے کیلئے کام کریں مگر اس بات کا خیال رکھیں گے کہ یہ کاروائی موجودہ حکومت کے کسی فرد کے خلاف نا ہو۔ تفتیش ہوتی ہے، شناخت ہوتی ہے، پیشیاں ہوتی ہیں، اخبارات کی شہ سرخیاں بنتی ہیں،.بریکنگ نیوز ٹیلی میڈیا کی رونق.بڑھاتیں ہیں مگر معاملہ وہیں کا وہیں رہتا ہے حکومت کے خاتمے کا وقت قریب آجاتا ہے، پھر نئے انتخابات کی گہما گہمی شروع ہوتی ہے ہر کوئی اپنے جلسوں میں عوام کے رو.رو یہی کہتا سنائی دیتا ہے کہ ہم کرپشن کو ملک سے مٹا دینگے، ہم کرپشن زدہ معاشرہ صاف کردینگے، ہم کرپٹ لوگوں کو سرِ عام سزائیں دینگے مگر کرپشن اپنی جگہ ناسور بن کر ملک کو کھائے جارہی ہے۔

ہمارے معزز و محترم سیاستدان کرپشن کو بچانے کیلئے تو بارہا ایک ہوئے ہیں مگر وہ دن کب آئے گا جب ملک سے کرپشن اور کرپٹ لوگوں کو اپنی صفوں سے نکال کر الگ کردینگے۔ وہ وقت کب آئے گا جب سب ایک اسٹیج پر کھڑے ہو کر یہ کہنگے کے ہم اب اس ملک میں کرپشن کو نہیں رہنے دینگے۔ یہ قوم تو آپکی ایک آواز پر لبیک کہتی ہے اور اپنے اتحاد کا ثبوت بھی دیتی ہے آپ کب ہاتھوں کی زنجیر بنا کر ملک کے تمام منصوبوں کو رکوا کر صرف اور صرف ایک کام کرینگے اس ملکِ خداداد کو کرپشن سے پاک کرینگے۔ پھر کوئی میلی آنکھ تو کیا غلط زبان بھی استعمال کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ پھر اسٹیل مل راتوں رات منافع بخش ہوجائے گی، پھر پی آئی اے کو کوئی ترچھی آنکھ سے نہیں دیکھے گا اور ریلوے ہواؤں سے باتیں کرتی دیکھائی دے گی

ایک کربلا ہے، ایک کشمیر ہے

اگر آپ کو مطالعہ کا شوق ہے تو آپ اسلام سے قبل کا مطالعہ کریں یا طلوعِ اسلام کے بعد کا انسانیت کی تاریخ جنگ و جدل سے لبریز ہے۔ یہ جنگیں طاقت کے توازن کے بگاڑ کی وجہ سے لڑی جاتی رہیں اور طاقتور اپنا تسلط اپنا رعب و دبدبے کیلئے انسانی جانوں سے کھیلتے رہے ہیں۔ انسانیت کی وحشت و کربناک تذلیل ہوتی رہی ہے اور عزتیں پامال ہوتی رہی ہیں۔ بے رحمی کی اعلی سے اعلی مثالیں قائم کی جاتی رہیں۔ مگر ظلم اور بربریت کی داستانیں رقم کرنے والے اور انسانی خون کی بے حرمتی کرنے والے بے رحم اور سفاک حکمران اپنے کئے پر کبھی بھی شرمندہ اور نادم نہیں دیکھائی دیئے۔ تاریخ کی سیاہ کاریوں سے بھی سبق نا سیکھنے والے عقل کے اندھوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ آج اکیسویں صدی میں بھی یہ جنگ و جدل کا بازار گرم ہے خون آج بھی ویسے ہی بہایا جا رہا ہے جیسے زمانہ جہالیت میں بھایا جاتا تھا۔ جہاں ہم ترقی کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں تو وہیں سفاکیت کی اور بے رحمی کی داستانیں بھی رقم کرتے جا رہے ہیں۔

ہمارے پڑوسی ملک بھی جنگی جنون جیسی بیماری میں مبتلا ہوا ہے۔

تاریخ ایک ایسے ہی جنگ و جدل جیسے سانحے کو لے کر ایک طرف تو شرمندہ و نادم

دیکھائی دیتی ہے تو دوسری طرف فخر سے حق کا علم بلند کیئے دیکھائی دیتی ہے۔ دنیا اس عظیم واقع کو شہادتِ حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے یاد رکھے ہوئے ہے۔ یہ اسلامی تاریخ کا بیک وقت روشن اور تاریک باب ہے۔ یہ واقعہ کربلا ہے، جہاں اہل بیت پر ہونے والی ظلم اور بربریت کی ایک اور مثال قائم کی گئی۔ جب امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ اور انکے اہل خانہ کو بھوک اور پیاس کی حالت میں شہید کیا گیا۔ اس واقع کی جہاں مذہبی اعتبار سے بہت اہمیت ہے وہیں اس واقع سے سیاسی اور شخصی معاملات پر بھی اپنے گہرے اثرات چھوڑے۔ جس کیلیئے یہ کہا جاتا ہے کہ "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"۔

ظلم کے پہاڑ توڑنے والے، معصوم بچوں اور بچیوں کو پانی کی بوند بوند کو ترسانے والے، شیر خوار بچے پر تیر برسانے والے تاریخ کی تاریکی کے گہرے کنویں کی نظر ہو گئے۔ ہمارا تو ایمان ہے کے شہید زندہ ہوتا ہے اور کربلا والے آج بھی ویسے ہی زندہ ہیں۔ صرف دنیائے اسلام ہی نہیں بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی عزمِ حسین رضی اللہ تعالی عنہ اور اہل بیت کی قربانی کو دنیا کے لیئے ظلم کے آگے ڈٹ جانے کی اعلی ترین مثال قرار دیتے ہیں۔

گزشتہ کئی دہائیوں سے کشمیری حق خود ارادیت کی جدوجہد میں برسرپیکار ہیں۔ کربلا اور کشمیر میں "ک" کی طرح صورتحال بھی مشترک ہے۔ یہاں بھی معاملہ کسی

باطل کے ہاتھ پر بیعت کا ہے، یہاں کا وزیرِاعلی بھارتی حکومت کا بیعت یافتہ ہوتا ہے اور تمام امور بھی وہیں سے چلائے جاتے ہیں۔ بظاہر تو کشمیر میں کوئی حکومت نہیں بس بھارتی فوج ہی فوج ہے۔ اب ذرا غور تو کیجئے کشمیر پر جو حق کی بقا کی جنگ باطل سے لڑ رہے ہیں یہاں تو نسلوں کی نسلیں اپنی جانوں کا ندرانہ پیش کر چکی ہیں۔ کشمیر میں بھی معصوم جانوں کا بے رحمی سے قتلِ عام کیا جارہا ہے اور صبح شام کیا جارہا ہے۔

اہلِ کشمیر بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، گزشتہ کئی روز سے بھوک اور افلاس ساتھ لئے باطل کے سامنے خیمہ زن ہیں، حق کی بقاء کیلئے گردنیں تن سے جدا کروا رہے ہیں مگر باطل کے آگے جھکا نہیں رہے۔ ڈٹے ہوئے ہیں عزمِ حسین کی طرح اور ہر شام، شامِ غریباں منا رہے ہیں، ہر روز جنازے اٹھا رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو اب وہ وقت دور نہیں جب کشمیری اپنی آزادی کا سورج طلوع ہوتا دیکھینگے، فتح ہمیشہ حق کی ہی ہوتی ہے چاہے اس میں سر تن سے جدا کروانا پڑے یا پھر کرنا پڑے۔

غریبی میں بھی ادائیں امیری کی

قدرت نے ہاتھی کو خشکی کے جانوروں سب.بڑا موجودہ جانور بنایا ہے جس کی وجہ اس کی قوی ھیکل جسامت ہے۔قدرت نے دیو ھیکل جسامت والے ہاتھی کو بہت چھوٹی آنکھیں دی ہیں جس کا جواز ہمارے.بڑوں نے یہ بتایا ہے کہ اگر ہاتھی کی آنکھیں بھی جسامت کی مناسبت سے ہوتیں تو یا کم از کم ہرن کی طرح بھی ہوتیں تو ہاتھی اپنے بھاری بھرکم جسم کی بدولت تباہی اور بربادی پھیلاتا پھرتا اور ہمارے قابو میں آسانی سے نا آتا۔ قدرت نے انسان پر رحم ہی رحم کیا ہے اور عقل جیسی نعمت دے کر اپنی تخلیقات میں افضل ترین یعنی اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کر دیا ہے۔اپنے نائب کا درجہ بھی دے دیا۔ اربوں کھربوں انسان اس دار فانی میں آئے اپنی اپنی زندگیاں اپنے اپنے طرز پر جئیے اور رخصت ہوئے ۔ یہ بات تو طے ہے کے قدرت کے کارخانے میں ایسے مصور بیٹھے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لر آج تک پیدا ہونے والے انسان کی شکلیں مختلف بنا رہے ہیں۔ جبکہ بنیادی اعضاء جب سے لیکر آج تک وہی ہیں یعنی دو آنکھیں، دو کان، ناک اور ہونٹ مگر ہلکی پھلکی مشابہت کے علاوہ ہر چہرہ دوسرے سے مختلف بنا رہے ہیں۔ خدوخال مختلف بنانا اگر کوئی بات نہیں ہے تو ہر انسان کے احساسات مختلف بنا رہے ہیں، سوچ مختلف بنا رہے ہیں، بولنے کا انداز مختلف، چلنے کا انداز مختلف، کھانے کا انداز مختلف غرض یہ کہ ہر

انسان دوسرے انسان سے مختلف ہے۔ کسی شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔ شاذ ونادر آپکو جڑواں اور دو سے زیادہ پیدائش کی خبریں بھی ملتی ہیں۔ جن میں ایک جیسے خدوخال بھی مل جاتے ہیں اور ایک جیسی عادت بھی لیکن ایسا بہت کم کم ہوتا ہے۔ اس کا مقصد قدرت یہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ ایسا نہیں ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی، قدرت اپنی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ "اللہ ہر شے پر قادر ہے"۔

ہر انسان کو قدرت نے کسی نا کسی ایسی خاص صفت سے نوازا ہے جو اسے دوسروں سے منفرد کرتی ہے مگر اس صفت کو اخذ کرنا، جانچنا یا اپنے اندر سے نکالنا ایک ایسے عمل کا محتاج ہے جسے "ریاضت" کہتے ہیں۔ اہلِ تصوف تو اس عمل سے بہت اچھی طرح واقف ہیں مگر ایک عام آدمی کیلئے یہ ایک مشکل اور صبر آزما عمل ہے۔ ریاضت سے مراد ایسا عمل جو آپ کو اپنے اندر کی صلاحیتوں کو پہچاننے میں مدد فراہم کرے اور قدرت کے رازوں سے شناسائی دے۔ اس عمل کی بدولت جہاں انسان میں خود آگہی کا شوق پیدا ہوتا ہیں تحمل اور بردباری بڑھتی جاتی ہے۔ انسان کسی بھی اچھنبے سے باہر آجاتا ہے یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ "گنجلک اور آلودہ ماحول سے باہر آجاتا ہے" ظاہری سطح سے بلند ہوجاتا ہے وہ بظاہر تو زمین پر چل رہا ہوتا ہے مگر درپردہ اسکے پیر زمین پر نہیں ہوتے وہ عام انسانوں سے بلند ہوجاتا ہے اسکی ذہنی کیفیت عام انسانوں سے مختلف ہوتی چلی

جاتی ہے۔ اپنی خصوصیت کی بناء پر وہ خاص ہوا جاتا ہے۔

آج دنیا میں رہنے والے انسانوں کو جنہیں اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے بہت برے حالات و واقعات کا سامنا ہے۔ہم اپنے دشمن خود ہی بنے بیٹھے ہیں۔ انسان کے دل میں خدا بننے کی خواہش اسے اس حال تک پہنچا چکی ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی کسی بھی بد نظمی سے گریز نہیں کرتے۔ یہاں تک کے انسانیت کا قتلِ عام کردیتے ہیں۔ اس دور میں حق کی بات کرنا اور کہنا بلکل بے معنی ہوچکا ہے۔ آج جھوٹے کی اہمیت بہت زیادہ ہے مگر سچ کو کوئی پوچھتا نہیں۔

ہمارے ملک کی اکثریت آبادی غربت کی لکیر کو چھو رہی ہے، باقی متوسط طبقے میں آجاتے ہیں۔ بات دراصل کچھ یہ تھی کے عاشورہ کے دن ایک طرف تو سوگ ہی سوگ اور رنج، علم و ماتم تھا تو دوسری طرف تقریباً ہر گھر سے کچھ نا کچھ بانٹا جا رہا تھا، ہر گھر سے بچہ، بچی، بوڑھا جوان ہاتھ میں کچھ نا کچھ لئے بانٹنے جاتا دیکھائی دے رہا تھا۔ کھانے سے لے کر بچوں کی آئس کریم تک بٹتے دیکھی۔ ایک عجیب سی گہما گہمی تھی۔ کچھ بچے اپنی جیب خرچی سے ٹافیاں خرید کر بانٹ رہے تھے۔ بانٹنے کی ایسی تربیت تو شائد ہی کہ اس بات سے قطع نظر کے ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہوگی جنہیں یہ بھی نہیں پتہ ہوگا کے وہ

کیوں بانٹ رہے ہیں۔ ہاتھی کی آنکھیں چھوٹی کرنے کی وجہ تو سمجھ میں آ گئی مگر کم حیثیت والے بڑھ چڑھ کر اپنے دین سے محبت میں بڑے سے بڑے امیر کو پیچھے چھوڑتے دیکھے جاتے ہیں۔ یہی ہم پاکستانیوں کی خوبی ہے کہ جب کبھی بھی وطن سے محبت کا ثبوت دینا ہو تو یہ غریب قوم ریکارڈ خرچہ کر کہ ملک کے گلی کوچوں کو سجاتی ہے۔ جب دین سے اسلام سے محبت کا ثبوت دینا ہو تو اپنے لہو سے بھی چراغاں کرتے ہیں اور اتنا کھلاتے ہیں کے کھانے والے کم پڑ جاتے ہیں۔ یہ ہم غریب پاکستانیوں کی امیری کی وہ ادائیں ہیں جن سے ہمارا دشمن بھی خوفزدہ ہوتا ہے۔ اس کو معلوم ہے یہ قوم اپنے ملک اور مذہب کی خاطر "شہد کی مکھیوں" کا جتھا بن جاتی ہے۔ ہم پاکستانی اپنے ملک اور اپنے مذہب کیلئے نا مارنے سے ڈرتے ہیں اور نا مرنے سے، اور ہم یہ محبت بغیر کسی ریاضت کے کرتے ہیں۔

رہنا تو ہم کو بھی نہیں

آپ کا تعلق دنیا کے کسی بھی مذہب سے ہو یا نا بھی ہو، ایک نا ایک دن آپ کو اس دارِ فانی سے کوچ کرنا ہے۔ اپنی محنت مشقت اور تمام تعلقات چھوڑ چھاڑ کر جانا ہوگا۔ کتنے ہی ایسے کام ادھورے رہ جائینگے جو ہم سمجھتے تھے کہ ہمارے علاوہ کوئی سرانجام نہیں دے سکے گا۔ اس بات بھی سے قطع نظر کہ آپ کتنے جاہ وجلال اور اعلی مقام رکھتے ہیں یا کتنے امیر کبیر ہیں یا پھر کتنے متقی پرہیز گار اور اللہ برگزیدہ بندے ہو۔ پس اس بات تو ساری دنیا کو اتفاق کرنا ہی پڑے گا کہ دنیا میں جس شے نے جنم لیا ہے سانس لی ہے، پیدا ہوئی ہے اس کو لوٹنا پڑے گا ایک دن مرنا پڑے گا اور اپنے خالقِ حقیقی کی طرف لوٹنا پڑیگا۔ پروین شاکر نے بہت خوبصورت شعر کہا "وہ کہیں بھی گیا، لوٹا تو میرے پاس آیا۔ بس یہی بات اچھی ہے مرے ہرجائی کی"۔

تاریخ ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے جو زندگی میں ایسے مگن تھے یا اس طرح زندہ رہے کہ کبھی مرنا نہیں تھا اور آج ایسا ہے کہ جیسے وہ کبھی دنیا میں آئے ہی نہیں تھے۔ یہاں تک کے ہم سب گواہ ہیں بلکہ قسم کھائے ہوئے ہیں کہ تاریخ سے سبق نا سیکھا گیا اور نا ہی سیکھنا ہے بلکہ ہم سب نئی تاریخ رقم کرنے کی

غرض سے اپنا وقت اپنے طور سے گزارہ اور آج بھی جو لوگ دنیا میں موجود ہیں تاریخ رقم کرنے کیلئے سرگرم ہیں۔ تاریخ رقم کرنے کے شوق میں دنیا کی انسانیت کیلئے بدترین جگہ بناتے جا رہے ہیں۔ اگر امن ہے تو یہ خوف ہے کہ کب تک رہے گا اور جنگ ہے تو فکر لاحق ہے کہ کب کسی منطقی انجام کو پہنچے گی۔ کہنے والے کہتے ہیں کے اگر موت نا ہوتی تو زندگی کا مزا نہیں ہوتا اور سب سے بڑھ کر انسان اپنے خالق کا منکر ہوتا۔
ہمارے ملک کی سیاست کا جائزہ لیں یا دنیا کے سیاسی منظر نامے پر نظر ڈالیں ہر طرف ایسے ہی لوگوں کی بھرمار نظر آئیگی جن کے اقدامات اور برتاؤ سے یہ لگتا ہے کہ رہتی دنیا تک کیلئے حیات اور برسرِ اقتدار رہینگے، کچھ بھی کرلیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کم از کم ہمارے ملک میں تو ایسا ہی ہے۔ پاکستان میں "انا" بہت پھلتی پھولتی ہے۔ ملکی سیاست ہو یا گھریلو معاملات یا دفتری امور ہر جگہ انا کا کردار بہت اہم نظر آتا ہے۔ درحقیقت یہ انا ہی تو ہے جو ہمیں اس واپسی کے سفر سے بھٹکا دیتی ہے اور دنیا جہان میں الجھائے رکھتی ہے۔ دنیا سے اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا۔ آپ پاکستان میں ہونے والی داخلی سیاسی صورتحال دیکھ لیں یا پھر امریکہ میں ہونے والے صدارتی انتخابات کا ڈرامہ دیکھ لیں، آپ انڈیا کے عزائم دیکھ لیں یا شام، فلسطین، کشمیر اور دیگر ان جیسے ملکوں کو دیکھ لیں۔ ہر جگہ انا نے اپنی دھاک بیٹھائی ہوئی ہے۔ یہ

ممالک ہیں جہاں زندگی موت کے مشابہ ہے۔

ایک طرف تو یہ سیاستدان ایک دوسرے کو ایسے ایسے القابات سے نوازتے ہیں کہ کبھی ایک دوسرے کا سامنا ہی نہیں کرنا مگر سیاسی مفادات جو کہ کافی حد تک ذاتی مفاد کی حیثیت اختیار کر چکے ہوتے ہیں کی خاطر گلے بھی مل لیتے ہیں اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی تناول فرما لیتے ہیں اور خوش گپیاں بھی کر لیتے ہیں۔ اس سارے عمل کی بدولت منافقت کی ایسی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہیں کہ دنیا حیران و پریشان رہ جاتی ہے۔

آپ کو زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ذہن پر زور دینے کی ضرورت ہے ابھی انتخابات کے دوران ہونے والے جلسوں پر نظر ڈال لیجئے کس طرح ایک دوسرے کو سڑکوں پر گھسیٹنے کی اور لٹکانے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا ہے کہ یہی لوگ ایسے محبت اور افہام و تفہیم کی مثال بن گئے۔ دراصل یہ لوگ بھی بھولے بیٹھے ہیں کے اس دنیا کو چھوڑنا ہے یہ سب عارضی ہے۔

دنیا صرف دو لوگوں کو یاد رکھتی ہے ایک وہ جنہوں نے انسانیت کی خدمت کی ہو اور انسانیت کیلئے دنیا کو آرام دہ بنانے کی کوششیں کی ہوں یا پھر دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے انسانیت کی تذلیل کی مثالیں قائم کی ہوں اور دنیا انسانوں کیلئے تنگ کردی ہو۔ دنیا میں رہا کوئی نہیں نا انسانیت کی خدمت

کرنے والے اور نا ہی انسانیت کی توہین کرنے والے۔ بس آج جب تذکرہ ہوتا ہے تو
کسی کیلیے دعائیں ہوتی ہیں اور کسی کیلیے۔۔۔۔۔۔۔ اب فیصلہ ہم سب کو خود ہی کرنا ہے
کہ دنیا دعاؤں میں یاد رکھے یا پھر۔۔۔۔۔ کیونکہ قدرت کا قانون ہے اور رہنا تو ہم کو
بھی نہیں ہے۔

سو لفظوں میں خالد کی کہانی

خالد اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا کہ میں کیوں لکھ رہا ہوں؟
خالد کو اس سوال نے بلکہ اس کی سانسوں کو بھی تنگ کر رکھا تھا، وہ ہر وقت گھٹن محسوس کرتا۔
وہ معاشرے میں ہونے والی چھوٹی چھوٹی نا انصافیوں، بے ضابطگیوں اور بے ایمانیوں سے بہت پریشان رہتا تھا۔
خالد ہر وقت بس اس سوال کے جواب کی تلاش اپنے اندر ہی ڈھونڈتا رہتا۔
مگر اسے لگتا کہ اسکا تعاقب قہقہوں کی آوازیں اور گھورتی آنکھیں کرتیں رہتی ہیں اور وہ دیوانہ وار بھاگتا رہتا۔
اب خالد کو انتظار اس وقت کا ہے جب وہ خود کشی کریگا یا خود کش حملہ آور بنے گا۔

ہماری سیاست اور الزامات کا پنڈورا بکس

تحریک انصاف ایک ایسی سیاسی جماعت ہے جس کا ایک ہی فرد پاکستان کی پوری سیاسی جماعتوں کی قیادت پر بھاری پڑا ہوا ہے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین اور المعروف کپتان" عمران خان، وہ اکیلی شخصت ہیں جو پاکستان کی دیگر تمام سیاسی جماعتوں سے" نمٹنے کا ہنر جانتے ہیں۔ خان صاحب سب کے سوالوں کے جواب بھی بے دریغ دے دیتے ہیں اور اپنی نجی زندگی کے معاملات بھی نمٹاتے نظر آتے ہیں جن میں دوستوں سے میل ملاپ سے لے کر جسمانی کسرت بھی شامل ہے۔ خان صاحب کو اللہ تعالی نے پاکستان کو بطور تحفہ بھیجا ہے جیسے خود پاکستان اللہ کی طرف سے پاکستانیوں کیلئے ایک خوبصورت تحفہ ہے۔ جس کی ناقدری کی سزا 71 میں سقوطِ ڈھاکہ کی صورت میں بھگت کر بیٹھے ہیں مگر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ہم نے پھر بھی اپنے آپ میں تبدیلی نہیں لائے اور اسے ڈگر پر چلے جا رہے ہیں۔

کچھ لوگ اپنی باری کی یقین دہانی کے باعث خاموش بیٹھے رہتے ہیں چاہے وہ اپوزیشن میں ہی کیوں نا ہوں اور کچھ لوگ ہر دور میں حکومتی سیٹوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں اسلئے ایسے لوگوں سے تو کسی قسم کی مزاحمت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انڈیا کے ساتھ حالات مسلسل کشیدہ ہیں مگر اللہ کے فضل و کرم

سے ہماری افواج کی ایسی ہیبت ہے کہ سوائے زبانی جنگ کے انڈیا اور کچھ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ان کے ذہنوں کی طرح ان کا اسلحہ بھی ہمارے فوجیوں سے خوفزدہ دیکھائی دیتا ہے۔ یوں انڈیا کے ساتھ کشیدگی ہمارے سیاستدانوں کا مسلۂ نہیں ہے ان کا مسلۂ اس ملک پر حکومت کرنا ہے کیونکہ حکومت میں ہوتے ہیں تو پھر کچھ بھی کرتے پھرو کسی کو جوابدہی نہیں ہوتی۔ حکومت وفاق میں ہو تو کیا ہی بات ہے ورنہ صوبائی حکومت تو مل ہی جاتی ہے جیسے پنجاب میں مسلم لیگ (ن)، سندھ میں پیپلز پارٹی، خیبر پختونخواہ میں تحریک انصاف اور بلوچستان کی صوبائی حکومت تو نام کی ہی ہوتی ہے۔ سندھ اور بلوچستان کو ہٹا دیجئے مقابلہ خیبر پختونخواہ اور پنجاب میں ہے۔ ان دونوں صوبوں میں ایک دوسرے کی ٹسل میں کام ہو رہا ہے مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کا بنیادی فائدہ عوام کو پہنچ رہا ہے۔ رہی بات سندھ کی تو یہاں تو کچرے سے ہی جان نہیں چھوٹ رہی اس سے آگے کیا بات کریں۔

ملکی سیاست سے ذرا سا دھیان ہٹا کر اور سرحدی صورتحال سے نظریں چرا کر توجہ طلب بحث کراچی میں چل رہی ہے اور الزامات کا ایسا پنڈورا بکس کھولا ہوا ہے جس سے تمام پاکستانی محضوض ہو رہے ہونگے۔ یہ باکس کراچی کی اس سیاسی جماعت کے ذمہ داران نے کھولا ہوا ہے جو اب مختلف طرزِ سیاست کی تبلیغ کرنے کیلئے کراچی میں براجمان ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ آپ خبروں میں نمایاں رہنے کیلئے

یا اخبارات میں سرخیوں میں چھپنے کیلئے، یہ سوچ سمجھے بغیر کے کیا بول رہے ہیں اور کس کے کیخلاف بول رہے ہیں، بس بولتے چلے جائیں۔ گورنر صاحب اور مصطفیٰ کمال صاحب جو "شائد" ایک عرصے سے ایک دوسرے سے رابطے میں نہیں، پھر اچانک اس سارے ڈرامے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سارے ماحول میں کراچی کی عوام کیلئے یقیناً مشکل حالات پیدا ہوتے جارہے ہیں یا کئے جارہے ہیں۔ ابھی کراچی کی نمائندہ جماعت متحدہ قومی موومنٹ سیاسی بحران سے گزر رہی ہے تو دوسری مہاجر قومی موومنٹ بھی فعل ہوتی دیکھائی دے رہی ہے۔ دوسری طرف پاک سرزمین پارٹی جو ابھی پریس کانفرنس کے ذریعے سے اپنے ہونے کا عندیہ دے رہی ہے، عملی سیاست کیلئے 2018 کے انتخابات کے اعلان کی منتظر ہوگی۔

ہمارے ملک کی سیاست کیا ملک بھی الزامات کی بنیاد پر ہی چلتا ہے، ایک سیاسی جماعت دوسری، تیسری سیاسی جماعتوں پر الزامات لگاتی ہے اس کے جواب میں اگلی جماعت پہلی والی جماعت پر الزامات کی طویل فہرست پیش کردیتی ہے پھر کوئی اور ان دونوں پر الزامات کا ٹرک الٹ دیتا ہے۔ کوئی بھی ہماری گلیوں سے کچرا اٹھوانے نہیں آتا، کوئی بھی ہسپتالوں میں مرتے مریضوں کی خبر گیری نہیں کرتا اور کوئی بھی کھانے کی اشیاء میں زہر ملانے والوں کو نہیں پکڑتا۔

اس بات سے تقریباً ہر پاکستانی اتفاق کرے گا (سیاسی وابستگیوں کے علاوہ) کہ

پاکستان میں اگر کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی آ رہی ہے تو اس کا سہرا عمران خان کے سر ہے چاہے وہ کراچی کے موجودہ حالات ہوں یا پھر لاہور کے یا پھر کوئٹہ اور پشاور کے۔ لوگوں میں ایک بیخوفی پیدا ہوئی ہے۔ حالات سے لڑنے کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ اپنے وجود کا احساس ہوا ہے۔ صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی صلاحیت اجاگر ہوئی ہے۔

موجودہ دور الزامات اور الزام تراشی کا دور ہے۔ یہ آپس کہ الزامات درحقیقت وقت گزارنے کے بھانے ہیں۔ خان صاحب یہ تمام پاکستانی سیاست دان جمہوریت کہ لبادے میں لپٹی کرپشن کو بچانے کیلیۓ آپ کے خلاف کھڑے ہیں بلکہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کھڑے ہیں اور یہ سب اس الودہ نظام کے کرتا دھرتا ہیں آپ چاہے رائے ونڈ میں جلسہ کریں یا پھر اسلام آباد میں پھر دھرنا دیں۔ یہ اپنا وقت پورا کرکے ہی جائینگے اور پھر باری کے انتظار میں کھڑے اگلی حکومت کی تیاری کرینگے۔ یہاں الزامات کی سیاست ہوتی ہے، یہاں لاشوں پر سیاست ہوتی ہے، یہاں زبانوں پر سیاست ہوتی ہے، یہاں کرپشن پر سیاست ہوتی ہے۔ انصاف مانگنے والے کو یہ لوگ پاگل کہہ کر سنگسار کروادیتے ہیں۔ ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ حق رہنے کیلیۓ ہے اور باطل مٹنے کیلیۓ۔

ضابطہ اخلاق بھی کسی "بلا" کا نام ہے

ہم پاکستانیوں کیلیئے، پاکستان قدرت کی عظیم ترین نعمت اور انمول تحفہ ہے۔ خصوصی طور پر ان لوگوں کیلیئے جو اس ملک کی بوٹیاں نوچ نوچ کر بیچ رہے ہیں اور کھا بھی رہے ہیں۔ اس ہی ملک کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو صبح و شام مانگ مانگ کر کھا رہا ہے اور ایک طبقہ ایسا بھی جو جسے چھین چھین کر کھانے کا شوق ہے، یہ طبقات ایسی خلقِ خدا ہے جسے لگتا یوں ہے کہ قدرت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے بظاہر ان کا ایمان ایسا نظر آتا ہے کہ انکو "مرنا" نہیں ہے اور نا کوئی حساب کتاب دینا ہے۔ یہ ان لوگوں کی طرح زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں جو مل جائے لے لو اور کھالو اور آگے بڑھ جاؤ۔
ہمارے معاشرے میں ایک قلیل تعداد ایسے طبقے کی بھی ہے جو اپنی محنت اور مزدوری کی مد میں حاصل ہونے والی روزی کو بہت جان کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ یہ شکر گزاری کی اعلی مثال بننے کیلیئے تا حیات کوشاں رہتے ہیں۔ یہ طبقات کھاتے جس کسی کا بھی ہوں رہتے کسی کی بھی پناہ میں ہوں مگر یہ سب ووٹ کے معاملے میں انتہائی کٹر واقع ہوئے ہیں۔
ہمارے ملک کے "بڑے" جو شائد جبری طور پر بڑے بن کر بیٹھے ہیں، ہر اس عمل اور اقدام سے خوفزدہ رہتے ہیں جو ان کی سمجھ کے مطابق نا ہو، مگر پھر دنیا

میں ہونے والی ترقی کی دم سے لٹکے بھی رہنا چاہتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر بھی اپنے آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں اور سوشل ہونے کے خواہشمند بھی ہیں مگر اس کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے معذرت خواہ ہیں۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب آپ بدلتے ہوئے حالات و واقعات سے مطابقت کئے بغیر ایک سایہ دار درخت کے سائے میں بیٹھنے کو ترجیح دیتے ہیں اور ایک دن آتا ہے کہ اس درخت کو بھی کاٹنے والے آجاتے ہیں پھر سوائے بے بسی کے اور کچھ نہیں رہ جاتا۔

دنیا کا ہر فرد اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ آج کوئی بھی چیز پوشیدہ یا حتمی محفوظ نہیں ہے۔ اس کے برعکس دنیا کی اکثریت بے حس بھی اتنی ہی ہو گئی ہے یعنی ثابت یہ ہوتا جا رہا ہے کہ جتنی معلومات بڑھتی جا رہی ہیں اتنی ہی بے حسی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہمارے سامنے روزانہ کی بنیاد پر کیسی کیسی سچائیاں آتی جا رہی ہیں لیکن پھر بھی سب ویسے کا ویسے ہی چل رہا ہے۔ کرپٹ لوگ محترم بنے پھر رہے ہیں دنیا جہان کا پروٹوکول لئے پھر رہے ہیں۔ جن لوگوں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا ہونا چاہئے وہ لوگ انصاف کی گردن دبوچے بیٹھے ہیں۔ قانون کی بالادستی ملک کی ترقی کی کنجی ہے جب تک قانون طبقاتی تقسیم کی ذد میں رہے گا، انصاف کو انصاف نہیں کہا جا سکتا۔

ہر پاکستانی کی خواہش ہے کہ پاکستان میں امن ہو، ترقی ہو، بہتر سے بہتر

زندگی کی بنیادی ضروریات میسر ہوں، صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جاتا ہو، تعلیم کے بہترین اور مساوی مواقع ہوں اور سب سے بڑھ کر صحت کی بہترین سہولیات ہر یونین کونسل کی سطح پر میسر ہوں۔ ہر پاکستانی جو سال ہا سال سے اپنی ان خواہشات کی تکمیل کے انتظار میں بوڑھا ہوئے جا رہا ہے اور کتنے تو اس خواہش کو دل میں لے کر ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ہم لوگ کسی ضابطہ اخلاق کے عادی نہیں رہے، ہمیں قانون کی بالادستی پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ گلی محلوں کی بیٹھکوں سے لے کر پر تعیش ڈرائنگ رومز تک ملکی سیاست پر زور و شور سے مباحثے ہو رہے ہوتے ہیں۔ ان مباحثوں میں ملک اور بین الاقوامی، ساری سیاسات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ حکومتی پالیسیوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، باقاعدہ تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے تجاویز بھی پیش کی جاتی ہیں بد قسمتی سے یہ تجاویز وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں جہاں انکو پہنچ جانا چاہیے۔

قانون کی بالادستی کا مطلب ہے ضابطہ اخلاق کی بالادستی، ہر ادارے کا ضابطہ اخلاق ہوتا ہے مگر بد قسمتی سے ہمارے ملک میں شائد ضابطہ اخلاق تو واضح کیا جاتا ہے مگر اس عمل کرنا ہے یا نہیں اس بات پر زور نہیں دیا جاتا۔ پر عمل درآمد تو

آخر ہمارا سیاسی شعور اس وقت کیوں سو جاتا ہے جب ہم اپنے قیمتی ووٹ پر مہر

لگا رہے ہوتے ہیں، بطور قوم ہماری ساری سیاسی بصیرت کیوں معدوم پڑ جاتی ہے یا اس بصیرت پر سیاہ عینک لگا لی جاتی ہے اور ہم کیوں کسی نا کسی تعصب کی شکل کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، ہم اپنی ہی تجاویز کیوں بھول جاتے ہیں، ہم اپنے ہی سیاسی مباحثے کیون بھول جاتے ہیں، ہم قومی مفادات کی زبانی پاسداری کرنے والوں کو کچھ بھی تو یاد نہیں رہتا۔ ہر پاکستانی اپنے اپنے ذاتی ضابطہ اخلاق کی پاسداری کرنا شروع کردے، ذاتی مفادات سے باہر نکل آئے تو پاکستان میں تبدیلی کو کوئی نہیں روک پائے گا۔ تبدیلی ہمیشہ اپنے اندر سے آتی ہے باہر سے جو تبدیلی آتی ہے وہ وقتی اور جذباتی ہوتی ہے۔

دو نومبر کے بعد کیا ہوگا!

پاکستان کے حصول کیلئے دی جانے والی قربانیوں کو ہم "تحریک پاکستان" سے منسوب کرتے ہیں۔ تحریک پاکستان جلسے اور جلوسوں کی شکل میں چلائی گئی، دنیا کی دیگر تحریکوں کا حال بھی ایسا ہی ہے بات جب اجتماعی نوعیت کی ہو عوامی مسائل کی ہو تو جلسے اور جلوسوں میں ہی ہوا کرتی ہے۔ ان جلسے اور جلوسوں کی بدولت ہی لوگوں میں پاکستان کی اہمیت و افادیت کا بیج بویا گیا اور ان ہی جلسے اور جلوسوں کے ذریعے اس بیج کی آبیاری بھی کی گئی۔ ہم پاکستانیوں کی بطور قوم جو پرورش ہوئی اس میں ان جلسے اور جلوسوں نے قلیدی کردار ادا کیا ہے۔ کوئی آپ کا ووٹر ہو یا نا ہو، جلسے میں آپ کا سپورٹر بن کر ضرور شرکت کرتا ہے۔ ہم پاکستانی آج تک جلسے جلوسوں اور دھرنوں سے نہیں نکل پائے۔ ایک طرف مذہبی جلسے جلوسوں کی بہتات ہے تو دوسری طرف سیاسی جلسے جلوس۔ ان جلسے جلوسوں کی پاکستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے اگر یہ کہا جائے کے پاکستانی سیاست ان جلسے جلوسوں کے بغیر ادھوری یا سونی ہے تو قطعی غلط نا ہوگا۔ یہ جلسے کبھی کسی کی مخالفت میں ہوتے ہیں تو کبھی کبھار یہ حمایت میں بھی ہوجاتے ہیں، ویسے حمایت میں کشمیر یا ملکی بقاء کی خاطر ایسا ہوتا ہے اکثر یہ حکومت مخالف ہی ہوا کرتے ہیں۔ پہلے ان جلسوں کا مرکز کراچی یا لاہور ہوا کرتا تھا مگر اب جہاں پاکستان کے

ہر شہر کو ان جلسوں نے رونق بخشی ہے وہیں ہمارا دارلخلافہ بھی اس رونق سے آراستہ ہوا ہے۔ اسلام آباد کے پر سکون ماحول اور پر سکون سڑکوں کو بھی اپنی اہمیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا کیونکہ اب ان جلسے جلوسوں کا مرکز بھی پاکستان کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔

پاکستان کی تاریخ جلسے جلوسوں سے بھری پڑی ہے یہ کبھی کسی کے خلاف تھے تو کبھی کسی کے خلاف مگر ہماری سڑکیں کبھی سونی نہیں رہیں۔ یہ سڑکیں دراصل گاڑیوں کو رواں دواں اور سبک رفتار سفر کیلئے بنائی جاتی ہیں اور گاڑیوں کی بدولت ہی یہ سڑکیں پر رونق تو کبھی سنسان لگتی ہیں مگر انہیں ٹریفک کے اژدھام نے تو آباد رکھا ہی ہے مگر یہ جلسے جلوسوں کیلئے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں سڑک بند کروادی جاتی ہے اور عوام کو مجبوراً ان کا حصہ دکھادیا جاتا ہے۔

مورخین اگر کسی سیاسی وابستگی کے بغیر تاریخ رقم کرینگے تو وہ اسلام آباد میں ہونے والے دھرنے کی حقیقت اس کے وجود کی نسبت سے تحریر کرینگے جو یقیناً پاکستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا سب سے طویل اور بڑا عام آدمی کا سیاسی اجتماع تھا۔ اس تاریخی دھرنے کا انجام ایک انتہائی افسوسناک تاریخی سانحہ کی شکل میں ہوا جب پشاور آرمی پبلک اسکول میں معصوم زندگیوں کے خون سے اسکول کے در و دیوار لال کردیئے گئے۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے ساری قوم کو اشکبار کردیا لوگ اپنے اپنے گھروں میں ٹیلی میڈیا پر ننھے منے لاشے دیکھ

رہے تھے اور ہر سارا ملک کراچی سے خیبر تک سوگ کی کیفیت میں چلا گیا تھا۔ اس واقع نے جہاں پوری قوم کو غمزدہ کیا تو دوسری طرف حکومت کی بقاء کو دوام بخشا اور عمران خان نے تاریخی دھرنے کو بغیر کسی منطقی انجام تک پہنچائے ختم کرنا پڑا۔

اس دھرنے کے دوران ساری سیاسی جماعتیں ایسی متحد ہوئیں جیسے یہ آپس میں کبھی لڑی ہی نا ہوں اور ملک کی انتہائی خیر خواہ ہوں، قومی اسمبلی کا اجلاس روزانہ کی بنیاد پر ہوتا رہا اور کورم بھی پورا رہا، تمام وزراء تمام اپوزیشن اراکین بشمول وزیرِ اعظم صاحب اسمبلی حال کو رونق بخشتے رہے۔ یہ تمام لوگ جمہوریت کے نام پر کرپشن کو بچانے کیلئے روزانہ تقریریں کرتے رہے۔ دھرنا ختم ہوا نہیں پھر سب اپنی اپنی راگنی آلاپنے لگے۔

دھرنے کی ریاضت آرمی پبلک اسکول کے بچوں کی نظر ہو گئی مگر حکمرانوں نے اپنی روش میں کسی تبدیلی کو جگہ نہیں دی۔

معاشرتی مزاج پر نظر ڈالیں اپنے آس پاس لوگوں سے گفتگو کریں آپ کو محسوس ہوگا لوگوں کے مزاج میں کچھ نا کچھ تبدیلی ضرور آئی ہے۔ سندھ اور خصوصی طور پر کراچی کے حالات کو لے لیجئے ایک بہت واضح فرق آچکا ہے کراچی کی نمائندہ جماعت اب جماعتوں میں تقسیم ہوچکی ہے، سوشل میڈیا پر برے کو برا کہا جانے

لگا ہے کسی حد تک حق گوئی کی طاقت بھی نظر آ رہی ہے۔ ایک کہاوت ہے "گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے" کچھ برائی نما چیزوں نے بھی معاشرے میں سر اٹھایا ہے جس میں بقول "بڑوں" کے عزت نہیں کی جا رہی اب انہیں یہ کون بتائے کے "عزت اور ذلت تو اللہ کے ہاتھ ہے" پھر کچھ خود بھی محاسبہ کرلیں کہ ہم نے عزت لینے والا کیا کام کیا ہے۔ پانی سر تک پہنچا، سر سے اونچا ہوا اور پھر بہنا شروع ہو گیا، بندوبست کرنے والوں نے بندوبست کرلئے اور جن کے نصیب میں ڈوبنا لکھ دیا گیا تھا وہ ڈوب گئے۔ مختصراً یہ کے پچھلے دھرنے کی بدولت معاشرتی تبدیلی آئی ہے لوگ اب خوفزدہ نہیں دکھ رہے لوگوں میں اب کچھ اعتماد دکھنا شروع ہوا ہے۔ ابھی اس اعتماد کو اور آگے بڑھنا ہے رشوت دینے والے کو گھسیٹ کر سڑک پر لانا ہے یا کم از کم منظرِ عام یا پھر سرِ عام تو لانا ہی ہے۔ دو نومبر کی تاریخ اگلے دھرنے کیلیے چنی گئی ابھی دو نومبر ایک ہفتہ دور تھا کہ کوئٹہ کا سانحہ ہو گیا اور ہمارے ملک کے دشمن دہشت گردوں نے نہتے طالب علموں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا اور ہماری تاریخ میں ایک اور سیاہ باب رقم کر دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا دو نومبر کی تاریخ میں توسیع ہوتی ہے یا پھر دو نومبر کو ہی دھرنا دیا جائے گا۔

ہم پاکستانیوں نے اپنے سیاسی رہنماؤں کو دو دو اور تین تین بار مواقع فراہم کئے ہیں، ہم نے ڈکٹیٹروں کو بھی خوب جھیلا ہے اور جمہوریت نے سوائے کرپشن

اور بے ایمانی کے فروغ کے علاوہ آج تک کچھ بھی نہیں دیا۔ اب ایک موقع نئے لوگوں کو بھی دے کر دیکھنا چاہئے ورنہ یہ باریوں والے تو ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑنے والے ان کی اولادیں ملک سے باہر رہتی ہیں اور پھر آ کر ہمارے اوپر مسلط کر دی جاتی ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی مینیجنگ ڈائیریکٹر نے بھی واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ جب تک آپ کرپشن بند نہیں کرتے اس وقت تک ملک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا ہے۔

سیدھی سی بات ہے دھرنے والوں کا بھی تو یہی کہنا ہے کہ خدارا کرپشن بند کردو۔ اب وقت آگیا ہے کہ سیاسی شہیدوں کی فہرست مرتب کر لی جائے اور دورخے سیاستدانوں سے جان چھڑالی جائے۔ تمام بڑے تجزیہ نگاروں کے تجزیئے سر آنکھوں پر مگر ہم کب تک اپنے ملک کو گھسٹتے رہنگے ہم کب تک لاشوں کے ڈھیر دفناتے رہنگے بس اب بہت ہو چکا ہے، ایکی کچھ مختلف کرنا پڑے گا۔ دو نومبر پاکستان کی تاریخ میں تاریخی مقام حاصل کرنے جارہا ہے۔ اللہ پاکستان کا حامی و ناصر ہو (آمین)۔

کیا لفظوں کی بولی لگ رہی ہے۔۔۔

ایک زمانہ تھا جب ہر شے خالص ہوا کرتی تھی۔ سوچ بھی خالص اور جذبے بھی سچے، خالص سوچ اور جذبے کا مرکب تحریر پڑھنے والے کے اندر تک اتر جاتی تھی اور ہلچل مچا دیتی تھی۔ مگر اب حالات و واقعات بدل چکے ہیں، الفظ چاہئیں چاہے جذبات سے عاری ہی کیوں نا ہوں۔ لفظوں کی گونج ہے شور ہے مگر کچھ سمجھ نہیں ہے۔

آج کل سب لفظوں سے متعلق ہے الفاظ ہماری آواز اور لہجے کی بدولت دوسروں کی سماعتوں سے ٹکراتے ہیں اور اپنی اہمیت اور چناؤ کی بدولت ہمارے لئے فائدے مند یا نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ اچھے الفاظ یا پھر برے الفاظ، ٹیلی میڈیا ہو یا سوشل میڈیا سب جگہ لفظوں کا جال بچھا ہوا ہے اور ہم ان میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہم سب کے اندر قدرت نے چھاننے والا (فلٹر) نصب کیا ہوا ہے، جو ہمیں اچھے اور برے کی تمیز بتانے کا کام کرتا ہے، آگے ہماری مرضی کہ ہم اس فلٹر کو اہمیت دیں یا نا دیں۔ اس فلٹر کی کارگردگی استعمال ہوتے رہنے میں ہے، ورنہ یہ چوک ہو جاتا ہے یعنی کام کرنا بند کر دیتا ہے۔

ہم لفظوں کی مدد سے اپنی باتیں دوسروں تک منتقل کرتے ہیں۔ یہ لفظ اور آواز

مل کر بات کی تشکیل کرتے ہیں۔ الفاظ ہمارے ساتھ ساتھ سامنے والے کی بھی اہمیت ظاہر کرتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنا آسان نہیں کہ کون کس نظریئے اور پیرائے میں کون سی بات کر رہا ہے، کس بات کے پس پشت کیا راز پوشیدہ ہے یا بات کرنے والا کسی خاص نظریئے کی ترجمانی کر رہا ہے۔ بولنے والا بولتا رہے اور سننے والے سنتے رہیں، ایسا کرنا وقت کو برباد کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایک بہت مشہور کہاوت ہے "ہر بات کی گہرائی میں ایک بات ہوتی ہے اور وہی ساری بات ہوتی ہے"۔ اب گہرائی میں جانے کی فرصت تو ہر کسی کو میسر نہیں، دو وقت کی روٹی کی مشقت میں تھکان ہر وقت ہی گھیرے رکھتی ہے، ایسی صورت میں گہرائی میں جانے کے تصور سے بھی خوف آتا ہے (کیونکہ تلاش نیند کی گہرائی کی ہوتی ہے)۔ ہم اپنی مرضی کی بات سنتے اور سمجھتے ہیں اور اپنی مرضی شامل کرکے وہی آگے بڑھا دیتے ہیں، اب وہ بات اپنا حقیقی مضمون کھو چکی ہوتی ہے اور ایک نئی سوچ ایک نئی ذہن سازی کی مہم اختیار کر چکی ہوتی ہے۔ کسی بات کی گہرائی تک پہنچنا ہر ذہن کے بس کی بات نہیں۔ سننے والے کی اپنی سمجھ اور اپنی ذہنی صلاحیت ہے اور کہنے والے کی اپنی سوچ اور اپنی ذہنی اہلیت اور قابلیت ہے۔

لفظوں کی طاقت کا اندازہ لگانا بہت مشکل کام ہے، کیونکہ جب تک یہ ادا نہیں ہونگے آپ کو انکی اہمیت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ

لفظ بہت طاقتور ہوتے ہیں لفظ زنجیر بن کر ہاتھ پیروں کی بیڑیاں بھی بن جاتے ہیں۔
بہت معذرت کیساتھ، کوئی مانے یا نا مانے ہم مفادات کے غلام ہوتے جارہے ہیں،
جہاں ہمیں اپنا مفاد پورا ہوتا دیکھائی دیتا ہے ہمارا رجحان اور دھیان اس طرف متوجہ ہو
ہی جاتا ہے۔

کچھ لوگوں کے قلم میں قدرت نے ایسی طاقت رکھ دی ہے کہ وہ کچھ بھی لکھیں پڑھنے والا پڑھتا ہے اور پڑھ کر سحر زدہ ہوتا ہے۔ لکھنے والے معاشرے کی ذہن سازی کا کام سرانجام دیتے ہیں، بد قسمتی سے ہمارے یہاں (دورِ حاضر میں) ہم لوگ استعمال ہو رہے ہیں، تعلیمی نظام کی بدولت، سیاسی نظام کی بدولت، نوکریوں کی بدولت، مذہب کی بدولت، میڈیا کی بدولت، خودکش بمباروں کی بدولت، غرض یہ کہ ہمیں بانٹ بانٹ کر استعمال کیا جارہا ہے۔ جس کا قد ذرا سا نمایاں ہوا اس قدآور شخص کی بولی لگ جاتی ہے اور وہ کسی کے ہاتھوں استعمال ہونا شروع ہوجاتا ہے اور وہ قدرت کی دی گئی نعمت کو کسی مخصوص مقصد کیلئے استعمال کرنا شروع کردیتا ہے۔ کبھی ایسا مفادات کی وجہ سے ہوتا ہے یا جذباتی ہمدردی ایسے محرکات کا سبب بنتی ہے۔ کسی بھی کام کو خوش اسلوبی سے نبھانے کیلئے جہاں آپکی علمی قابلیت بہت ضروری ہے وہیں آپ کے اندر موجود اس

کام کو کرنے کا جذبہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔

یہ الفاظ ہی ہوا کرتے تھے جن کی بنیادوں پر تحریکیں چلتی تھیں، ان لفظوں ہی کی مدد سے انقلابی شاعری ہوتی تھی،،بڑے بڑے مقرر ہوتے تھے۔ سوئی ہوئی مردہ قوموں میں ان الفاظوں کی مرہونِ منت روح پھونکی گئ اور ان قوموں نے تاریخ رقم کی۔

ایسی ہی ایک قوم تھی جس نے پاکستان تشکیل دیا ایک خواب کو حقیقت بنایا۔ اب الفاظ بکتے ہیں، بے روح، بے اثر، ایک شور ہر وقت ہماری سماع خراشی کئے رکھتا ہے۔ ایک لفظ سنائی نہیں دیتا۔ سب اپنے اپنے مفاد کی زبان بول رہے ہیں۔ ان لفظوں کی بولیاں لگ رہی ہیں جو جتنا بڑا لفظوں کا سوداگر ہے وہ اتنا مول لیتا ہے بس دکھ اس بات ہوتا ہے کہ جذبات اور احساسات سے عاری الفاظ مخصوص نظریئے کی ترجمانی پر لگ جاتے ہیں۔ آج ساری دنیا میں لفظوں کی بولی لگ رہی ہے اور الفاظ بک رہے ہیں۔

یہ جنگ ملک کی بقاء کی ہے یا فتح کی؟

راقم الحروف نے جب سے ہوش سنبھالا ہے وطنِ عزیز کو بحرانوں کی ذد میں ہی دیکھا ہے۔ ہوشمندی کے تجربے کی بنیاد پر پاکستان کو بحرانوں کی سرزمین لکھ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ معاملات کی نوعیت مختلف ہوتی ہے مگر ہوتا کوئی نا کوئی بحران ہی ہے۔

بحرانوں کیلئے کیا یہ دلیل کافی نہیں کے نام کے "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں آج تک تین طویل مارشل لاء نافذ کئے جاچکے ہیں اور قوم چوتھے مارشل لاء کی متمنی اور شدت سے انتظار کرری ہے۔ مارشل لاء یا آرمی کا اقتدار سنبھالنا سیاسی جماعتوں کی ناکامی کی واضح دلیل ہے۔ کیا یہ سیاستدانوں کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت نہیں کہ ملک میں جمہوری طرزِ حکومت رواں رکھنے میں ناکام رہیں اور شائد ہیں۔ چوتھے مارشل لاء کی قوم کیوں منتظر ہے، جی ہاں! قوم کو اگر کچھ سکھ کا سانس لینے کو ملتا ہے تو مارشل لاء میں ہے کیونکہ عام حالات یا نام نہاد جمہوریت میں تو سیاستدان ایک لمحہ کی فرصت نہیں لینے دیتے۔ یہ غلط ہے، یہ غلط ہے، یہ غلط ہے اور صحیح کون ہے اس بات کا کسی کو کوئی علم نہیں ہے یا پتہ نہیں کہ کوئی ہے ہی نہیں۔

ہمارے ملک میں اسمبلیوں کی نشستیں خاندانی ہیں۔ جسے علاقائی بادشاہت سے

تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ بادشاہت میں احتساب کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور ہم سب بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ احتساب کے بغیر کوئی چھوٹے سے چھوٹا ادارہ بھی نہیں چل سکتا تو پھر ملک کیسے چلایا جاسکتا ہے۔ پہلے کے ادوار میں تلوار کے زور پر علاقے فتح کئے جاتے تھے اور طاقت آپکے بازوؤں میں پنہا ہوا کرتی تھی۔ آج تلوار کی طاقت کی جگہ سیاست نے لی ہے اور علاقوں پر قبضہ بذریعہ سیاست کیا جانے لگا۔ پاکستان آج بھی علاقائی تقسیم کا شکار ہے سیاسی جماعتیں نام کو ہیں یا یوں کہا جائے کہ علاقے کے معززین کو سیاسی جماعتیں خود ہی اپنا نمائندہ بنالیتی ہیں تاکہ وہ اپنے علاقے سے جیت کر اسمبلی میں اپنی جماعت کی اکثریت میں اضافہ کرے۔

پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں پٹھان ہیں، پنجابی ہیں، بلوچی ہیں، سندھی ہیں، سرائیکی ہیں، براہوی ہیں، ہزاروال ہیں، مکرانی ہیں، اردو بولنے والے ہیں اور پھر شیعہ ہیں، آغاخانی ہیں، بوہری ہیں، بریلوی ہیں، دیوبندی ہیں، اہلحدیث ہیں، اور پھر فیصل آبادی ہیں، گجراتی ہیں، میمن ہیں، بہاری ہیں وغیرہ وغیرہ، اور پتہ نہیں کیا ہیں بس نہیں ہیں تو پاکستانی نہیں ہیں۔

حکومت کو عمران خان صاحب سے اور ان کی زبان سے شدید خطرات لاحق ہوچکے ہیں اور اب لگتا یہ کہ تیسری مرتبہ بھی میاں صاحب کی حکومت اپنا وقت پورا کرتی

نظر نہیں آ رہی۔ اب اس حکومت کے خاتمے کیلئے کون سا ہاتھ یا بوٹ حرکت میں آئے گا یہ وقت بتائے گا۔

ہم پاکستانیوں کیلئے اسوقت سب سے اہم سوال یہ ہے کہ ہمارا ازلی دشمن بھارت سرحد پر بھرپور تیاری سے بیٹھا ہوا ہے اور مسلسل چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہے، دوسری طرف افغانستان کی سرحدیں بھی اب غیر محفوظ سمجھی جا رہی ہیں، پھر کوئٹہ میں ہونے والا پولیس اکیڈمی کا سانحہ اور پھر کراچی میں ایک مجلس پر فائرنگ، ملک کے اندورنی حالات کی خستگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ حکومتِ وقت بلکل بھی کسی حکمت سے کام لینے سے قاصر ہے اور اپنے ہر اقدام سے خان صاحب کی تحریک کو تقویت فراہم کئے جا رہی ہے۔ انہوں نے دو نومبر کو اسلام آباد بند کرنے کو کہا تھا حکومت نے ایک ہفتہ قبل ہی اسلام آباد اور پنڈی بند کروادیا۔ اب حکومت گرفتاریوں کی طرف زور دے رہی ہے اور آج تحریک انصاف کہ دو رہنماؤں عارف علوی اور عمران اسماعیل کو گرفتار کر لیا ہے۔ خان صاحب کی دیدہ دلیری اور انکے پش اپس کو دیکھ کر لگتا یہ ہے کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ خان صاحب کو کیا پاکستان کی داخلی اور خارجی صورتحال سے کوئی آگاہی نہیں ہے کیا انکے مشیر صورتحال سے نمٹنے کا کوئی بیچ کا راستہ نہیں بتاء سکتے یا وہ بھی ملک کو کسی مشکل میں دیکھنے کے درپے ہیں تو پھر ان مشیروں کی پاکستانیت پر شک کیا جا سکتا ہے۔ یا پھر خان صاحب نے جارحانہ انداز میں کھیلنے کی

ٹھان لی ہے اور وہ حکومتِ وقت کو گرا کر ملک میں سول ڈکٹیٹر بن کر اپنے داخلی اور خارجی دشمنوں سے خوب اچھی طرح نمٹ لینے کے خواہ ہیں۔ دیکھا جائے تو حکومت کی بوکھلاہٹ خان صاحب کی تحریک کو جلا دیتی جا رہی ہے۔

اس وقت ملک کی باقی تمام سیاسی جماعتیں دفاعی حکمتِ عملی کی اعلی ترین مثالیں قائم کر رہی ہیں یا شائد ہمیشہ سے ہی مردار کھانے کی عادی ہیں، کم از کم صحیح اور غلط کا اپنے ووٹرز کو تو بتائیں اور بتائیں کے وہ کس طرف کھڑے ہیں اور کس کا ساتھ دے رہے ہیں اپنے ہونے کی وضاحت کریں، کہیں پھر ایسا نا ہو جائے کہ سارے ووٹرز اسی طرف ہو جائیں جو ملک کی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں اور ملک کو فتح کرنے والے تاریخ کا حصہ بن کر رہے جائیں۔

بروقت فیصلے ملک کی اہم ضرورت

ہم پاکستانی ہر مسلئے کو گھسیٹنے کے عادی ہیں چاہے وہ پاکستانی قانون ساز ادارے سے وابسطہ ہوں، قانون نافذ کرنے واے پاکستانی ہوں یا پھر ہماری عدالتوں میں براجمان معزز و محترم پاکستانی ہوں۔ ان سب میں جو قدر مشترق ہے وہ ہے پاکستانی۔ یوں تو ہم ایک" نہیں ہیں لیکن ہمارے بہت سارے کام اور رویۓ ایسے ہیں جو ہمیں بے ساختہ" پاکستانی کہلوانے پر مجبور کردیتے ہیں۔ معذرت کے ساتھ ایک لفظ استعمال کررہا ہوں جگاڑ" یہ وہ لفظ ہے جو پاکستانی خصوصیت میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کا مطلب ہے" کسی بھی مسلئے کا "بے قاعدہ حل"۔ برائے مہربانی لغت میں مت تلاش کیجۓ گا۔

بات ہورہی تھی مسائل کو طول دینے کی، شائد آپ کو بطور پاکستانی یہ بات ناگوار گزری ہو مگر اب آپ اپنے مزاج کا مشاہدہ کرلیجۓ۔ ہمارے سرکاری ادارے تو طول دینے کے مزاج کے داعی ہیں کسی کام کو طول دینا تو کوئی ان اداروں میں تعینات اعلی سے اعلی اور ادنی سے ادنی ملازم سے سیکھ سکتا ہے۔ طوالت سے نجات کیلئے ایک راستہ اور بھی ہے مگر اس کا تذکرہ نہیں کررہا۔ عارض گزشتہ چار سالوں سے ایک ایسے ہی سرکاری ادارے کی اس قابلیت سے ذاتی طور پر مستفید ہوچکا ہے اور دوسرے ادارے سے گزرے ہوئے دو سالوں سے مستفید ہو

رہا ہوں۔

بلدیاتی اداروں نے آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ دیا، کڑوڑوں روپے کی مشینری خراب ہونے لگی، پاکستان کا سب سے اہم اور بڑا شہر کراچی کچرے کا ڈھیر ایک دن میں تو نہیں بن گیا، کوئی ذمہ داری نہیں لے رہا کوئی مسلئہ کو مسلئہ ہی نہیں سمجھ رہا۔ لگ بھگ 2 کڑوڑ کی آبادی والا بین الاقوامی نوعیت کا شہر بدبو اور کچرے کا ڈھیر بنتا چلا گیا۔ ہر معاملے کو طول دینا مصلحت ہے یا سیاست اسے سمجھانا بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ اس گتھی کو سجھنا۔ ایسے مزاج کی تربیت کیسے ہوئی؟ جہاں تک کھلی آنکھوں سے دیکھ کر سمجھ آتا ہے تو ہم پاکستانیوں کی اکثریت سہل پسند واقع ہوئی ہے۔ طالبعلم کے سر پر استاد کھڑا رہے تو وہ تمام کام بہت خوش اسلوبی سے کرتا ہے یا انجام دیتا ہے مگر وہی کام جب اسے اکیلے بغیر کسی کے سر پر کھڑے ہوئے کرنا پڑے تو وہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا یا اچھا نہیں کرتا یا پھر بلکل ہی نہیں کرتا اور کسی نا کسی بہانے کی نظر کر دیتا ہے۔ یہ ہمارا مزاج ہے ہم ذمہ داری نہیں لے رہے اور نا ذمہ داری لینا اگلی نسل کو سیکھا رہے ہیں۔ مسائل کو طول دے دے کر اداروں کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ پاکستان اسٹیل مل، پاکستان ریلوے، پاکستان بین القوامی ہوائی سروس اور بہت سارے ان سے

چھوٹے ادارے جو ابتداء میں ملک کے بہترین اداروں میں شمار ہوتے تھے اب اپنی بقاء کیلئے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ ان اداروں میں سیاسی یونین ہوا کرتی تھیں جو سوائے سیاست کرنے کے اور دوسرے کام کرنے والوں کو تنگ کرنے کے اور کچھ نہیں کرتیں تھیں۔ آج بھی یہی سب کچھ ہو رہا ہے مگر ہم سمجھ ہی نہیں رہے۔ ہر چھوٹے چھوٹے مسئلے کو اتنا طول دیا جاتا ہے کہ وہ تباہی کا سبب بننے لگتا ہے۔ کیا مسائل لوگوں کی اہمیت بڑھانے کیلئے پیدا کئے جاتے ہیں یا پھر مشہور ہونے کیلئے یا واقعی ہم لوگ کام کرنے کے عادی نہیں رہے۔ یا ہمارے اوپر ایسے لوگ مسلط کردئے جاتے ہیں جو اداروں کے ساتھ ساتھ اس میں کام کرنے والوں کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔ ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایٹم بم جیسی نایاب چیز بنا دی ہے۔

یکم نومبر کو جو فیصلہ پاکستان کی اعلی ترین عدالت (سپریم کورٹ) نے کیا اگر یہی فیصلہ اس سارے فساد سے پیشتر ہوجاتا تو یقیناً نوبت یہاں تک نا آتی۔ ملک پہلے ہی اندرونی اور بیرونی انتشار کو جھیل رہا ہے اور ہم چھوٹے چھوٹے مسائل میں گھرتے چلے جائینگے تو دشمن تو چوکنا ہوا بیٹھا ہے۔ وہ ہماری صفوں میں ہمارے روپ میں بہروپیا بن کے بیٹھا ہے، ہم اس کو موقع دیتے ہیں یا وہ ہمیں الجھاتا ہے۔ پاکستان ہے تو ہم ہیں، اور پاکستان ہم سے بروقت فیصلوں کا تکازہ کر رہا ہے۔ خصوصی طور پر عدلیہ اپنے آپ کو ان تمام وابسطگیوں سے آذاد

کرالے اور ہر مسلئے کو بروقت حل کردے تاکہ ہمارا دشمن منہ تکتا رہے جائے۔

جمہوریت اہم ہے یا قانون؟

محترم اور معزز قارئین ! کسی بھی معاشرے کی قدروں کا تعین کرنے والے اور ان کی پاسداری کرنے والے آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں کیوں کے آپ کسی کو ہیرو کا درجہ دے کر دنیا میں مشہور و معروف کراتے ہیں اور آپ ہی کسی مجھ جیسے پر سوائے ایک واجبی سی نظر ڈال کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ آپ کو قدرت نے اہم ترین ذمہ داری پر فائز کیا ہے اور اپنا خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے، جی ہاں، ہم سب خلیفہ کے درجہ پر فائز کئے گئے ہیں۔ لیکن ہم نے اپنے مذہبی امور کیلئے یہ خلافت محلے کی مسجد کے امام کو سونپ رکھی ہے اور ملک اور معاشرے کیلئے سیاست دان کو۔ اپنے ذمہ ہم نے ماہانہ یا جمعہ کے جمعہ مسجد میں چندہ دینا یا پھر سیاسی جماعتوں کو ماہانہ بھتہ دینا۔ اب ان اہم ترین ذمہ داریوں کو ہم لوگوں نے اپنے سر سے اتار دیا ہے۔

ہم تو صبح سے شام تک بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کی ضرورتوں کیلئے بھاگ دوڑ میں لگے رہتے ہیں۔ جب کبھی الیکشن ہوئے تو کبھی زبان کی بنیاد پر یا برادری کی بنیاد پر یا پھر فرقہ کی بنیاد پر یا پھر علاقے کی بنیاد پر ووٹ کاسٹ کر دیا جاتا ہے اور ایسے فرد کو اپنا نمائندہ بنا کر اپنے مسائل کے حل کیلئے اسمبلیوں کی زینت بنا دیتے ہیں۔ یہ صاحب جو ہم جیسوں کے ایک ایک ووٹ کی وجہ

دنیا جہان کی مراعت اور اہمیت کے اہل ٹھہرتے ہیں۔ یہ تمام آسائشیں جس کے یہ یقیناً اس وقت تک اہل نہیں ہونے چاہیئں جب تک یہ کچھ کرکے نا دیکھا دیں۔ مگر ہمارے ملک میں کسی سے کام کروانے کیلئے کوئی قانون نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ قانون نہیں ہے، قانون ہے روٹی چوری کرنے والے کیلئے، پانی چوری کرنے والے کیلئے، چپل چوری کرنے والے کیلئے، جیب کترے کیلئے اور اسی طرح چھوٹے موٹے چوروں لٹیروں کو سزا دینے کیلئے ہے۔ آپ میں اگر ہمت ہے تو کوئی بڑا کام کرلیجئے کوئی آپ کو چھونے کی بھی گستاخی نہیں کرے گا بلکہ آپ کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ ہمارے ووٹوں کی مرہونِ منت اسمبلی ہالوں میں بیٹھنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ آپ کو ان کے ساتھ بیٹھنے کا بلمشافہ ملاقات کا شرف بھی مل سکتا ہے۔

جمہوریت کا بنیادی مقصد ہر خاص و عام کو ایک جگہ، ایک ساتھ کھڑا کرنا ہے مگر ہمارے یہاں تو جو طاقتور ہے وہ کمزور کے کندھے پر چڑھ کر کھڑا ہے اور اپنا وزن بڑھائے جا رہا ہے۔ ان لوگوں میں اکثریت درآمد شدہ لوگ ہیں، جمہوریت کی بقاء کیلئے، جمہوریت کو بچانے کیلئے سارے درآمد شدہ لوگ اکھٹے ہوجاتے ہیں۔ جو ہمارے وطنِ عزیز کی مٹی کی مہک سے بھی شناسائی نہیں رکھتے جنہیں گلی محلوں کا کچھ پتہ نہیں۔ کون سی سڑک کہاں پہنچاتی ہے اور کتنی ٹوٹی پھوٹی ہے جیسی معلومات سے قطعی ناآشنا، یہ تو سوچ بھی نہیں سکتے کے سڑکوں

پر کھڑے بھی ہوتے ہیں کیونکہ یہ جہاں پلے بڑے ہوتے ہیں وہاں تو ایسا سوچا بھی نہیں جاتا۔ ہماری جمہوریت کا دستور ہی نرالا ہے ووٹ بھی ہم (عام آدمی) دیں اور انتظار بھی ہم کریں، لائنوں میں بھی ہم لگیں، ڈنڈے بھی ہم کھائیں، اور خاص آدمی بننے کے بعد ہم اس شخص کو روبرو دیکھنے کو ترس جائیں، علاقے کے مسائل تو بہت دور کی بات ہیں۔

آج جب کوئی قانون کے نفاذ کی بات کرتا ہے قانون کی بالادستی کی بات کرتا ہے تو جمہوریت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ کیا ہمارے ملک کی جمہوریت ملوکیت کے ڈھب پر چلائی جاتی ہے؟ جہاں اقتدار ووٹوں کی گنتی زیادہ ہونے پر تو حاصل کیا جاتا ہے مگر اقتدار کے ملتے ہیں ملوکیت کے قوانین نافذ ہو جاتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جب قانون کی بالادستی کی بات کی جاتی ہے، جب خاص و عام کا فرق مٹانے کی بات کی جاتی ہے، جب احتساب کی باری آتی ہے تو جمہوریت اور جمہوریت کا نام لیواؤں کو کس چیز کے خطرات گھیر لیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی سیاست کی وجہ ہی یہ رہے گئی ہے۔

پاکستان کی اعلیٰ ترین عدلیہ ملک کے صحیح اور حقیقی انتظامی ڈھانچے کی داغ بیل ڈالنے بیٹھ گئی ہے۔ اب وقت بتائے گا کہ یہ عدلیہ اپنی آزادی کا اعلان کرتیں ہیں یا پھر گلے میں غلامی کا طوق ڈالے اپنی بداعتمادی کے سفر پر رواں

رواں رہتی ہیں۔ انصاف کی بحالی ہم پاکستانیوں کے لئے سب سے اہم نکات ہے جز ہے سب کچھ ہے۔ بلکہ جہالت کی تاریکی میں انصاف روشنی کی نوید بن کر ابھرنے کو بے تاب ہے۔ پاکستان انتظامی امور کی راہیں متعین کرنے کیلیۓ آج انتہائی اہم موڑ پر ہے، بات کسی کی عزت اور ذلت کی نہیں بات پاکستان کی ہے اور پاکیستانی کی ہے۔ ہم پاکستانیوں کی ایسا کوئی نظام قبول نہیں ہونا چاہیۓ جس میں "قانون" نام کی کوئی چیز نہیں ہو چاہے وہ جمہوریت ہو یا ملوکیت ہو یا ڈکیٹر شپ۔ ہمیں قانون پر مبنی نظام چاہیۓ جہاں پاکستانیوں کی ووٹوں کے ساتھ ساتھ ہماری بھی عزت کی جاۓ۔ ہم کسی بھی نظام کی حمایت کرنے کو تیار ہیں مگر ہمیں قانون کی بالادستی کی یقین دہانی کروائی جاۓ۔

! کیا خودی تھی "اقبال" کی

جہاں لوگوں کا استحصال کیا جائے، جہاں لوگوں کے حقوق پر ڈاکا ڈالا جائے بے جا قبضہ کیا جائے، جب قانون اور قانون نافذ کرنے والے خواص کی حفاظت اور مظلوم کو سزاء دلوانے کیلئے اپنے فرائض انجام دینے لگیں، جب ادارے افراد کی قدر نا کریں اور افراد اداروں کی قدر چھوڑ دیں، اسطرح کی اور بہت ساری وجوہات یا صورتحال نمایاں ہونے لگیں تو معاشرہ عدم توازن کا شکار ہوجاتا ہے، توازن کے بغیر کوئی بھی شے گر جاتی ہے اور آہستہ آہستہ تباہ و برباد ہوجاتی ہے۔ ایسا ہی حال معاشروں کا ہوتا ہے اور بلاآخر ملکوں کا استحکام ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسری طرف دشمن موقع غنیمت جان کر قبضے کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ ان حالات سے نمٹنے کیلئے یا تنگ آ کر کچھ لوگ ایسے حالات پیدا کرنے والوں سے لڑنے کا تہیہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو انقلابی کہا جاتا ہے یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو انقلاب کا نعرہ لگاتے ہیں۔ یہ لوگوں کو قائل کرنے کیلئے کوششیں شروع کرتے ہیں اور جیسے جیسے ممکن ہو یہ لوگوں کو پہلے ذہنی طور پر تیار کرتے ہیں اور پھر جسمانی طور پر قربانی کیلئے تیار کرتے ہیں۔

یہ انقلابی تحریکیں بہت خاموشی سے کام کرتی تھیں بلکل ایسے جیسے میدان میں

لگی ہوئی گھاس میں آپ پانی چھوڑ دیں اور اس وقت تک گھاس میں موجود پانی کی موجودگی کا احساس نا ہو کے جب تک پانی سطح پر واضح طور پر نظر آنا شروع نا ہو جائے۔
تحریکوں کی یا انقلاب کی نوبت کیوں آتی ہے؟ یقیناً جب معاشرے میں رہنے والے افراد کسی خصوصی سازش کے تحت دیوار سے لگائے جانے لگیں۔ راتوں رات نہیں آتے ان کیلئے قربانیاں دینے والوں کو تیار کیا جاتا ہے۔ یہ تیاری محض تیاری نہیں ہوتی انقلاب کے روح رواں اپنی زندگیاں اپنی قیمتی جانیں اپنی ہتھیلیوں پر لئے گھومتے ہیں اور کم و بیش تمام عمر چھپتے چھپاتے بھاگتے دوڑتے گزرتی ہے۔ لوگوں کو ایک مخصوص مقصد کی جانب متوجہ کروایا جاتا ہے۔ یہ لوگ گھر گھر جا کر لوگوں میں لوگوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں سے آگاہ کرتے ہیں، ان لوگوں پر حکمرانوں کی نااہلی واضح کی جاتی ہے۔ ایسی تحریکوں میں شمولیت کرنے والوں کو باور کرایا جاتا ہے کہ جان دے دینی ہے مگر راز یا تحریک کے حوالے سے کسی قسم کی آگاہی نہیں دینی۔
تحریک پاکستان بھی ایک انقلاب کی جانب پیش قدمی تھی۔ یہ کیسا انقلاب تھا یہ کیسی تحریک تھی جس کی گواہی برِ صغیر میں بسنے والا ہر فرد دے گا۔ اس تحریک کی روح "دو قومی نظریہ" تھا تو جسم ایک الگ مسلم ریاست کا "خواب" تھا جو

شاعرِ مشرق حکیم الامت محترم جناب ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے اپنی جہاں دیدہ آنکھوں سے دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب ایک سادہ لوح انسان تھے مگر انھوں نے برِ صغیر کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ آپ نے اس انقلاب کیلئے اپنے قلم کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ آپکے قلم سے "خودی" پروان چڑھی اور "شاہین" کی اڑان کا علم سے آگاہی میسر آئی۔ آپ کی شاعری نے گھر بیٹھے مسلمانوں میں فکر کو جنم دیا اور پھر اس فکر کو شاہین کے پر لگے۔ آپ کا فکر اور فلسفہ جہاں مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کیلئے تھا تو دوسری طرف دیگر مذاہب کے لوگ بھی جو علم کی روشنی سے فیضیاب ہونا چاہتے تھے، فیضیاب ہوئے اور پاکستان کیلئے علامہ اقبال کی خصوصی خدمات کو سراہا۔ حقیقی معنوں میں آپ کے خواب نے بھٹکے ہوئے قافلے کی منزل کا تعین کیا۔ جدوجہد جو انقلاب کو تحریک کو دوام آپ کے خواب کی بدولت میسر آیا۔ آپ 1947 سے قبل ہی دارِ فانی سے کوچ کر گئے مگر ہم سب اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ علامہ اقبال اپنی بصیرت کی بدولت دنیا کے نقشے پر ابھرنے والے پاکستان کو دیکھ چکے تھے۔

آپ کی سیاسی بصیرت کی بدولت مسلمانوں کو محمد علی جناح جیسے رہنماء میسر ہوئے۔

علامہ اقبال مسلمانوں کو یا ہر مسلمان کو خودی کے فلسفے سے روشناس کرانا چاہتے تھے۔

آپ نے خصوصی طور پر ہمارے لئے اور عمومی طور پر دنیا کیلئے اپنی شاعری میں خودی کی اہمیت کو اجاگر کیا اور تا دم مرگ اس کوشش

میں سرگرداں رہے کہ ہم لوگ خودی کو سمجھ لیں۔ اقبال کی خودی کی معراج ایک بہت مشہور شعر سے واضح ہوتی ہے ؛

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

شائد خدا نے علامہ اقبال سے بھی انکی واپسی کا خود پوچھا ہوگا۔ اقبال کی خودی نصاب تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور نئی نسل کیلئے تو نصاب میں بھی بس ایسے ہی ہے۔ اقبال کے یہاں دوسری اہم ترین شاہین ہے۔

پاکستانی قوم کی بدقسمتی پر سینہ کوبی کیجئے سر دھنیئے، آج ہمارے درمیان اقبال اکیڈمی ہے اور بہت کچھ علامہ کے نام سے موسوم ہے سوائے ہماری سیاسی اقدار کے۔ دنیا جہان میں اپنے مفکرین کی نقشِ قدم پر چل کر کامیابی اور کامرانی، ترقی حاصل کی جاتی ہے مگر ہمارے ملک میں کسی سیاست دان کی شخصیت صاف ستھری نہیں ہے۔ کسی میں خودی کا عنصر نہیں ہے اور نا ہی کسی میں شاہین سی اڑان ہے۔ خودی "انا اور ضد" کی صورت میں موجود ہں اور شاہین "بدعنوانی" کی شکل میں موجود ہے۔ آج ہمارے ملک میں انا اور ضد کی بدولت بدعنوانی پر بدعنوانی شاہین کی طرح آسمان کو چھو رہی ہے۔ کیا اقبال ایسی کی قوم کو خودی

کا درس دے گئے تھے۔

اب معاشرے کی ایسی نشونما کی گئی ہے کہ اقبال پر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں لینے کے باوجود کوئی دوسرا اقبال نہیں پیدا ہوگا اور جب اقبال پیدا نہیں ہوگا تو محمد علی جناح کو کون تلاش کرے گا۔

"ہم ثابت کرتے رہتے ہیں کہ "ہم تقسیم ہیں

یقیناً ہر پاکستانی کو یہ جان کر دکھ ہوگا گو کہ وہ امر سے بخوبی واقف ہے کہ ہم پاکستانی مفاد پرست ٹولیوں کی صورت میں سرزمین پاکستان پر رہائش پذیر ہیں، ٹولیوں سے مراد گروہ کہ ہیں۔ دنیا مکمل طور پر مادہ پرستوں کے اختیار میں ہے۔ ہر فرد ہر کام کے پیچھے اپنے فائدے کا متلاشی نظر دیکھائی دیتا ہے۔ ہمیں مخصوص مفادات ایک جگہ اکھٹا کردیتے ہیں۔ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی خاص مفاد کے مختلف گروہ بن جاتے ہیں اور وہ اپنے اپنے طریقے سے ایک ہی مفاد کی لڑائی لڑنے لگتے ہیں۔ یہ گروہ یا ٹولیاں کیسے ترتیب پاتے ہیں یا تشکیل پاتے ہیں، ہمارے معاشرے میں مختلف مذاہب اور زبانیں بولنے والے افراد رہتے ہیں۔ دورِ حاضر میں جب آپ مکان تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو دیگر شرائط کے ساتھ یہ بھی مطلوب ہوتا ہے کہ علاقہ کی اکثریت اپنی زبان بولنے والوں کی ہو یا پھر زیادہ تر لوگ ایک ہی مسلک کے ہوں یا فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، یا پھر ایک قسم کے کاروبار کرنے والے ہوں، یا پھر ایک جگہ کام کرنے والے ہوں، مہنگے علاقے، سستے علاقے، کم آمدنی والے علاقے، وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ سیاسی مسائل پر بھی ہمیں بانٹا جاتا ہے۔ ایک مسلئہ پر ایک ہی سیاستدان سیاست نہیں کرینگے۔ اگر کوئی ایک کسی ہنگامے کا مرتکب ہو رہا ہے تو دوسرا اسکے ختم ہونے کا انتظار کرے گا۔ یہ

ہمارے معاشرے کی واجبی سی تقسیم ہیں۔

اگر مفاد ایک ہے۔ اگر منزل ایک ہے، تو راستے کیوں مختلف ہیں۔ کیا مختلف راستوں کے خال و خد میں کچھ پوشیدہ ہے جسے ڈھونڈنا ہے۔ جب سب کو پاکستان کی بقاء مقصود ہے تو پھر سفر مختلف سمتوں میں کیوں ہو رہا۔ ساری سیاسی جماعتوں کا بنیادی منشور پاکستان اور پاکستانیوں کی سالمیت کیلیے ہوتا ہے مگر افسوس یہ منشور انتخابی مہم چلانے کیلیے مرتب دیا جاتا ہے اس میں وہ تمام مسائل درج ہوتے ہیں جن سے انتخابی امیدوار کا کچھ لینا دینا نہیں ہوتا۔ یہ لوگ مسائل میں الجھا الجھا کر بانٹ دیتے ہیں۔

ہم عام پاکستانی یا پاکستانی عوام بٹنا نہیں چاہتے ، ہم اپنی افواج کے جوانوں کی قربانیوں کو رائیگاں نہیں جانے دینا چاہتے، ہم نا ہی تحریکِ پاکستان میں حصہ لینے والوں اپنی عزتوں، عصمتوں اور اپنے مال و دولت لٹانے والوں کو نہیں بھولنا چاہتے، ہم مذہبی فرقہ پرستی پر بھی یقین نہیں رکھتے، ہم تو آلِ محمد ﷺ ہیں ہم کسی تکلیف دینے کا سوچنا بھی نہیں چاہتے۔

یہ ملک ہے تو سب کچھ ہے میں بھی ہوں اور تم بھی ہو اور میری مظلومیت بھی ہے اور تمھاری سیاست بھی ہے میں تو یونہی تمہیں ووٹ دیتا رہونگا اور تم یونہی

حکومت کرتے رہو گے۔ آخر ایسا کونسا خوف ہے تمکو ہمیں بانٹنے پر اکساتا ہے ہمیں پاکستانی کہلوانے سے کیوں خوفزدہ ہوتے ہو۔ جب سارے سیاستدان پاکستان کی بقاء چاہتے ہیں پاکستان کو پر امن دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر اپنے گھر پاکستان سے باہر کیوں بناتے ہیں کیوں اپنے بچوں کو پاکستان سے باہر پڑھاتے ہیں آخر کیوں اپنا اور اپنے خاندان کا علاج باہر ملکوں میں کراتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ پاکستان سے کیسی محبت کرتے ہیں ۔ اپنی ہر وہ چیز جس سے محبت کرتے ہیں اسے پاکستان سے باہر رکھتے ہیں اور اپنے استعمال کی ہر وہ چیز جسے ضروری سمجھتے ہیں پاکستان سے باہر لے کر آتے ہیں۔ یہ پاکستان میں غیر محفوظ رہتے ہیں اور پاکستان سے باہر بہت محفوظ رہتے ہیں۔

یہ سارا خوف ہمیں تقسیم کرنے کا ہے یہ ڈرتے ہیں کہ یہ تقسیم کے لیئے کھینچی گئی لکیریں ہم پاکستانی کسی بھی وقت مٹا سکتے ہیں اور اگر یہ لکیریں مٹ گئیں تو ہمارے معزز و محترم سیاست دانوں کا کیا حشر ہوگا ہمیں تو علم نہیں ہے مگر یہ بہت اچھی طرح سمجھتے بھی ہیں اور جانتے بھی ہیں۔ خدارا اب یہ تقسیم خود ہی ختم کردو کیوں دشمن کے عزائم کو ہمیں تقسیم کرکے تقویت پہنچاتے ہو۔ ہم نے اپنے ہر ہر عمل سے ثابت کردیا ہے کہ ہم صرف مشکلات میں ، حادثات میں، سیلابوں میں اور زلزلوں میں یا پھر پڑوسی ملکوں کی دراندازیوں سے نمٹنے کیلئے ایک ہیں ورنہ ہم ٹولیوں میں گروہ میں تقسیم ہوا

جتھا ہیں ہجوم ہیں

کیا امریکہ، برطانیہ کے نقشے قدم پر؟

ہم پاکستانیوں کی خصوصی اجتماعی عادات میں سے ایک یہ ہے کہ دوسرے کے معاملے پر قیاس آرائی کرنا یا تبصرہ کرنا اور بھرپور توجہ دینا اپنا معاشرتی یا اخلاقی حق سمجھتے ہیں۔ لفظ "دوسروں" کا تعین کرنے میں یقیناً آپ کو کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی، آپ اپنے محلے یا پھر اپنے گھر کا مشاہدہ کیجئے آپ کو "اپنے آپ" سمیت ہر فرد کسی نا کسی طرح اس عادت کی موجودگی کی گواہی دے گا اور اظہار کرتا سنائی دیگا۔ اب آپ سماجی میڈیا پر نظر ڈالتے جایئے ہر فرد انتاہی درجے کا مفکر اور فلسفی بنا ہوا ہے مگر صرف اور صرف دوسرے کی اصلاح کیلئے، کیونکہ مجھے تو اصلاح کی ضرورت ہی نہیں ہے اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ سامنے والا سدھر جائے تو سمجھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اب وہ دور شروع ہو چکا ہے جب دنیا میں بسنے والے اپنی اپنی خواہشات کی حدوں کو چھو رہے ہیں اور اپنے آپ کو عملی طور پر محدود کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ جسکے لئے کہا یہ جاتا ہے کہ ہم اتنی محنت اور بھاگ دوڑ اپنے سکون کیلئے کرتے ہیں اور اس سکون کی تلاش میں ساری زندگی گزار دیتے ہیں مگر سکون میسر نہیں آتا۔ بظاہر نظر یہ آرہا ہے کہ مریخ پر جانا ایک مخصوص طبقے کی

پریشانی ہے ساری دنیا کو اس پریشانی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے اس بات کے تناظر میں یہ کہنا غلط نہیں کے کچھ لوگ ہمیں پریشان رکھنے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں ان میں سے کچھ یہ لوگ بھی ہیں جو مریخ پر زندگی کے آثار ڈھونڈ رہے ہیں۔ کیا نئی نسل کو ان معاملات میں کوئی دلچسپی ہے ؟ شائد جاننے کی حد تک۔ نئی نسل کے عزائم اس خواہش کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ نظر آتی ہے گو کہ ابھی تک اس نسل نے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ اس نسل کی جانب سے رکاوٹ کے مواقع کم ہی نظر آرہے ہیں کیونکہ اس نسل کو گھر میں بیٹھائے رکھنے کا مکمل انتظام کیا جاچکا ہے یہ ہر تبدیلی کیلئے "سماجی میڈیا" کو بہترین ذرائع سمجھتے ہوئے اس کو استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک طبقہ تو متعین شدہ ٹھنڈی حدیں پار کرنے کو تیار نہیں اور جو باہر نکل آتے ہیں وہ صعوبتیں جھیلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

گزشتہ دنوں برطانیہ نے ایک انتہائی اہم قدم اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو یورپی یونین سے الگ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ فیصلہ کسی فرد واحد کا نہیں ہے اور نا ہی اس فیصلے کا تعلق تاج برطانیہ سے ہے۔ رواں سال کے جون میں اس فیصلے کیلئے رائے عامہ جاننے کیلئے باقاعدہ ریفرینڈم کا انعقاد کیا گیا۔ اس کا انعقاد برطانیہ اور اس سے ملحقہ ممالک میں کیا گیا جو متحدہ کنگڈم کے ممالک میں شامل ہیں۔ جس کا مجموعی طور پر نتیجہ یہ رہا کہ باون 52 ٪ افراد نے

برطانیہ کو یورپی یونین سے علیحدگی اختیار کرنے کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہ فیصلہ برطانیہ کیلئے تاریخ رقم کرنے کے مترادف ہے اور یہ اہم ترین فیصلہ اس شرح پر کرنا کتنا مناسب ہوگا یہ آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے۔ یہ فیصلہ آنے والے وقت میں برطانوی پالیسیوں پر بھی اثر انداز ہوگا خصوصی طور پر خارجہ پالیسی پر۔ اس فیصلے پر یورپی یونین کے دیگر کتنے ممالک درپردہ برطانیہ کی حمایت میں ہیں یہ بھی آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے اور یورپی یونین میں کسی نئے بلاک کی داغ بیل ڈالی جاچکی ہے اور کیا آنے والے وقت میں یورپی یونین اپنی اہمیت کھوتی چلے جائے گی، کیا کچھ اور ممالک بھی یونان اور برطانیہ کی طرح الگ ہوجائنگے۔ برطانیہ یورپی یونین کا انتہائی اہم رکن تھا۔ شائد برطانیہ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی انفرادی حیثیت میں کمی آتی جارہی ہے اور یورپی یونین مضبوط ہوتی جارہی ہے۔ بہرحال آنے والے وقت میں ان تمام سوالوں کے جواب پوشیدہ ہیں۔

آمریکہ پر برطانیہ کا یورپی یونین سے علیحدہ ہونا کتنی اہمیت رکھتا ہے، دیکھنے میں تو ایسا لگتا ہے کہ آمریکی عوام نے بھی آمریکی انتخابات کو برطانوی طرز کا ریفرنڈم سمجھ کر دنیاپرستی چھوڑ کر اپنی داخلی صورتحال کو بہترین بنانے اور امریکیوں پر تمام تر توجہ کے حق میں ووٹ دیا ہے۔ کیا آمریکہ اور امریکی برطانوی طرز پر اپنی خودمختاری کیلئے ایک ایسے صدر کو

منتخب کروالائے ہیں جو زبان سے تو امریکیوں کے لئے بہت کچھ کہہ چکے ہیں مگر اب عملی اقدامات کی جانب توجہ کی ضرورت ہے۔ کیا آمریکہ کے نو منتخب صدر اب بھی اپنی تھیکی زبان استعمال کرینگے جیسی کی وہ دورانِ انتخابات کیا کرتے تھے۔ ڈولڈ ٹرمپ کو انکے تیز و طرار لہجے کی بنیاد پر صدر منتخب کرنے والے اب ان سے اپنے حقوق کیلئے اٹھ کھڑے ہو جائینگے۔ ابھی یہ بھی واضح ہونا باقی ہے کہ انتخابات والے دن تک ساری نہیں تو آدھی سے زیادہ دنیا اس بات پر یقین کئے بیٹھی تھی کہ آمریکہ کی نئی صدر ہیلری کلنٹن ہونگی اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ہیلری کو بھی اس بات کا یقین ہوگا۔

اس ساری صور تحال میں برطانیہ اور امریکہ کے تنہا ہونے کا بھی کوئی امکان ہو سکتا ہے اور کسی نئی طاقت کا سامنے آنے کا گمان کیا جا سکتا ہے؟ امریکہ کی انفرادی اہمیت بھی درپردہ اتحادیوں کی حمایت میں پوشیدہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آمریکہ صرف اپنے ملک سے خارجیوں کو خارج کرنے کی حکمتِ عملی پر عمل درآمد کرتا ہے یا پھر جہاں جہاں خود دراندازی کیئے بیٹھا ہے وہاں وہاں سے بھی واپس اپنے ملک والوں کو بلا لیتا ہے خصوصی طور پر اپنی امن قائم کرنے اور جمہوریت بحال کرنے والی فوجیں۔ برطانیہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آمریکہ دنیا جہان کے فسادوں اور لڑائی جھگڑوں سے اپنے آپ کو الگ کرلے گا اور اپنے داخلی معاملات پر بھرپور توجہ دے گا پھر چاہے یہ تمام خارجیوں کو خارج

کر دے مگر دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی اور دراندازی روک دے۔ دنیا میں کسی حد تک سکون کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ انتظار اب اس بات کا شروع ہوا ہے کہ امریکہ اپنے بدلے ہوئے صدر کی طرح اپنا مزاج کب تبدیل کرے گا اور دنیا میں اس کے مثبت اثرات کب نمایاں ہونے شروع ہونگے۔

تنقید زدہ معاشرہ !

ہمارے ملک کی ستر سالہ تاریخ گواہ ہے کہ ہم تنقید زدہ لوگ ہیں۔ ہم پاکستانی معاشرے کے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں ہمیں تنقید کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ دراصل ہماری پرورش تنقید زدہ ماحول میں ہوئی ہے۔ ستر سال تو پاکستان کو وجود میں آئے ہوئے ہو چکے، شائد تنقید ہمارے خطے کی وراثت ہے۔ تنقیدی مزاج ہمیں ہماری محرومیوں کی بدولت میسر آیا ہے، زمانہ ہمیں محروم کرتا گیا اور ہم فقط تنقید کرتے رہ گئے۔ تنقیدی ذہن تخلیقی صلاحیتوں پر قدغن لگانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور خود ایسی صلاحیتوں سے کسی حد تک خالی سمجھا جاتا ہے، کیوں کے وہ ہر ہونے والے کام کے منفی پہلو پر بحث کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ آج میڈیا کی ترقی بھی انہی تنقیدی عناصر کی بدولت پھل پھول رہی ہے۔ تنقید زدہ معاشرے کا ترقی کرنا ناممکنات میں شمار کیا جاسکتا ہے اور وقت کے ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیوں کو ترقی کہنا درست نہیں، یہ تو آپ کی مجبوری ہے کہ آپ نے ایسا کرنا ہی ہے ورنہ معاشرہ یا زمانہ آپ کو روندتا ہوا آگے نکل جائے گا۔ ایسے کسی بھی عمل کو ہم ترقی کہتے ہیں جو کہ ترقی نہیں بلکہ بھیڑ چال کہلاتی ہے۔

یہ تنقید ہمارے معاشرے میں کسی خاص مقام تک محدود نہیں ہے۔ یہ ہمارے گھروں

سے شروع ہوتی ہے، ہمارے کام کرنے کی جگہ بہت بھرپور انداز میں رہتی ہے، کھیل کے میدانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ سیاست اور حکومت تو اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ہم اپنی عزتِ نفس کی بقاء کیلئے کسی سے بھی لڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں جبکہ ہمارے نزدیک کسی دوسرے کی عزت نفس کی کوئی اہمیت نہں۔ ہر آنے والا جانے والے پر اور ہر جانے والا آنے والے پر بس تنقید ہی تنقید کئے جا رہے ہیں۔

ہمارے ملک کو بڑے پائے کے بے قاعدہ نقاد دستیاب ہیں، جن کا کام ہر ہونے والے عمل پر تنقید کرنا۔ موقع ملنے کی دیر ہے ورنہ سڑک پر چلتے ہوئے کسی بھی فرد کو روک کر اس سے کوئی بھی سوال کرلیں اس کی گفتگو کا تقریباً پچہتّر فیصد تنقید پر مبنی ہوگا۔ اپنی محرومیوں کا ذمہ دار ہم نے معاشرے کو ٹھہرا دیا ہے اور ہم یہ بھول گئے ہیں کے ہم بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔ اگر کوئی ہماری محرومی کا سبب بن رہا ہے تو ہم بھی کسی کی محرومی کا سبب ہیں۔

ٹیلی میڈیا کی ترقی کا سب سے زیادہ فائدہ نیوز چینلز کو ہوا۔ ہمارے ملک میں لگ بھگ 30 نیوز چینل بیک وقت ایک ہی خبر چلاتے ہیں اور پورے پاکستان کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ انگنت لوگ "بریکنگ نیوز" سن سن کر دل کے عارضے میں مبتلا

ہو گئے۔ ان چینلز کے توسط سے جہاں لوگوں میں ذہنی نشو نما بھی ہوئی تو دوسری طرف دماغی بد ہضمی بھی ہونا شروع ہو گئی۔ یعنی جو بات کسی کی ذہنیت کیلئے نہیں تھی اسکو وہ بھی سننی اور سمجھنی پڑھ رہی ہے اور سمجھا بھی اتنا ہی جاسکتا ہے جتنا کہ علم ہوگا۔ جب تک پرنٹ میڈیا کا دور تھا یعنی اخبارات و رسائل، ان کو وہی پڑھ سکتا تھا جو پڑھا لکھا یا پڑھا پڑھا ہوتا تھا۔ جو کوئی پڑھ نہیں سکتا تھا وہ کسی پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی کو پکڑ کر اخبار و رسائل سے خبریں سنتا تھا۔ مگر تنقید کرنے والے اس وقت بھی آج کی طرح ہی تھے۔ اخبار پڑھ کر سنانے والے کو شائد خبر کی اتنی سمجھ نا آتی ہو جتنی کے سننے والے صاحب کو آتی تھی اور پھر وہ صاحب اس خبر پر سارا دن تبصرہ کرتے رہتے تھے اور اپنی ذہانت کا ڈنکا بجاتے رہتے تھے۔

.بڑے بوڑھے کہتے تھے کے نو مولود بچے کو زیادہ دیر گود میں نہیں لینا چاہئے کیونکہ بچہ جتنے ہاتھ پاؤں خود چلائے گا اتنی ہی اچھی نشو نما پائے گا۔ ہم نے ایک بچے کی طرح معاشرے کو گود میں لینے کی ناکام کوشش میں معاشرتی اقدار کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔

ہم بنیادی طور پر تنقید پر بات کر رہے ہیں، تنقید زدہ معاشرہ بہت مشکل سے پھلتا پھولتا ہے، معاشرہ بنیادی طور پر معاشرتی اقدار کی پر کھڑا ہوتا ہے

اور ہر فرد کو گھر، اسکول اور مذہب معاشرتی اقدار کی پیروی کا درس دیتا ہے بلکہ تنبیہ کرتا ہے۔ جب ایک ضابطہ اخلاق موجود ہے اور ہر فرد اس ضابطہ اخلاق سے باخوبی واقف ہے تو پھر اسقدر بے جا تنقید کیوں؟؟؟ ہم نے خوف کے مارے متعین شدہ حدوں کو بڑھانے کی بجائے اور کم کر لیا ہے۔ جب کے ضرورت اس امر کی تھی کے دنیا سے مقابلہ ہے ان حدوں کو ایک معاشرتی ضابطہ اخلاق بنا کر بڑھایا جاتا تاکہ نئی نسل کو وہ سب کچھ جو وہ چھپ چھپ کر رہے ہیں کرنا ہی نہیں پڑھتا۔ آج سب کچھ ہو رہا ہے ہمارے بچے ہم سے آگے نکل رہے ہیں انہیں جو بات بتانے کھڑے ہو وہ پہلے سے جانتے ہیں انکا پہلے سے بہت ساری باتوں کا جاننا ہمارے لئے خفت کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ ہم نے اس تنقید کے عمل کو لگام نہیں ڈالی تو معاشرہ کھوکھلا اور معاشرتی اقدار مردہ لاشوں کی طرح ہونگی تو مگر ان پر عمل کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

کیا یہ صحیح وقت ہے؟

فیصلے کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اور صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت تو قدرت کسی کسی کو عطاء کرتی ہے اور پھر فیصلوں کی توصیق کیلیئے بھی قدرت کی خصوصی رضامندی درکار ہوتی ہے۔ اہم فیصلے کرنے کیلیئے کرنے کیلیئے انسان اپنے تجربے اور علم کو روشنی کو اہمیت دیتا ہے۔ دنیا ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے جو کھڑے کھڑے فیصلہ کر لیتے ہیں اور پلٹتے ہی اس فیصلے سے مکر جاتے ہیں یا پھر منہ کی کھاتے ہیں۔ مگر جہاندیدہ اور تدبیر سے کام لینے والے افراد ابھی بھی باقی ہیں اور تاریخی فیصلے کر رہے ہیں۔ پاکستان کو درپیش مسائل کی ایک اہم ترین وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں فیصلے کرنے والے.بروقت اور صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت سے محروم دیکھائی دیتے ہیں۔

آج پاکستان کو عسکری قیادت کی سب سے بڑی تبدیلی کا مسلئہ درپیش ہے۔ پاکستانی عوام کی دلی خواہش ہے کہ موجودہ سپہ سالار کو ہی توسیع دی جائے۔ موجودہ جنرل جناب راحیل شریف صاحب، پوری دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ نے اپنی گرانقدر خدمات کی بدولت یہ نام اور مقام حاصل کیا گو کہ آپ کے دو انتہائی اہم حوالے بھی ہیں۔ اول آپ میجر شبیر شریف شہید کے چھوٹے بھائی

اور میجر عزیز بھٹی شہید کے بھانجے بھی ہیں۔ دو "نشانِ حیدر" جس خاندان کے سینے پر سجے ہوں وہ سینہ سکڑ ہی نہیں سکتا۔ ان کی رگوں میں دوڑنے والے لہو کی گرمائش پورے پاکستان میں محسوس کی گئی آپ نے ملک اور قوم سے محبت کی حرارت اور گرمائش پوری افواج میں بہت ہی قلیل وقت میں منتقل کر دی اور پاک فوج کے وقار، عزم اور حصلے کو چار چاند لگا دیئے۔

یقیناً جنرل راحیل شریف صاحب کی شخصیت کے سحر میں ساری دنیا جکڑی ہوئی ہے اور ساری دنیا پر پاک فوج کی ہیبت جنرل راحیل صاحب کی وجہ سے دوہری طاری ہے۔ آج پاکستانی افواج اسلام کے ان لشکروں کی مانند محسوس کی جاسکتی ہے جن کی کمان نامی گرامی مسلمان جرنیلوں کے سپرد ہوا کرتی تھی۔ جنرل راحیل شریف کی قیادت نے پاکستانی فوج کی صلاحیتوں میں گراں قدر اضافہ کر دیا ہے۔ کسی نے خوب کہا تھا کہ جنگیں ہتھیاروں سے نہیں اور عزم اور حوصلے سے لڑی جاتی ہے"۔ ہتھیاروں میں تو" ہم الحمدوللہ خود کفیل ہیں مگر آج ہمارا حوصلہ اور عزم آسمانوں سے باتیں کرتا ساری دنیا دیکھ رہی ہے اور بہت خوبی سے محسوس بھی کر رہی ہے۔

جنرل راحیل شریف نے اپنی ذمہ داریاں انتہائی احسن اور پیشہ ورانہ انداز میں نبھائیں۔ گاہے بگاہے دنیا کو اپنی صلاحتوں کا جلوہ بھی دکھاتے رہے۔ دنیا کو

پاکستان کی جوہری طاقت کا تو علم ہے ہی مگر ایسی عسکری قیادت بھی ہمارا ہی امتیاز ہے، یہ جنرل راحیل شریف صاحب کی شکل میں دنیا نے دیکھی۔ ہمیں یقیناً اس بات پر فخر ہونا چاہئے کہ ہم نے جنرل راحیل شریف صاحب کا دور دیکھا، ہم نے پاکستان کا سب سے بڑا عسکری اعزاز "نشانِ حیدر" پانے والے دو شہداء کے خاندان کا چشم وچراغ اپنی تمام تر رعنائیوں اور تمکنت کے ساتھ دیکھا۔

جنرل صاحب اس طرح ہم لوگوں کو بے یارومددگار چھوڑ کر چلے جائینگے، آج ساری قوم اس سکتہ میں ہے۔ ایسے سیاستدانوں کے حوالے جنھیں نا پاکستان کی فکر ہے اور نا ہی ہم جیسے پاکستانیوں کی۔ دونوں طرف کے پڑوسی ہمیں تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ دونوں جانب سے ہی روز بروز کشیدگی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ معصوم جانیں حب الوطنی کی خاطر اپنا نظرانا پیش کئے جارہی ہیں، اپنی جانوں کا نظرانہ پیش کرنے والوں میں خواتین اور مردوں کے شانہ بشانہ اس قوم کے معصوم بچے بھی شامل ہیں۔ یہ دشمن جو جنرل راحیل کی ہیبت سے خوفزدہ ہیں، کیا انکے جاتے ہی یا اپنے عہدے سے سبکدوش ہوتے ہی ہمیں کسی بڑی کاروائی کی توقع کرلینی چاہئے۔ ہمارا دشمن انتہائی درجہ کا بزدل ہے اور وہ ہمیشہ ایسے وقت کی تلاش میں رہتا ہے جس کا فائدہ اٹھا کر وہ پاکستان کو کسی بھی طرح سے نقصان پہنچاسکے۔ آج کل کے حالات کے پیشِ نظر تقریباً ہر پاکستانی کے دل کی یہ خواہش ہے کہ جنرل راحیل شریف صاحب کم از

کم ابھی اپنے عہدے سے سبکدوش نا ہوں اور اس وقت تک اپنی ذمہ داریاں نبھائیں جب تک حالات کی کشیدگی میں کمی نا ہوجائے۔ ملک میں کرپشن کے خلاف چلنے والی مہم کسی منتقی انجام کو نا پہنچ جائے یا کراچی میں جاری آپریشن کے نتائج واضح طور پر دنیا کے سامنے نا آجائیں یا پھر کم سے کم ضربِ عزب کو اپنے انجام کو پہنچنے دیں۔ ابھی تو آپ گئے نہیں ہیں تو دیکھیں کس ہندوستانی کس طرح سے ہمارے معصوم اور نہتے لوگوں کا خون بہا رہا ہے۔ دشمن کا توپ خانہ پھر شعلہ اگل رہا ہے پھر معصوم لاشیں سڑکوں پر پڑی ہیں کیا آپ ان لاشوں کو ایسے ہی بے یارومددگار چھوڑ کر چلے جائنگے۔ آپ جو بھی فیصلہ کر رہے ہیں، کیا اس کا یہ صحیح وقت ہے اور کوئی بھی فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیجئے گا کیونکہ آپکا یہ فیصلہ تاریخی ہوگا۔